محمود المواعظ

(جلد سوم)

مجموعۂ مواعظ

حضرت اقدس **مولانا مفتی احمد صاحب خانپوری** دامت برکاتہم

سابق صدر مفتی وحال شیخ الحدیث جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین، ڈابھیل

مرتب

مولانا عظیم الدین ارنالوی

مدرس مدرسہ مفتاح العلوم، تراج، سورت، گجرات

ناشر

مکتبۂ محمودیہ، محمود نگر، ڈابھیل

تفصیلات

کتاب کا نام:......... محمود المواعظ (جلد سوم)

افادات:......... حضرت اقدس مفتی احمد صاحب خانپوری دامت برکاتہم

مرتب:......... مولانا عظیم الدین ارنالوی (استاذ مدرسہ مفتاح العلوم تراج)

صفحات:......... ۴۰۰

ناشر:......... مکتبۂ محمودیہ، محمود نگر، ڈابھیل، گجرات

حضرت کے مواعظ، کتابیں حاصل کرنے اور ہر سنیچر کو براہِ راست حضرتِ اقدس کی مجلس سننے کے لیے حسبِ ذیل ویب سائٹ کا استعمال کریں:

www.muftiahmedkhanpuri.com

ملنے کے پتے

- ادارۃ الصدیق ڈابھیل، نزد جامعہ ڈابھیل، Mo:99133,19190
- ادارۃ الصدیق دیوبند، نزد عیدگاہ، دیوبند Mo:9997953255
- شعبۂ فیض محمود، سورت، Mo: 99988,31838
- مکتبۂ انور (مفتی عبد القیوم راجکوٹی) ڈابھیل Mo:99246,93470
- مکتبۂ محمدیہ (مفتی سلیمان شاہوی) ترکیسر Mo:88666,21229
- مکتبۂ ابو ہریرہ، کھروڈ Mo: 9925652499
- مکتبۃ الاتحاد دیوبند Mo:98972,96985
- مولانا رحمت اللہ صاحب مدظلہ (دار العلوم رحیمیہ بانڈی پورہ، کشمیر)

اجمالی فہرست مضامین...... جلد سوم

تفصیلی فہرست مضامین...... جلد سوم

(۱)حجیتِ حدیث (۲) درسِ حدیث (۳) درسِ مسلسلات

رہنمائے معلمین

اہلِ علم اپنا مقام ومرتبہ پہچانیں

رہنمائے طلبہ (۱)

رہنمائے طلبہ (۴)

لجنۃ القرّاء کے سالانہ اجلاس کے موقع پر

طلبہ سے اہم خطاب

اقتباس

اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ کے لیے اسباب مہیا کیے ہیں۔ آپ جہاں قرآنِ پاک کی تعلیم لے رہے ہیں اور دوسرے علوم حاصل کر رہے ہیں، وہاں یہ علم بھی اگر حاصل کریں اور اس کی طرف توجہ ہو تو یہ آپ کے حق میں بہتر ہوگا؛ کیوں کہ "۲۴" گھنٹے تو اس کے پیچھے لگانے نہیں پڑتے، کہ "۲۴" گھنٹوں میں سے تھوڑا سا وقت اس کے لیے نکالنا پڑتا ہے، اس لیے اس کی طرف تھوڑی سی توجہ کر کے اس کو بھی حاصل کر لیں۔ قدیم زمانے میں جتنے بھی علماء ہوئے ہیں، ان کے یہاں جس طرح قرآن وحدیث کے دوسرے علوم کو حاصل کرنے کا اہتمام ہوتا تھا، وہاں تجوید وقرأت کی طرف بھی خاص طور پر توجہ دی جاتی تھی، تقریباً ہر عالم اس فن سے واقف ہوا کرتا تھا۔ فنِّ تفسیر کے اندر جن علوم کو ضروری قرار دیا گیا ہے، اس میں یہ علم بھی ہے۔ آپ جہاں جلالین پڑھتے ہیں تو اس میں موقع بموقع صاحبِ جلالین قرأت کے اختلافات کو بھی ذکر کرتے ہیں۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

الحمد لله نحمده و نستعينه و نستغفره و نؤمن به و نتو كل عليه و نعوذ بالله من شرور انفسنا و من سيئات اعمالنا، و نعوذ بالله من شرور انفسنا و من سيئات اعمالنا، و نعوذ بالله من شرور انفسنا و من سيئات اعمالنا، من يهده الله فلا مضل له، و من يضلله فلا هادي له، و نشهد أن لا إله إلا الله وحده لا شريک له و نشهد أن سيدنا و مولانا محمدا عبده و رسوله، أرسله إلى كافّة الناس بشيرا و نذيرا، و داعيا إلى اللّٰه بإذنه و سراجا منيرا، صلى اللّٰه تعالىٰ عليه و على آله و أصحابه و بارک و سلّم تسليما كثيرا كثيرا، أما بعد: فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ بسم اللّٰه الرحمن الرحيم: اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ (الحجر: ۹) وقال تعالىٰ: وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِيْلًا (المزمل: ٤)

ابتدائی کلام

مہمانِ کرام اور عزیز طلبہ! آج کی یہ مجلس ’’لجنۃ القراء‘‘ کی سال بھر کی جو کاروائی ہے، اس کا اجمالی خاکہ پیش کرنے کے لیے منعقد کی گئی تھی اور یہ مقصد آپ کے سامنے پیش کی ہوئی رپورٹ کی شکل میں حاصل ہو چکا ہے اور جن طلبہ نے سال بھر محنت کی اور لجنہ کے مختلف اجلاسوں میں ذوق وشوق کے ساتھ حصہ لیا، ان کو انعامات سے نوازکران کا بھی اعزاز و اکرام ہوا اور حوصلہ افزائی ہوئی تو انعقادِ مجلس کا جو مقصد تھا، وہ تو حاصل ہو چکا۔

قرآنِ پاک کے سب سے پہلے کامیاب ترین مُعلّم

اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآنِ پاک کو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل فرمایا، سب سے پہلے معلّم آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی ہیں: یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ وَیُزَكِّیْهِمْ وَیُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ۔ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت کے مقاصد میں اولین مقصد تلاوتِ آیات ہے۔ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بڑے اہتمام کے ساتھ صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم أجمعین کو قرآنِ پاک کے الفاظ اور اس کے معانی کی تعلیم دیا کرتے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے ہی حضراتِ صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم أجمعین کی ایک معتد بہ تعداد ایسی تیار ہو چکی تھی جن کے متعلق خود نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم امت کو ہدایت فرماتے ہیں کہ فلاں، فلاں، فلاں سے آپ قرآنِ پاک سیکھیے بلکہ۔ ان میں بعض وہ بھی ہیں کہ جن کو بارگاہِ رسالت سے ''أقرأهم'' کا خطاب دیا گیا اور وہ بھی ہیں جن کے متعلق نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ جو یہ چاہتا ہو کہ وہ قرآنِ پاک کو اسی طرح تر و تازہ سنے جس طریقے سے وہ نازل ہوا ہے تو: فَعَلَيهِ بابْنِ أُمِّ عَبْدٍ: اس کو چاہیے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو لازم پکڑے (۱)۔

خدمتِ قرآن کی تاریخ ''اسلامی تاریخ'' جتنی ہی پرانی ہے

بہرحال! حضراتِ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم میں بعض ایسی شخصیات تھیں کہ جن کے سلسلے میں نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی زبانِ مبارک سے اس سلسلے میں ایک خاص سند عطا فرمائی

(۱) مجمع الزوائد ومنبع الفوائد، ۲۴۸/۹، عن عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ، ر: ۱۵۵۵۱.

بلکہ بعضوں کا قرآنِ پاک خود نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سنا اور بعضوں کو خود نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پڑھ کر سنایا، یہ ایک طریقہ تھا جو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم امت کے اندر جاری کرنا چاہتے تھے اور نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد حضراتِ صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم أجمعین نے قرآنِ پاک کی جو خدمات انجام دی ہیں، وہ تاریخِ اسلام میں سنہری الفاظ میں لکھی ہوئی ہیں۔

کوفہ میں حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ کی بے مثال خدمتِ قرآن

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں جب عراق فتح ہوا اور عراق کے دونوں شہر کوفہ اور بصرہ کو آباد کیا، نئی آبادیاں تھیں تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو کوفہ والوں کے نام اس تحریر کے ساتھ بھیجا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کوفہ والوں کے نام اس مضمون کا خط لکھا تھا کہ میں عبداللہ بن مسعود کے علم کا زیادہ محتاج ہوں لیکن میں تم کو اپنی ذات پر ترجیح دیتا ہوں (۱)۔ باقاعدہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اپنے شاگردوں کی جماعت کے ساتھ کوفہ تشریف لے گئے اور اس کو قرآنِ پاک کی تعلیمات سے ایسا آباد کیا کہ گھر گھر میں قرآنِ پاک پڑھا جانے لگا۔

اہلِ دمشق کے مُعلّمِ قرآن حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ اور ان کا طریقۂ تعلیم

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ نے دمشق میں بیٹھ کر کے قرآنِ پاک کی خدمت

---

(۱) سیر أعلام النبلاء، ۱/۴۸۵

انجام دی، جب ایک آدمی کو پورا قرآن پڑھا دیتے تھے تو دس آدمی ان کے حوالے کر کے فرماتے کہ اب ان کو پڑھاؤ پھر دوسرے کو دس آدمی حوالے کرتے تھے، ایک مرتبہ ان کی مجلس میں شمار کیا گیا کہ ”۱۶۰۰“ آدمی قرآنِ پاک یاد کر رہے ہیں، پڑھ رہے ہیں۔ یہ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ بھی قُرّاءِ صحابہ میں سے ہیں[1]۔

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بھی عظیم قُرّاء میں سے ہیں

تو بہرحال! ایسے ایسے صحابہ تھے کہ جن کا تذکرہ اسی قرآنِ پاک کی مختلف خدمات کی نسبت سے کیا گیا ہے۔ حضرت ابوموسی اشعری رضی اللہ عنہ کا قرآنِ پاک کو پڑھنا اور اس کو سننے کے لیے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اپنے حجرۂ شریفہ سے باہر آ جانا روایتوں میں موجود ہے۔

حفاظتِ قرآن کا تکوینی نظام ہر جگہ برابر جاری وساری ہے

تو بہرحال! قرآنِ پاک کی خدمات کا سلسلہ اسی زمانے سے چل رہا ہے اور ہر دور اور زمانے میں، ہر خطے اور دنیا کے ہر حصے میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے ایسے لوگ پیدا کیے جنھوں نے اپنے آپ کو قرآنِ پاک کی خدمت کے لیے فارغ کر دیا تھا، اس زمانے میں بھی جب کہ مادّیت اپنے عروج پر ہے، پھر بھی ہر جگہ یہ خدمات ہو رہی ہیں، امریکہ جیسا امریکہ جو مادّیت کا گویا علم بردار ہے، وہاں بھی ایسے خطے ہیں، جہاں اللہ کے بعض ایسے بندے ہیں جنھوں نے قرآنِ پاک کی خدمت کے لیے اپنے آپ کو

(۱) سیر أعلام النبلاء، ۲/۳۴۶.

فارغ کررکھا ہے، چوبیس گھنٹے اسی میں مشغول رہتے ہیں۔

خدمتِ قرآن کے لیے ابوعبدالرحمٰن عبداللہ بن حبیب سلمی رحمۃ اللہ علیہ کی بے مثال قربانی

بخاری شریف میں جہاں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی وہ روایت ہے، نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وہ ارشاد ہے: خَيْرُكُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَعَلَّمَهُ (۱) اس کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے حوالے سے ابوعبدالرحمٰن عبداللہ بن حبیب سلمی رحمۃ اللہ علیہ جو عام طور پر قرأت کی سندوں میں آتے ہیں، وہ اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ یہی وہ ارشاد ہے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جس نے مجھے یہاں بٹھایا ہے۔ پوری زندگی انھوں نے قرآنِ پاک کی خدمت میں لگا دی تو ہر زمانے میں، ہر جگہ اس طرح کے لوگ رہے ہیں۔

قرآنی خدمات کے سلسلے میں پانی پت کی سنہری تاریخ

حضرت فقیہ الامت نور اللہ مرقدہ کے ایک وعظ میں ہے کہ پانی پت ایک ایسی آبادی تھی کہ جہاں قرآنِ پاک کی خدمت خاص طور پر انجام دی گئی، پورا شہر اس میں مشغول تھا۔ ایک زمانہ تھا کہ پانی پت کے قُرّاء، وہاں کا لہجہ، وہاں کی دینی خدمات ایسی معروف ومشہور تھیں کہ حضرت فرماتے ہیں کہ وہاں کی عورتیں بھی سبعہ، عشرہ کی قاریہ ہوا کرتی تھیں۔

---

(۱) صحیح البخاری، عَنْ عُثْمَانَ، رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، باب خیر کم من تعلم القرآن وعلمه.

میرے قرآں کو سینے سے لگایا کس نے؟

ہمارے حضرت مفتی صاحب نور اللہ مرقدہ نے ایک واقعہ سنایا کہ اس زمانے کا عام دستور تھا کہ بچے اور بچیاں اپنی ماں ہی کے پاس قرآنِ پاک سیکھا کرتے تھے، مکتب میں بھیجنے کا رواج نہیں تھا، یہ سلسلہ تو بعد میں جاری ہوا، گھروں میں عورتیں ہی بچوں کو قرآنِ پاک کی تعلیم دیا کرتی تھیں۔ ایک عورت روٹی پکا رہی ہے اور اس کا ایک بچہ قرآنِ پاک ہاتھ میں لے کر کے ماں کو قرآن سنا رہا ہے، سورۂ یوسف میں کی ایک آیت کا ایک لفظ ''لَا تَأۡمَنَّا'' پڑھنے لگا تو حضرت فرماتے ہیں کہ اس میں چوں کہ دو ہی طریقے ہیں: (۱) روم، یا (۲) اشمام، اس بچے نے دونوں میں سے کسی کا بھی لحاظ کیے بغیر یہ لفظ پڑھ لیا تو ماں جو روٹی بنا رہی تھی، آٹے کا پیڑا اس کے ہاتھ میں تھا، اس کی روٹی بنانے جا رہی تھی، اس کو طباق میں رکھا اور ہاتھوں کو جھاڑا، ہاتھ میں آٹے کے کچھ ذرّات تھے پھر اس کے ہاتھ سے قرآن لے کر اپنے بغل میں دبایا اور اس کو ایک طمانچہ رسید کر کے کہنے لگی کہ اس آیت کے اندر پڑھنے کے دو ہی طریقے ہیں، اس کے علاوہ کوئی تیسرا طریقہ نہیں ہے: (۱) روم، یا (۲) اشمام تو کیا ''لَا تَأۡمَنَّا'' ''لَا تَأۡمَنَّا'' کرتا ہے!!

تھے تو وہ آباء تمھارے ہی مگر تم کیا ہو؟

دیکھیے! اس سے ایک بات تو یہ معلوم ہوئی کہ وہ عورت باوضو ہے، کیوں کہ اس نے قرآن ہاتھ میں لے کر بغل میں دبایا، باوضو تھی، تبھی تو اس نے ایسا کیا اور روٹی پکاتی

جارہی ہے اور اپنے بچے کا سبق بھی سن رہی ہے تو اس کو قرآنِ پاک کا کتنا استحضار ہوگا! آج تو ہمارے مدرسے میں پڑھنے والے بہت سے طلبہ ایسے ہوں گے کہ جن کو اس کا خیال نہیں کہ اس آیت کے اندر پڑھنے کے دو ہی طریقے ہیں، اس کے علاوہ کوئی تیسرا طریقہ نہیں ہے۔

توفیق کیا ہے؟

کہنے کا حاصل یہ ہے کہ قرآنِ پاک کے سلسلے میں ہر زمانے میں محنتیں کی گئی ہیں اور ہمارے اس زمانے میں بھی ہر جگہ یہ محنتیں ہو رہی ہیں، ہمارے جامعہ کے اندر بھی جب سے حضرت قاری احمداللہ صاحب تشریف لائے، یہ سلسلہ جاری ہوا ہے اور الحمدللہ! چل رہا ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ طلبہ کو اس کا موقع دیا ہے۔ یہ یاد رکھئے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے ایسے اسباب مہیا کیے گئے ہیں کہ جامعہ میں رہتے ہوئے کوئی آدمی قرآنِ پاک صحیح طریقے سے پڑھنا چاہتا ہے تو اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے اس کا انتظام موجود ہے، اسی کو شریعت کی اصطلاح میں توفیق کہتے ہیں یعنی کسی کے لیے کسی کارِ خیر کے اسباب کا اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے مہیا کیا جانا، اسی کو توفیق کہا جاتا ہے۔

ہمارے اسلاف دیگر علوم کے ساتھ علمِ تجوید کے بھی ماہر ہوتے تھے

اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ کے لیے اسباب مہیا کیے ہیں۔ آپ جہاں قرآنِ پاک کی تعلیم لے رہے ہیں اور دوسرے علوم حاصل کر رہے ہیں، وہاں یہ علم بھی اگر

حاصل کریں اور اس کی طرف توجہ ہو تو یہ آپ کے حق میں بہتر ہوگا؛ کیوں کہ ''۲۴'' گھنٹے تو اس کے پیچھے لگانے نہیں پڑتے، ''۲۴'' گھنٹوں میں سے تھوڑا سا وقت اس کے لیے نکالنا پڑتا ہے، اس لیے اس کی طرف تھوڑی سی توجہ کر کے اس کو بھی حاصل کر لیں۔ قدیم زمانے میں جتنے بھی علماء ہوئے ہیں، ان کے یہاں جس طرح قرآن وحدیث کے دوسرے علوم کو حاصل کرنے کا اہتمام ہوتا تھا، وہاں تجوید وقرأت کی طرف بھی خاص طور پر توجہ دی جاتی تھی، تقریباً ہر عالم اس فن سے واقف ہوا کرتا تھا۔ فنِ تفسیر کے اندر جن علوم کو ضروری قرار دیا گیا ہے، اس میں یہ علم بھی ہے۔ آپ جہاں جلالین پڑھتے ہیں تو اس میں موقع بموقع صاحبِ جلالین قرأت کے اختلافات کو بھی ذکر کرتے ہیں۔

بہر حال! یہ علم بھی حاصل کرنا ضروری ہے، اس کی طرف بھی توجہ ہونی چاہیے، ہمارے یہاں اللہ تبارک وتعالیٰ کے فضل وکرم سے یہ سلسلہ جاری ہے اور اب تو بہت سے مدارس میں الحمد للہ یہ سارے سلسلے جاری ہیں۔

اللہ تبارک وتعالیٰ زیادہ سے زیادہ اس سے فائدہ اٹھانے کا آپ کو موقع عطا فرمائے اور اس سلسلے کو اللہ تبارک وتعالیٰ آئندہ بھی جاری وساری رکھے۔ (آمین)

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔

(۱) حجیتِ حدیث (۲) درسِ حدیث
(۳) درسِ مسلسلات

بمقام: پناما

اقتباس

تو بہت سارے احکام قرآن کے وہ ہیں، جو مجمل ہیں۔ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی تشریح فرمائی؛ اس لیے جب تک حدیث کو سامنے رکھا نہ جائے، وہاں تک آدمی قرآن کو سمجھ سکتا ہی نہیں؛ اسی لیے حدیث کو بنیادی حیثیت دی گئی ہے۔ اسلام کے اندر اصول اسلام میں جہاں نمبر اوّل پر قرآن پاک ہے، وہاں دوسرے نمبر پر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشادات ہیں کہ اس کے بغیر کسی آدمی کے لیے قرآن کا سمجھنا ممکن نہیں اور پھر قرآن ہی میں ﴿وَمَا اٰتٰکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْہُ وَمَا نَھٰکُمْ عَنْہُ فَانْتَھُوْا﴾ (الحشر: ۷) فرما کر بتلا دیا گیا کہ جن چیزوں کا حکم حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دیں، ان کو بجالانا ضروری ہے اور جن چیزوں سے منع کریں، ان سے بچنا ضروری ہے۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

الحمد لله نحمده ونستعينه ونستغفره ونؤمن به ونتوكل عليه ونعوذ بالله من شرور انفسنا و من سيئات اعمالنا، ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا، ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا، من يهده الله فلا مضل له، و من يضلله فلا هادي له، ونشهد أن لا إله إلا الله وحده لا شريک له ونشهد أن سيدنا ومولانا محمدا عبده ورسوله، أرسله إلى كافّة الناس بشيرا ونذيرا، وداعيا إلى اللّٰه بإذنه وسراجا منيرا، صلى اللّٰه تعالىٰ عليه وعلى آله وأصحابه وبارک وسلّم تسليما كثيرا كثيرا، أما بعد:

حضرات علمائے کرام، میرے مسلمان بھائیو، گھر میں بیٹھی ہوئی مسلمان بہنو، بیٹیو، اور ماؤں!

علمِ دین کا حصول کیوں ضروری ہے؟

جس روز سے دنیا میں انسانوں کو بھیجا گیا ہے، اس دن سے اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی ہدایت کے واسطے نبوت کے سلسلہ کو بھی جاری فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کائنات کو پیدا فرما کر اس کی تمام چیزوں کو انسان کے فائدے کے لیے مخصوص کر دیا، گویا انسان کے لیے وقف کر دیا کہ کائنات کی تمام چیزوں سے فائدہ اُٹھائے، لیکن کائنات کی ان چیزوں سے فائدہ اُٹھانے کے ساتھ اللہ تبارک وتعالیٰ کی مرضیات کو بھی مدنظر رکھے۔ اللہ تعالیٰ کن چیزوں سے راضی ہوتا ہے، اس بات کو سامنے رکھتے ہوئے

ہی ان چیزوں سے فائدہ اٹھا سکتا ہے، اس لیے انسان کے لیے ضروری ہوگیا کہ کائنات کی چیزوں سے فائدہ اُٹھانے کے واسطے سب سے پہلے وہ ان چیزوں سے اور ان کے خواص سے واقفیت حاصل کرے اور ساتھ ہی ساتھ اللہ تعالیٰ کن چیزوں سے راضی ہوتا ہے اور کن چیزوں سے ناراض ہوتا ہے یہ بھی اس کو معلوم ہونا چاہیے۔

اسبابِ علم

ان ساری معلومات کے واسطے اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا کرنے کے ساتھ ساتھ تین چیزیں اسبابِ علم کے طور پر عطا فرمائی۔ ایک حواس خمسہ جن کے ذریعہ انسان بہت ساری چیزوں کا علم حاصل کر سکتا ہے۔ اللہ نے آنکھیں عطا فرمائیں اور بینائی کی قوت دی، اس کے ذریعہ سے دیکھ کر آدمی بہت سی چیزوں کا علم حاصل کر سکتا ہے۔ کان کو سننے کی صلاحیت عطا فرمائی، اس کے ذریعہ سے سن کر بہت ساری چیزوں کا علم حاصل کر سکتا ہے۔ چھونے کی صلاحیت عطا فرمائی، بعض چیزوں کا علم چھو کر بھی حاصل کر سکتا ہے۔ چکھنے کی صلاحیت عطا فرمائی اس سے بھی وہ بہت ساری چیزوں کا علم حاصل کر سکتا ہے۔ یہ حواس اسبابِ علم میں سے ہیں۔

نزولِ وحی کی ضرورت

اس کے بعد انسان کو اللہ تعالیٰ نے عقل عطا فرمائی، یہ بھی اسبابِ علم میں سے ہے، بہت سی چیزوں کا علم آدمی ان حواس سے حاصل نہیں کر سکتا لیکن عقل کے ذریعہ سے حاصل کر سکتا ہے اور اس کے بعد کچھ چیزوں کا علم آدمی عقل سے حاصل نہیں کر سکتا

ہے تو اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے ایک تیسرا ذریعہ وحی کا عطا فرمایا۔ علم حاصل ہونے کے یہ کل تین اسباب ہیں۔

کسی بھی چیز کا علم اس کے ساتھ متعلق حاسّے ہی سے حاصل کیا جا سکتا ہے

اور ان میں ترتیب بھی اسی طرح ہے کہ نمبر اول پر انسان جن چیزوں کا علم اپنے حواس کے ذریعہ سے حاصل کرتا ہے، عقل ان میں دخل نہیں دیتی۔ مثلاً بہت ساری چیزیں جو ہماری آنکھوں کے سامنے ہیں ان کا علم ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ کر حاصل کر سکتے ہیں۔ اب اگر کوئی آدمی اپنی آنکھیں بند کر کے عقل کے ذریعہ اس کا علم حاصل کرنا چاہے تو نہیں کر سکتا۔ اس لیے کہ وہ یہ چیز ہے کہ جو دیکھ کر ہی معلوم کی جا سکتی ہے، عقل میں اس کو معلوم کرنے کی صلاحیت نہیں رکھی ہے۔ بہت ساری چیزوں کا علم جس کو ہم سن کر حاصل کر سکتے ہیں تو وہ ہم آنکھوں سے نہیں پا سکتے، وہ سننے والی قوت کے ذریعہ ہی حاصل کیا جا سکتا ہے۔ اسی طرح چکھ کر حاصل کیے جانے والا علم، چھو کر حاصل کیا جانے والا علم ہے۔ مثلاً ہمارے سامنے یہ کتاب ہے اور اس میں جو اوراق ہیں اس کا رنگ ہم آنکھوں کے ذریعہ سے معلوم کر سکتے ہیں۔ اور یہ سخت ہے یا نرم ہے، یہ معلوم کرنے کے لیے ہمیں ہاتھوں کو استعمال کرنا پڑے گا جس کو قوتِ لامسہ کہا جاتا ہے۔ بہر حال! یہ حواس وہ ہیں کہ ان میں ایک حواس سے حاصل کیا جانے والا علم دوسرے حواس سے حاصل نہیں کیا جا سکتا۔

عقل کا دائرۂ کار

اب یہ ساری چیزیں تو حواس کے ذریعہ سے معلوم ہوئیں لیکن کچھ چیزیں وہ ہیں جن کا علم حواس کے ذریعہ سے حاصل نہیں ہوتا تو عقل اس میں ہماری مددگار ثابت ہوتی ہے۔ میرے سامنے یہ مائکروفون رکھا ہوا ہے، اب اس مائکروفون کو میں پکڑ کر اس کے جسم کا سائز اور وہ سخت ہے یا نرم ہے یہ ساری چیزیں تو معلوم کرسکتا ہوں لیکن بھائی عقل مجھے یہ کہتی ہے کہ اس کا کوئی بنانے والا ہے اور جب یہ ایسی عمدہ چیز ہے تو بنانے والا بھی بہت سمجھدار ہوگا۔ جس نے اپنی صلاحیت کو، اپنی عقل کو، اپنے دماغ کو اس کے ایجاد کے لیے استعمال کیا ہے۔ اس کا یہ بنانے والا ہے، یہ میری عقل مجھے بتلاتی ہے۔ یہ چیز کان آنکھ یا حواس نہیں بتلا سکتے۔

ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں

لیکن پھر عقل کے بعد آگے ایک ذریعہ وحی کا بھی ہے۔ بہت ساری وہ چیزیں جن کو عقل نہیں بتلاسکتی اس کو بتلانے کے لیے اللہ نے وحی کا ذریعہ انسان کو عطا فرمایا۔ مثلاً یہ مائکروفون ہے، اس کا استعمال کس طرح میں کروں تو اللہ تعالیٰ راضی ہوجائیں گے اور وہ استعمال کیا ہے جو کرنے سے اللہ تعالیٰ ناراض ہوجائیں گے۔ یہ نہ حواس بتلا سکتے ہیں نہ عقل بتلاسکتی ہے۔ میں اس وقت ایک گدّے پر بیٹھا ہوا ہوں، تکیے سے ٹیک لگائے ہوئے ہوں۔ یہ ساری کائنات کی چیزیں جن کو ہم استعمال کرتے ہیں۔ ان کا استعمال کس طریقے سے کیا جائے تو اللہ راضی ہو اور اس کا وہ کون سا استعمال ہے کہ جس

سے اللہ تعالیٰ ناراض ہو، تو حواس یا عقل یہ نہیں بتا سکتی۔ اسی کو بتلانے کے لیے اللہ تعالیٰ نے انسان کو ایک ذریعہ علم عطا فرمایا ہے جس کو وحی کہا جاتا ہے۔ جہاں عقل جواب دے جاتی ہے، وہاں سے وحی کا دائرۂ کار شروع ہوتا ہے۔

وحی اور صاحبِ وحی کی حقیقت

اور یہ وحی جو ہے وہ ایک خاص طریقہ ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ انسانوں میں سے اپنے کچھ بندوں کا انتخاب فرماتے ہیں اور فرشتوں کے ذریعہ سے یا الہام کے ذریعہ سے اللہ ان کے قلوب کے اوپر وہ باتیں جو دوسرے انسانوں تک پہنچانا منظور ہوتی ہیں، ڈالتے ہیں، اسی کو وحی کہتے ہیں۔ کسی پوشیدہ علم، مخفی ذریعہ علم کو عربی زبان میں وحی کہا جاتا ہے۔ یہ وحی والا جو ذریعہ ہے وہ اللہ تعالیٰ اپنے جن مخصوص بندوں کو عطا فرماتے ہیں اسی کو شریعت کی اصطلاح میں انبیاء کرام علیہم وصلوۃ والسلام کہا جاتا ہے۔

سلسلۂ نبوت ورسالت کی آخری کڑی

نبیوں کا یہ سلسلہ اللہ تعالیٰ نے شروع ہی سے جاری فرمایا اور وہ ختم ہوا ہمارے آقا اور مولا حضور اکرم سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر آ کر۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تبارک وتعالیٰ کے بھیجے ہوئے آخری پیغمبر اور آخری رسول ہیں۔ آپ کے بعد اب کوئی نیا رسول اور نیا پیغمبر آنے والا نہیں۔

انسانی ہدایت کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے جاری کردہ دو سلسلے

اور اللہ تبارک وتعالیٰ نے دنیا میں انسانوں کی ہدایت کے لیے انبیاء کرام کو

بھیجا، وہیں اللہ نے ان پر وحی کے ذریعہ سے اپنی کتابیں نازل فرمائیں۔حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ دو سلسلے ہیں: کتاب اللہ اور رجال اللہ۔ایک تو اللہ کی کتابوں کا سلسلہ: اللہ نے کتابیں بھی نازل فرمائی اور اپنا کلام بھی نازل فرمایا۔ تورات، زبور، انجیل، قرآن اور ساتھ ہی ساتھ انبیاء کرام علیہم الصلوۃ و السلام کو بھیجا۔

کتاب اللہ کے ساتھ رسول اللہ کو مبعوث کرنے کی حکمت

اب یہ جو انبیاء کو بھیجا گیا اور صرف کتابیں نازل نہیں کی گئیں۔اس میں باری تعالیٰ کی بڑی حکمتیں ہیں۔اللہ تعالیٰ اگر چاہتا تو اس پر وہ قادر تھا کہ قرآن پاک اس طرح نازل کرتا کہ کسی صبح کو دنیا کے انسان اُٹھتے تو ان کے تکیہ کے پاس بہت مزین انداز میں سُنہری حروف میں لکھا ہوا قرآن پاک کا نسخہ رکھا ہوا ہوتا۔اور پھر آسمان سے فرشتے کے ذریعہ سے یہ اعلان کر دیا جاتا کہ تمہارے پاس جو رکھا ہوا ہے وہ قرآن پاک ہے۔اللہ کی کتاب ہے۔اس کو پڑھو اور اس پر عمل کرو۔نہیں، یہ کافی نہیں سمجھا گیا؛ بلکہ ضرورت محسوس کی گئی کہ اللہ کی کتاب کے ساتھ ساتھ اللہ کے آدمیوں کو بھی یعنی انبیاء کرام کو بھی ساتھ میں بھیجا جائے تا کہ انبیاء اس کتاب پر عمل کرنے کے طریقے لوگوں کو بتلائیں، عملی نمونہ پیش کریں اور یہی اصل بنیادی چیز ہے۔

دین اور علومِ دین سیکھنے کا صحیح راستہ

اسی لیے اسلام میں سند کی بڑی اہمیت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانے سے لے کر اب تک جو لوگ از خود مطالعہ کر کے دین کا علم حاصل کرنا چاہتے

ہیں۔ حقیقت تو یہ ہے کہ وہ دین کی حقیقت سے واقف نہیں ہو سکتے، وہ دین کو صحیح طور پر سمجھ نہیں سکتے، دین کو صحیح سمجھنے کے لیے رجال اللہ کی ضرورت ہے۔ جن لوگوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے براہِ راست دین کو سیکھا، معلوم کیا پھر ان سے جنہوں نے سیکھا، اسی طرح درجہ بدرجہ، طبقہ بہ طبقہ اس زمانہ سے لے کر اب تک یہ سلسلہ چلا آیا۔ یہی وہ طریقہ ہے، صحیح طریقہ ہے جس کے ذریعہ سے آدمی علم حاصل کرسکتا ہے۔ حضرت علّامہ ابنِ سرین علیہ الرحمۃ کا مقولہ ہے، فرماتے ہیں کہ: إِنَّ هٰذَا الْعِلْمَ دِينٌ فَانْظُرُوا عَمَّنْ تَأْخُذُونَ دِينَكُمْ (۱) یہ علم جو ہے دین ہے۔

خدا پرست بنائے گا کیا وہ لٹریچر

آج کل لوگ انٹرنیٹ کھول کر بیٹھ جاتے ہیں اور یوں سمجھتے ہیں کہ سب کچھ انٹرنیٹ سے معلوم ہو جاتا ہے۔ نہیں۔ انٹرنیٹ تو گمراہ کر دے گا۔ جب تک کہ آپ اصحابِ علم سے، علماء کی صحبت کے ساتھ علم حاصل نہیں کریں گے، وہاں تک علم کی حقیقت سے آگاہ نہیں ہو سکتے۔ اس لیے آج اس زمانے کے نوجوانوں سے میں بار بار کہا کرتا ہوں۔ بہت سارے نیک، صالح، ہدایت یافتہ نوجوان انٹرنیٹ لے بیٹھے اور ایسے گمراہ ہوئے، ایسے گمراہ ہوئے کہ راہِ راست سے ہٹ گئے اور پھر انٹرنیٹ پر پیش کی جانے والی معلومات پتہ نہیں کون پیش کر رہا ہے؟ کس طرح پیش کر رہا ہے؟ اس کا ماخذ کیا ہے؟ کہاں سے حاصل کی ہے؟ اس کی سند کیا ہے؟ کچھ بھی تو معلوم نہیں اور

---

(۱) صحیح مسلم، باب فِي أَنَّ الإِسْنَادَ مِنَ الدِّينِ.

یہاں جس شخصیت سے آپ علم حاصل کریں گے اس کا وجود آپ کے سامنے ہیں۔وہ شریعت پر کتنا عمل کرنے والا ہے؟ وہ اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔اسی لیے ضروری قرار دیا گیا کہ علم خالص کتابوں سے نہیں اہلِ علم کی صحبت سے حاصل ہوتا ہے۔ خالی صحبت سے تو علم حاصل کر سکتے ہیں لیکن خالی کتابوں سے علم حاصل کرنے کی شریعت اجازت نہیں دیتی۔اگر ایسا ہوتا تو قرآن پاک کو یوں ہی نازل کردیا جاتا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت کی ضرورت سمجھی نہ جاتی۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اللہ نے جو مبعوث فرمایا تو آپ کی بعثت کے جو مقاصد قرآن پاک میں اللہ نے ذکر کیے۔ایک تو وہ موقع ہے جہاں حضرت ابراہیم علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام نے کعبۃ اللہ کی تعمیر کے موقع پر اللہ تعالیٰ سے آپ کی بعثت کے لیے دعا کی تھی: رَبَّنَا وَابۡعَثۡ فِيۡهِمۡ رَسُوۡلًا مِّنۡهُمۡ يَتۡلُوۡا عَلَيۡهِمۡ اٰيٰتِكَ: اے اللہ! تو ایک امت عطا فرما۔امت بھی مانگی اور امت کے لیے رسول بھی مانگا۔ حضرت ابراہیم علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام نے،کیسا رسول؟ کہ:اس میں ایک ایسا رسول بھیج يَتۡلُوۡا عَلَيۡهِمۡ اٰيٰتِكَ کہ: تیری کتاب کی آیتوں کو ان کے سامنے پڑھے، وَيُعَلِّمُهُمُ الۡكِتٰبَ وَالۡحِكۡمَةَ: ان کو کتاب بھی سکھلائے اور حکمت بھی۔کتاب کی تشریح بھی بتلائے، وَيُزَكِّيۡهِمۡ: اور ان کا تزکیہ بھی کرے۔ان کے دلوں کی صفائی کرے۔اور اللہ نے بھی نبی کی بعثت کا جہاں ذکر کیا: هُوَ الَّذِىۡ بَعَثَ فِى الۡاُمِّيّٖنَ رَسُوۡلًا مِّنۡهُمۡ يَتۡلُوۡا عَلَيۡهِمۡ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيۡهِمۡ وَيُعَلِّمُهُمُ الۡكِتٰبَ وَالۡحِكۡمَةَ اتنا ہے کہ ذرا سی ترتیب بدل دی۔حضرت ابراہیم علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام نے اپنی دعا میں وَيُزَكِّيۡهِمۡ آخر میں ذکر کیا تھا اللہ

نے جہاں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت کا تذکرہ کیا وہاں یَتْلُوْا کے بعد وَیُزَکِّیْھِمْ اور پھر وَیُعَلِّمُھُمُ الْکِتٰبَ وَالْحِکْمَۃَ ذکر فرمایا۔

خالی علم مفید نہیں ہے

اہل علم کو خاص طور پر متوجہ کرتا ہوں کہ جب تک کہ قلب کا تزکیہ نہ ہو، وہاں تک علم مفید اور کارآمد نہیں ہوا کرتا۔ آپ کسی برتن میں دودھ رکھنا چاہیں گے تو پہلے اس برتین کو اچھی طرح دھوئیں گے، صاف کریں گے اور اس کو اس قابل بنائیں گے کہ اس میں دودھ رکھا جاسکتا ہے، تو دودھ ڈالیں گے۔ گندے میلے کچیلے برتن میں دودھ ڈالا نہیں جاتا۔ تو یہ تعلیمِ کتاب اور حکمت جو ہے اس سے پہلے تزکیہ کا ذکر کیا گیا۔ تزکیہ یعنی گندے اخلاق سے قلب کو پاک اور صاف کرے۔ نبی کی بعثت جن چار کاموں کے لیے ہوئی اس کا اس حضرت ابراہیم علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام کی دعا میں بھی اللہ تعالیٰ نے فرمایا اور ایک اور موقع پر بھی قرآن نے اس کا تذکرہ کیا۔ جہاں جہاں بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت کے مقاصد ذکر کیے گئے ہیں ان چار چیزوں کو خاص طور سے بیان کیا گیا ہے۔

وحی: اللہ تعالیٰ کی پسند اور ناپسند معلوم کرنے کا واحد ذریعہ ہے

تو بہر حال میں یہ عرض کر رہا تھا کہ اللہ نے نبیوں کو بھیجا اور ان پر اپنی وحی نازل فرمائی اور وحی کے ذریعہ سے نبیوں کے واسطے سے اپنے بندوں کو آگاہ کیا کہ اللہ کون سی چیزیں تم سے چاہتا ہے۔ وہ تم کرو اور کونسی چیزوں سے تم کو روکنا چاہتے ہیں،

ناپسند کرتے ہیں۔ اللہ کی پسند اور ناپسند معلوم کرنے کے کا ذریعہ وحی ہے۔ جو اللہ نے نبیوں کے اوپر بھیجی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسی سلسلے کی آخری کڑی ہے۔ آخری نبی ہیں۔ جن پر یہ وحی کا سلسلہ ختم ہوا۔

قرآنِ پاک کی تفسیر وتوضیح بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذمہ داریوں میں سے ہے

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جو وحی آئی تو دیکھو! اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا: وَاَنْزَلْنَا اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ: ہم نے آپ پر یہ قرآن پاک نازل کیا؛ تاکہ آپ لوگوں کے سامنے، لوگوں کے لیے قرآن میں جو احکام نازل کیے گئے ہیں، ان کی تفسیر اور تشریح کریں، اس کو واضح کریں۔ گویا قرآن کی تشریح اور وضاحت کا کام اللہ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حوالے کیا کہ آپ اس کی وضاحت کریں۔ اس سے معلوم ہوا کہ قرآن کی وضاحت اور تشریح کے سلسلہ میں بھی وہی چیز معتبر سمجھی جائے گی جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے تربیت یافتہ حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم أجمعین سے منقول ہو۔ جو اس کے علاوہ ہو وہ قابلِ قبول نہیں ہوگا۔

احادیثِ رسول کے بغیر قرآن فہمی ناممکن ہے

اور یہ وحی جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل کی گئی۔ وحی کے متعلق بھی بتلایا جاتا ہے کہ وحی دو طرح کی ہے۔ دیکھو! بہت سے احکام تو وہ ہیں جو قرآن میں صراحۃً موجود ہیں اور بہت ساری چیزیں وہ ہیں جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بتلائی۔ قرآن میں اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ

تو ہے، بہت ساری جگہوں پر کہا گیا کہ نماز قائم کرو۔نماز قائم کرو۔لیکن اب وہ نمازیں کتنے وقت کی ہیں؟ تو پانچ وقت کی نمازیں اللہ تعالیٰ نے فرض کی ہیں اور پانچ اوقات کی تعیین؟ فجر،ظہر،عصر،مغرب،عشاء اور پھر یہ کہ ہر وقت میں کتنی رکعتیں؟ فجر میں دو، ظہر میں چار،عصر میں چار،مغرب میں تین اور عشاء میں چار اور پھر اس کا طریقہ اور اس کے ارکان، واجبات سنن اور پھر اس کی ترتیب۔ یہ ساری چیزیں اگر آپ قرآن میں تلاش کریں گے تو آپ کو نہیں ملے گی۔ یہ سب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے عمل سے بتلایا اور آخر میں فرمادیا کہ صَلُّوا كَمَا رَأَيْتُمُونِي أُصَلِّي[1] کہ: میں جس طرح نماز پڑھتا ہوں مجھے جس طرح نماز پڑھتے ہوئے دیکھتے ہو تم اسی طرح پڑھا کرو۔ یہ آپ نے فرمایا۔

قرآنِ کریم سے حجیتِ حدیث کا ثبوت

تو بہت سارے احکام قرآن کے وہ ہیں، جو مجمل ہیں۔ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی تشریح فرمائی؛ اس لیے جب تک حدیث کو سامنے رکھا نہ جائے، وہاں تک آدمی قرآن کو سمجھ سکتا ہی نہیں؛ اسی لیے حدیث کو بنیادی حیثیت دی گئی ہے۔اسلام کے اندر اصول اسلام میں جہاں نمبر اوّل پر قرآن پاک ہے، وہاں دوسرے نمبر پر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشادات ہیں کہ اس کے بغیر کسی آدمی کے لیے قرآن کا سمجھنا ممکن نہیں اور پھر قرآن ہی میں ﴿وَمَآ اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا﴾ (الحشر:۷) فرما کر بتلا دیا گیا کہ جن چیزوں کا حکم حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دیں، ان کو بجالانا ضروری ہے اور

(۱) صحيح البخاري، عَنْ أَبِي سُلَيْمَانَ مَالِكِ بْنِ الْحُوَيْرِثِ رضي الله عنه، باب الأَذَانِ لِلْمُسَافِرِ إِذَا كَانُوا جَمَاعَةً وَالإِقَامَةِ.

جن چیزوں سے منع کریں، ان سے بچنا ضروری ہے۔

آیتِ بالا سے حجیتِ حدیث پر حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ کا استدلال

بخاری شریف میں روایت ہے، حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ فرمایا کہ: لَعَنَ اللّٰہُ الْوَاشِمَاتِ وَالْمُسْتَوْشِمَاتِ: لعنت فرمائی اللہ تعالیٰ نے گودنا لگانے والی عورت پر اور گوندلا لگوانے والی پر۔ وہ جو جسم میں سوئی چبھوئی جاتی ہے اور اس میں رنگ بھرا جاتا ہے اور اس کے اوپر یہ گوندنا لگانا اور اسی طرح اور کچھ چیزیں جیسے کہ بھائی! دانتوں کو ریتا کے ذریعہ سے پتلا کرنے والی عورت پر اللہ نے لعنت فرمائی۔ بال اُکھاڑنے والی عورت پر لعنت فرمائی۔ بہت ساری عورتوں کا تذکرہ کیا گیا۔ اس پر ایک عورت نے آ کر کے حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ آپ کہتے ہیں کہ اللہ نے لعنت فرمائی۔ میں نے قرآن شریف پورا پڑھ لیا، کہیں مجھے یہ چیز نظر نہیں آئی۔ اس پر حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: لَئِنْ كُنْتِ قَرَأْتِيهِ لَقَدْ وَجَدْتِيهِ أَمَا قَرَأْتِ {وَمَا اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا} کہ: اگر تم قرآن دھیان سے پڑھتی تو ضرور قرآن کے اندر ملتا اور پھر فرمایا کہ تم نے یہ آیت نہیں پڑھی: وَمَا اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا تو اس پر وہ عورت خاموش ہوگئی۔

محمد کی محبت خون کے رشتوں سے بالا ہے

بلکہ بعض روایتوں میں یہ بھی ہے کہ اس عورت نے یہ بھی کہا کہ آپ کے گھر میں بھی تو ایسا کراتی ہیں تو کہا کہ جا کر گھر میں دیکھ۔ اس عورت کو گھر میں بھیجا۔ اُس

عورت نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی اہلیہ کو دیکھا۔ پھر آ کر کہا کہ ایسی بات نہیں ہے۔ تو حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اگر ایسا ہوتا تو یہ میرے گھر میں رہ نہیں سکتی تھی۔ یعنی میں اپنے نکاح میں باقی نہ رکھتا۔[۱]

کتابتِ حدیث پر ایک صحابی کا اشکال

بہر حال! نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جن چیزوں کا حکم دیا وہ بھی وہی درجہ رکھتی ہیں۔ اسی لیے دوسری آیت میں باری تعالیٰ فرماتے ہیں کہ: وَمَا یَنْطِقُ عَنِ الْھَوٰی: کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی خواہشات سے کوئی بات نہیں فرماتے۔ آپ جو کچھ بھی فرماتے ہیں وہ وحی ہے جو آپ پر بھیجی گئی۔ اسی لیے روایتوں میں آتا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہما ایک صحابی ہیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو کچھ ارشاد فرماتے تھے، وہ نوٹ کرتے تھے۔ کاپی میں محفوظ کر لیتے تھے۔ بعض لوگوں نے ان سے کہا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی ایک انسان ہیں۔ کبھی آپ خوشی اور رضا مندی کی حالت میں کوئی بات ارشاد فرماتے ہیں اور کبھی ناراضگی کی حالت میں کوئی بات ارشاد فرماتے ہیں اور آپ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تمام باتوں کو نوٹ کرتے ہیں۔ یہ مناسب نہیں ہے۔ اس لیے کہ بہت ساری مرتبہ ایسا ہوتا ہے کہ آدمی غصّہ میں جب ہوتا ہے تو اس کو خود پتہ نہیں چلتا کہ میں نے کیا کہا۔ اسی لیے بعد میں وہ اپنے کہے ہوئے پر خود نادم ہوتا ہے، پچھتاتا ہے۔ انہوں نے لکھنا چھوڑ دیا۔

---

(۱) صحیح البخاری، باب الموصولة.

گفتۂ او گفتۂ اللہ بود

نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دیکھا کہ وہ لکھ نہیں رہے ہیں تو پوچھا کہ تم نے لکھنا کیوں چھوڑ دیا تو اس پر انہوں نے یوں کہا کہ بعض لوگوں نے مجھ سے یوں کہا کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انسان ہیں، کبھی رضامندی کی حالت میں، کبھی ناراضگی کی حالت میں ارشاد فرماتے ہیں، آپ یہ سب چیزیں لکھتے ہیں۔ مناسب نہیں ہے۔ اس پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ کی قسم، اس منہ سے حق کے علاوہ کچھ نہیں نکلتا۔ اس لیے وہی وما ینطق عن الھویٰ آپ کے ارشادات بھی وحی کا حکم رکھتے ہیں۔

ایک صحابی کی کیفیتِ وحی دیکھنے کی خواہش

بخاری میں روایت موجود ہے۔ جعرّانہ ایک مقام ہے، غزوۂ حُنین سے واپسی میں وہاں آپ قیام کیے ہوئے تھے، لوگ حج اور عمرہ کرتے ہیں۔ لوگ جعرّانہ والے عمرے کو بڑا عمرہ بولتے ہیں، دور کا ہے۔ تو وہاں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ٹھہرے ہوئے تھے۔ غزوۂ حُنین میں جو غنیمت کا مال ملا تھا، وہیں تقسیم کیا تھا۔ تو اس موقع پر حضرت یعلی ابن اُمیّہ رضی اللہ عنہ ایک صحابی ہیں وہ فرماتے ہیں کہ میرے دل میں ایک خواہش تھی۔ جس وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر وحی نازل ہو رہی ہو اُس وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کیفیت کیا ہوتی ہے، وہ میں دیکھنا چاہتا تھا؛ اس لیے کہ جب آپ پر وحی نازل ہوتی تھی تو آپ کی آنکھیں سُرخ ہو جاتی تھیں، چہرا سُرخ ہو جاتا تھا۔ سخت سردی کے زمانے میں بھی پسینہ پسینہ ہو کر پسینے کے قطرے آپ کی پیشانی لڑھکنے لگتے تھے۔ یہ سب کیفیت ہوتی تھی آپ کی وحی کی

شدت کی وجہ سے۔

تکبر کا سر نیچا

قرآن میں باری تعالیٰ فرماتے ہیں اِنَّا سَنُلْقِيْ عَلَيْكَ قَوْلًا ثَقِيْلًا: (ہم آپ پر ایک بھاری کلام اتارنے والے ہیں) وحی بڑا بھاری کلام ہے، اللہ تعالیٰ کا کلام۔ جب نازل ہورہا ہوتا ہے، حدیث میں آتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اونٹنی قصواء بڑی مضبوط اونٹنی تھی۔ بخاری کی روایت ہے کہ کوئی اونٹ اس سے آگے بڑھ نہیں سکتا تھا۔ ایک مرتبہ ایک دیہاتی ایک نوجوان اونٹ پر سوار ہوکر آیا۔ وہ آگے نکل گیا، اس پر صحابہ کو بڑی ناگواری ہوئی۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ کوئی چیز بھی جب سر بلند کرتی ہے تو اللہ اس کو نیچا کر کے رکھتے ہیں۔ بہرحال یہ قصواء اونٹنی بڑی مضبوط تھی (۱)۔ اس پر سوار ہونے کی حالت میں اگر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر وحی اُترتی تھی تو وہ اونٹنی وحی کے بوجھ سے بیٹھ جاتی تھی۔

ایک آیتِ کریمہ کے نزول اور اس کی کتابت کا واقعہ

بخاری میں روایت موجود ہے کہ ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر یہ آیت نازل ہوئی: ﴿لَا يَسْتَوِي الْقٰعِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُجٰهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ﴾ (النساء:۹۵) کہ: جو لوگ گھروں میں بیٹھے رہتے ہیں۔ ایمان والوں میں سے اور جو اللہ کے راستے میں جہاد کے لیے نکل رہے ہیں وہ دونوں برابر نہیں ہو سکتے ہیں۔

---

(۱) صحيح البخاری، عَنْ أَنَسٍ، رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، باب نَاقَةِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وآله وسلم.

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو بلوایا وحی لکھنے کے لیے کہ جاؤ قلم دوات لے کر آجاؤ۔ ان کا کام یہی تھا، آپ آئے۔ وہ فرماتے ہیں کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قریب بیٹھ گیا، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: لکھو اور یہ آیت: لَا يَسْتَوِي الْقٰعِدُوْنَ لکھائی۔

عنداللہ حضراتِ صحابہؓ کا مقام ومرتبہ

حضرت زید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے لکھنا شروع کیا، اتنے میں ایک صحابی حضرت عبداللہ ابن مکتوم رضی اللہ عنہ جو نابینا تھے، وہ پیچھے بیٹھے تھے، اُٹھ کر آگے آئے اور عرض کرنے لگے۔ اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! اس آیت میں تو اللہ تبارک وتعالیٰ یہ فرماتے ہیں کہ جو لوگ جہاد میں شریک ہوتے ہیں وہ اور جو اپنے گھروں میں بیٹھے ہوئے ہیں وہ ثواب اور اجر کے اعتبار سے، مقام اور مرتبہ کے اعتبار سے برابر نہیں ہو سکتے، میں تو اندھا ہوں۔ اگر یہ اندھاپا نہ ہوتا، یہ معذوری اور مجبوری نہ ہوتی تو میں بھی جہاد کے اندر نکلتا لیکن کیا کروں۔ اللہ تعالیٰ کو حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کی دل جوئی کیسی منظور تھی، اس سے حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کا مقام معلوم ہوتا ہے۔ اُسی وقت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر وحی نازل ہوئی۔ غَيْرُ أُولِي الضَّرَرِ خالی اتنا ہی جملہ۔ اب بیچ آیت میں اتنا اضافہ ہو گیا۔ لَا يَسْتَوِي الْقٰعِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ غَيْرُ أُولِي الضَّرَرِ وَالْمُجٰهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ: وہ ایمان والے جو معذور نہیں ہیں پھر بھی گھروں میں بیٹھے رہتے ہیں، وہ اور جو اللہ کی راہ میں جہاد کے لیے جاتے ہیں وہ دونوں برابر نہیں ہو سکتے۔ اب جو معذور ہیں، ان کو چھوڑ دیا گیا، ان کو اندر سے ہٹا دیا گیا۔ تو دیکھو! غَيْرُ أُولِي الضَّرَرِ

اتنا سا ٹکڑا ہی نازل ہوا، اس سے فقط ان صحابی کی دل جوئی مقصود تھی۔

وحی کے شدید بوجھ کا ایک نمونہ

حضرت زید ابنِ ثابت رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جس وقت یہ غَيْرُ أُولِي الضَّرَرِ والا ٹکڑا نازل ہو رہا تھا، چونکہ میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس بیٹھا ہوا تھا، حضور کی ران کا کچھ حصہ، پاؤں مبارک کا کچھ حصہ میری ران پر پڑ گیا تو مجھے اتنا بوجھ معلوم ہوا، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ میری ران ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گی، اُحد پہاڑ رکھ دیا گیا ہو، ایسا معلوم ہوتا تھا۔ اندازہ لگاؤ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر وحی کے وقت کتنا بوجھ معلوم ہوتا ہوگا! اسی لیے اس کو قول ثقیل سے تعبیر کیا گیا۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ایک اعرابی کا ایک سوال

تو حضرت یعلی بن امیّہ فرماتے ہیں کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مقام جعرانہ میں قیام پذیر تھے، اُس وقت ایک اعرابی آیا اور اس نے کہا کہ اے اللہ کے رسول! میں نے عمرے کا احرام باندھ لیا۔ لیکن میں یہ کُرتا پہنے ہوئے ہوں اور خوشبو بھی اس میں لگائے ہوئے ہوں۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خاموش ہو گئے۔ لوگوں نے محسوس کیا کہ آپ پر وحی نازل ہو رہی ہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کھلی جگہ میں دھوپ میں بیٹھے ہوئے تھے، دھوپ سے بچانے کے لیے آپ کے اوپر چادر کا سایہ کیا گیا تھا۔ اوپر چادر تنی ہوئی تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے ساتھ کچھ لوگ نیچے بیٹھے ہوئے تھے۔

نزولِ وحی کے وقت کی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کیفیت کا بیان

وحی نازل ہونا شروع ہوئی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یعلی ابن اُمیہ رضی اللہ عنہ کو ہاتھ سے اشارہ کیا، کیوں کہ انہوں نے کہہ رکھا تھا کہ وحی جب نازل ہوتی ہے، اُس وقت کیا کیفیت ہوتی ہے، میں دیکھنا چاہتا ہوں۔ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو جلدی سے اشارہ کیا، وہ دوڑے ہوئے آئے اور چادر کے نیچے دیکھنے لگے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کیا کیفیت ہے۔ دیکھا کہ آپ کا چہرہ سُرخ ہورہا ہے، آنکھیں سُرخ ہیں، پسینہ کے قطرے لڑھک رہے ہیں اور زورزور سے سانس لینے کی آواز آرہی ہے جیسے آدمی سوتا ہے تو لیتا ہے، اس طرح زورزور سے سانس لے رہے ہیں اور یہ کیفیت ختم ہوئی تو پوچھا کہ وہ دیہاتی کہاں گیا جو ابھی سوال کررہا تھا؟ کہا گیا کہ وہ تو چلا گیا۔ فرمایا: اس کو ڈھونڈ کر لاؤ۔ اس کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بتلایا کہ کرتا سِلا ہوا ہے، وہ نکال دو اس لیے کہ احرام کی حالت میں وہ پہن نہیں سکتے ہیں اور خوشبو کو دھوڈالو۔

وحی کی دو قسمیں

اب دیکھئے! یہ مسئلہ آپ کو قرآن میں کہیں نہیں ملے گا۔ لیکن بخاری کی روایت بتلاتی ہے کہ یہ مسئلہ وحی کے ذریعہ سے نازل ہوا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ وحی کی دو قسمیں ہیں: [۱] وحی متلو اور [۲] وحی غیر متلو۔ بعض وحی وہ ہے جو تلاوت کے طور پر قرآن میں موجود ہے اور بعض وہ احکام ہیں جو وحی ہی سے نازل ہوئے لیکن قرآن میں نہیں ہے۔ یہی حدیث ہے جو وحیٔ غیر متلو کہلاتی ہے؛ اس لیے حدیث کو بھی شرعی

اعتبار سے وہ مقام حاصل ہے کہ اس کی وجہ سے اس میں جو چیزیں کرنے کو کہا گیا اس کا کرنا ضروری ہے اور جن سے بچنے کو کہا گیا، ان سے بچنا ضروری ہے۔

مسلمانوں میں نام نہاد متجددین کے طبقے کی بنیاد

مسلمانوں کا ایک طبقہ شروع زمانے سے ہی اس زمانے تک یعنی ''۱۴'' ویں صدی تک اس کو مانتا چلا آیا ہے، یوں سمجھئے کہ یہ چیز مسلّمات کے طور پر مانی ہوئی چلی آتی تھی کہ حدیث بھی دین کے اندر حجت اور دلیل کی حیثیت رکھتی ہے اور اس سے جو چیز ثابت ہوگی اس سے حلت اور حرمت کا حکم لگایا جا سکتا ہے۔ لیکن جب مغربی اقوام کا اسلامی ممالک پر غلبہ ہوا، انگریز اور دوسری مغربی قومیں اسلامی ملکوں کے اوپر اپنا تسلّط جمانے لگیں اور نظریاتی طور پر بھی ذرا ان کے نظریات بعض لوگ پسند کرنے لگے تو مسلمانوں میں بھی ایک طبقہ ایسا پیدا ہوا جو متجددین کا طبقہ کہلاتا ہے۔ متجددین کے طبقے نے دیکھا اور کہنے لگے کہ اب مسلمانوں کی ترقی مغرب کی تقلید کے اندر ہے۔ یعنی اہلِ مغرب کی پیروی کریں گے تو مسلمانوں کو ترقی نصیب ہوگی۔

فتنۂ انکارِ حدیث کا پس منظر اور اس کے بانیان

اب اس کے لیے ضرورت تھی قرآن کے اندر تحریف کی۔ یعنی قرآن کے معنوں کو بگاڑ کر پیش کیا جائے۔ لیکن احادیث کے ہوتے ہوئے قرآن میں تحریف کی گنجائش نہیں تھی، تو ان لوگوں نے حدیث کا انکار کرنا شروع کیا۔ مسلمانوں میں ہندوستان میں بھی اس طبقے کے سربراہ سرسید احمد خان اور ان کے ساتھی تھے مولوی

چراغ علی اور مصر کے اندر طٰہٰ حسین اسی کا داعی تھا اور ترکی کے اندر زیاد گوالیا نامی ایک بڑا عالم تھا۔ وہ اسی کا ساتھی تھا۔ وہ حدیث کو حجت مانتے نہیں تھے۔ لیکن انہوں نے حدیث کے حجت ہونے سے صاف انکار بھی نہیں کیا، بس ان کی مرضی کے خلاف جو چیز ہوتی تھی، اس کی صحت سے انکار کر دیتے تھے کہ یہ روایت صحیح نہیں ہے، چاہے وہ روایت بخاری شریف کی ہو یا تمام کتبِ حدیث میں موجود کیوں نہ ہو۔

فرقۂ اہلِ قرآن کی بنا اور اس کا پس منظر

اس کے بعد ایک آدمی پیدا ہوا عبداللہ چکڑالوی نامی اس نے ایک مستقل فرقہ کی بنیاد رکھی: اہلِ قرآن، جو یوں کہا کرتے تھے کہ حدیث حجت نہیں ہے اور پھر اسی کے بعد اسلم جیراج پوری آیا جس نے باقاعدہ اپنے مضامین کے ذریعہ سے اس چیز کو عام کیا اور حدیث کے حجت ہونے سے انکار کیا۔ غلام احمد پرویز نے اسی چیز کو آگے بڑھایا۔ اس نے ان مضامین کو عام کیا جن سے حدیث کی حجیت سے انکار کیا جا سکے۔ ان لوگوں نے جو حدیث کے حجت ہونے سے انکار کیا، بڑی بنیاد اس پر رکھی کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے انتقال کے ایک زمانہ کے بعد جو چیز مدوّن ہوئی، ترتیب دی گئی ہو وہ بھلا کیسے حجت ہوسکتی ہے۔ گویا جس کی بنیاد حافظوں پر ہو، یادداشت کے اوپر ہو، وہ حجت نہیں ہوسکتی۔

حفاظتِ قرآن کے ساتھ حفاظتِ حدیث کا بھی وعدہ

تو اس کا جواب دیا گیا کہ حدیث پاک بھی وحی ہے اور اس کی حفاظت کا ذمہ بھی اللہ تعالیٰ نے لیا ہے۔ ویسے قرآن کی حفاظت کا وعدہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اِنَّا

نَحۡنُ نَزَّلۡنَا الذِّكۡرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوۡنَ میں کیا ہے اور حدیث چونکہ اس کی تشریح کرتی ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ جس طرح قرآن کی حفاظت کا وعدہ ہے اسی طرح حدیث کی حفاظت کا بھی اللہ کی طرف سے وعدہ ہے اور ویسے بھی حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اللہ تعالیٰ نے وہ حافظے عطا فرمائے تھے کہ اس زمانے میں اہلِ عرب اپنے نسب تو کیا اپنے گھوڑوں کے نسب کو یاد رکھتے تھے۔ ہزار ہزار اشعار کا قصیدہ ایک مرتبہ سن لیا تو وہ ازبر ہو جاتا تھا! مرد تو مرد، عورتیں، باندیاں، بچے تک بھی حافظے میں اتنے آگے بڑھے ہوئے تھے کہ کوئی لمبی سے لمبی عبارت اور بڑے سے بڑا قصیدہ کسی شاعر کا کئی ہزار اشعار پر مشتمل ایک یا دو مرتبہ سُن لیا تو یاد ہو جایا کرتا تھا۔

ایک واقعہ

بخاری میں غزوۂ احد کے بیان میں قصہ موجود ہے۔ جعفر بن عمرو بن امیہ الضمری تابعی ہیں وہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ عبید اللہ بن عدی بن خیار کے ساتھ ایک جہاد سے واپس لوٹ رہا تھا اور ہم شام کے شہر حمص میں آئے تو عبید اللہ بن عدی بن خیار نے مجھ سے یوں کہا کہ یہاں حضرت وحشی رضی اللہ عنہ رہتے ہیں- وحشی رضی اللہ عنہ جنہوں نے اپنے زمانۂ کفر میں حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو شہید کیا تھا- ان کے پاس چلتے ہیں اور انہیں کی زبان سے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی شہادت کا قصہ سن لیتے ہیں۔ کہا، ضرور چلیں۔

حضرت وحشی رضی اللہ عنہ کا بے مثال حافظہ

جعفر بن عمرو بن امیہ الضمری فرماتے ہیں کہ عبید اللہ عدی اور ہم شہر میں داخل

ہوئے، لوگوں سے پوچھا کہ یہاں وحشی رضی اللہ عنہ کہاں رہتے ہیں۔ لوگوں نے ایک عمارت بتلائی کہ دیکھو وہ عمارت ہے اسی کے نیچے ان کا قیام ہے۔ ہم وہاں پہنچے، تو جعفر یوں کہتے ہیں کہ وہاں پہنچنے سے پہلے عبید اللہ بن عدی نے اپنا پورا جسم چھپالیا، سوائے آنکھوں کے اور عمامہ بھی لپیٹ لیا، صرف آنکھیں کھلی تھیں اور پیر کھلے تھے، جسم کا اور کوئی حصہ کھلا نہیں تھا۔ جا کر وحشی رضی اللہ عنہ کو سلام کیا اور سلام کرنے کے بعد عبید اللہ نے وحشی سے پوچھا کہ مجھے پہچانتے ہو تو وحشی نے جواب میں کہا کہ اللہ کی قسم نہیں۔ البتہ اتنا مجھے معلوم ہے کہ (وحشی جو ہیں ان ہی عبید اللہ بن عدی کے خاندان کے غلام تھے) انہوں کہا کہ اتنا مجھے یاد ہے کہ میری غلامی کے زمانے میں عدی بن خیار نے قریش کی ایک عورت اُم قتال بنت ابی العیص نامی سے نکاح کیا تھا اور اس عورت کو ایک بچہ پیدا ہوا تو عدی بن خیار نے مجھ سے یوں کہا کہ اس بچے کے لیے دودھ پلانے والی عورت کو تلاش کرو تو اس کو تلاش کرنے کے لیے میں اُم قتال کو اونٹنی پر بٹھا کر لے کر کے گیا۔ ان کے ہاتھ میں بچہ تھا اور ہم دیہات میں پہنچے اور وہاں دودھ پلانے والی عورت جب ہمیں مل گئی تو اس کی ماں نے یعنی اُم قتال نے وہ بچہ میرے ہاتھ میں دیا تا کہ میں اس کو اس دودھ پلانے والی عورت کے حوالے کردوں تو جس وقت وہ بچہ میں نے اپنے ہاتھ میں لیا تو اس کے پیر کھلے ہوئے تھے، میں انہی پیروں کو دیکھ رہا ہوں [1]۔

حالانکہ اس درمیان میں پچاس سال کا عرصہ گذر چکا تھا، پچاس سال کا عرصہ! ابھی تو پیدا شدہ بچہ ہے، اس کے پاؤں دیکھے اور پھر پچاس سال کے بعد اس

(۱) صحیح البخاری، باب قَتْلُ حَمْزَةَ، رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، رقم الحدیث: ۴۰۷۲.

کے پاؤں دیکھے۔ کیا ہم اور آپ ہیں کہ یہ کہہ سکتے کہ یہ وہی پیر ہیں؟ اس سے ان کے حافظہ کی اور سمجھ داری کا پتہ چلتا ہے، اتنا حافظہ قوی تھا!

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے حافظے کا امتحان

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ جو روایتِ حدیث میں مشہور ہیں۔ ایک مرتبہ مروان بن حکم نے ان کا امتحان لینے کے لیے کہ یہ اتنی کثرت سے روایتیں بیان کرتے ہیں تو معلوم نہیں ان کا حافظہ اس قابل ہے بھی یا نہیں، امتحان کے لیے ایسا کیا کہ ان کو اپنے دربار میں بلایا اور بلا کر ان سے درخواست کی کہ حضرت! ہمیں کچھ روایتیں سنائیں۔ چنانچہ مروان بن حکم نے پردے کے پیچھے ایک کاتب حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو پتہ نہ چلے اس طرح بیٹھا دیا تھا اور کہا کہ حدیث سناؤ! حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ حدیث سنانے لگے، سو حدیثیں سُنائیں۔ کاتب نے وہ اسی ترتیب سے لکھ دی۔ بات ختم ہو گئی۔ پھر دوسرے سال، ایک سال گذرنے کے بعد دوبارہ مروان بن حکم نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو بُلا کر کہا کہ حضرت گذشتہ آپ سے کچھ روایت سُنی تھی، وہی روایتیں دوبارہ سننا چاہتا ہوں اور اسی کاتب کو پردے کے پیچھے کاغذ لے کر بیٹھا دیا تا کہ دیکھے۔ چنانچہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے وہ ساری حدیثیں جو اگلے سال سُنائی تھی، اسی ترتیب سے ایک نقطے اور شوشے کے فرق کے بغیر پوری پوری سُنادی۔ اس سے ان حضرات کے حافظے کا پتہ چلتا ہے[1]۔

---

(۱) سیر أعلام النبلاء، عن أَبی الزُّعَیْزِعَۃِ کَاتِبُ مَرْوَانَ، ۲/۵۹۸.

حفاظتِ حدیث کے تکوینی نظام کا ایک نمونہ: کتابتِ حدیث

تو بہر حال اللہ نے نبی کریم ﷺ کے ان ارشادات کی حفاظت کے لیے ایسے اسباب بھی پیدا فرمائے، صحابہ نے اس کو یاد رکھا، اس کے بعد ان سے حاصل کرنے والوں نے۔ چنانچہ عمر ابن عبد العزیزؒ کے دور میں با قاعدہ علم حدیث کی تدوین ہوئی یعنی کتابوں کی شکل میں مدوّن ہوا، مرتب ہوا اور اس کے بعد حدیث کے فن میں متعدد کتابیں لکھی گئیں: چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اسی کی حفاظت کے لیے یہ کتبِ حدیث کے لکھنے کا سلسلہ جاری فرمایا۔ محدثین نے مختلف انداز سے نبی کریم ﷺ کے ارشادات کو اپنی کتابوں کے اندر جمع کیا ہے۔ اس میں حدیث کی کچھ کتابیں وہ ہیں جو صحاحِ ستّہ کے نام سے مشہور ہیں۔ یعنی وہ چھ کتابیں جن میں مصنفین نے صحیح روایتوں کے لانے کا التزام کیا ہے۔ اگر چہ کچھ اشکالات ہیں۔ لیکن بہر حال یہ صحاحِ ستّہ زیادہ مشہور ہیں اور بھی حدیث کی کتابیں ہیں۔

علامہ نوویؒ اور خدمتِ حدیث

کچھ حضراتِ علماء میں، محدثین میں وہ ہیں جو کثرتِ تصنیف کے اندر معروف اور مشہور ہیں یعنی کچھ وہ ہیں جنھوں نے حدیث کے فن میں بہت ساری کتابیں لکھی ہیں، انہیں میں علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ ہیں، یہ علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ جو ہیں اسی زمرے میں شمار ہوتے ہیں جنھوں نے کثرت سے حدیث کی کتابیں تصنیف فرمائی ہیں، ان کی تصنیفات میں ایک تصنیف ہے ریاض الصالحین۔ گویا اس میں زندگی گذارنے کا ایک

پورا طریقہ، مختصر سا خاکہ حدیث کی روشنی میں انہوں نے پیش کر دیا ہے۔

اس کے درس کا سلسلہ یہاں شروع کیا گیا تھا جو اب تک جاری تھا اور چل رہا تھا اور وہ الحمد للہ آج اختتام کو پہنچا ہے۔ یہ یہاں والوں کے لیے بڑی سعادت کی بات ہے، خاص کر کے وہ لوگ جنہوں نے بڑے اہتمام سے شروع سے لے کر آج تک اس درس میں شرکت کی تو خود مفتی عبد القادر صاحب بھی اور یہ سننے والے دونوں گویا قابلِ مبارک باد ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ارشادات کو یہ بڑے اہتمام سے پڑھتے سنتے اور آپس میں اس کا مذاکرہ کرتے رہے۔ اللہ نے آج موقع عطا فرمایا کہ حدیث کی ایک کتاب درساً پایۂ اختتام کو پہنچی ایسے علاقے میں اور ایسے ملک میں اور ایسے خطے میں جہاں ان چیزوں کا تصور بھی آدمی نہیں کر سکتا ہے۔ واقعۃً یہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے۔ چنانچہ یہ حدیثیں جو پڑھی گئیں، برکت کے لیے اس کا ترجمہ کر دیتا ہوں۔

وعن أبي سعيد الخدري - رضي الله عنه - : أنَّ رسول الله - صلى الله عليه وآله وسلم - قال: ((إنَّ الله - عز وجل - يَقُولُ لأَهْلِ الجَنَّةِ: يَا أَهْلَ الجَنَّةِ، فيقولُونَ: لَبَّيكَ رَبَّنَا وَسَعْدَيْكَ، وَالخَيرُ في يَدَيْكَ، فَيقُولُ: هَلْ رَضِيتُم؟ فَيقُولُونَ: وَمَا لَنَا لا نَرْضَى يَا رَبَّنَا وَقَدْ أَعْطَيْتَنَا مَا لَمْ تُعْطِ أحداً مِنْ خَلْقِكَ، فيقُولُ: ألا أُعْطِيكُمْ أَفْضَلَ مِنْ ذلِكَ؟ فَيقُولُونَ: وَأَيُّ شَيءٍ أَفْضَلُ مِنْ ذلِكَ؟ فيقُولُ: أُحِلُّ عَلَيكُمْ رِضْوَانِي فَلاَ أَسْخَطُ عَلَيْكُمْ بَعْدَهُ أبداً)). متفق عليه.

جنتیوں سے اللہ تعالیٰ کا سوال

حضرت ابوسعید خُدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جنت والوں سے اللہ کہے گا یعنی جنت والے جب جنت میں پہنچ جائیں گے تو اللہ جنت والوں سے خطاب کریں گے: یَا أَهْلَ الْجَنَّةِ: اے جنتیو! جب باری تعالیٰ کا یہ خطاب سنیں گے تو جنتی کہیں گے: لَبَّيْكَ رَبَّنَا وَسَعْدَيْكَ: اے ہمارے پروردگار حاضر ہیں اور آپ کی اطاعت کو اپنی خوش بختی سمجھتے ہیں، وَالْخَيْرُ فِي يَدَيْكَ: ساری خوبیاں آپ ہی کے قبضۂ قدرت میں ہیں، باری تعالیٰ فرماتے ہیں هل رضيتم: اے جنت والو! کیا تم راضی ہو گئے۔ یعنی مطلب یہ ہے کہ تم نے مجھے خوش کیا تھا اپنے اعمال کے ذریعہ سے دنیا کے اندر اور میں تم سے راضی ہوا تھا اور میں نے وعدہ کیا تھا کہ جو مجھے راضی کرے گا میں اس کو راضی کروں گا۔ تو اب تم کو جنت میں داخل کیا گیا اور جنت کی نعمتیں دی گئیں، اب یہ جنت کی نعمتیں تم نے دیکھ لیں، پرکھ لیں، استعمال کر لیں۔ اب تو تم راضی ہو نا؟ تم کو جو بدلہ دیا گیا، اس پر تم خوش ہو۔

جنتیوں کو ملنے والی سب سے بڑی نعمت

فَيَقُولُونَ وَمَالَنَا لَا نَرْضَى يَا رَبِّ وَقَدْ أَعْطَيْتَنَا مَالَمْ تُعْطِ أَحَدًا مِنْ خَلْقِكَ: جنتی جواب میں عرض کریں گے: اے ہمارے پروردگار! ہم کیوں نہ خوش ہوں، کیوں نہ راضی ہوں۔ جب کہ آپ نے ہم کو ایسی ایسی چیزیں اور ایسی ایسی نعمتیں عطا فرمائیں کہ کسی اور کو آپ نے عطا نہیں کی۔ اپنی مخلوق میں جنتیوں کے علاوہ یہ کسی اور کو دیا ہی

نہیں تو ہم کیوں نہ خوش ہوں۔ فَيَقُولُ أَلَا أُعْطِيكُمْ أَفْضَلَ مِنْ ذَلِكَ تو اس پر بھی باری تعالیٰ پوچھیں گے کہ اس سے بھی بڑھیا، اس سے بھی عمدہ اور افضل نعمت تم کو عطا کروں؟ فَيَقُولُونَ يَا رَبِّ وَأَيُّ شَيْءٍ أَفْضَلُ مِنْ ذَلِكَ: اب جنتیوں کے تو وہم وگمان میں بھی نہیں ہوگا کہ اس سے بھی بڑھ کر کوئی اور نعمت ہوسکتی ہے! اس لیے وہ باری تعالیٰ سے سوال کریں گے باری تعالیٰ اس سے بھی بڑھ کر اور کوئی نعمت ہے کیا؟ باری تعالیٰ فرمائیں گے: أُحِلُّ عَلَيْكُمْ رِضْوَانِي فَلَا أَسْخَطُ عَلَيْكُمْ بَعْدَهُ أَبَدًا: کہا جی ہاں! میں اپنی خوشی تم کو عطا کرتا ہوں۔ کبھی تم سے ناراض نہیں ہوں گا، گویا ہمیشہ ہمیشہ کے لیے میں تم سے خوش ہوں، اس کا پروانہ دیتا ہوں۔ اس سے بڑی نعمت اور کیا ہوگی۔

اور دوسری روایت حضرت جریر ابن عبداللہ بجلی رضی اللہ عنہ کی ہے: عن جرير بن عبد الله - رضي الله عنه -، قال: كُنَّا عِنْدَ رَسُولِ اللهِ - صلى الله عليه وآله وسلم - فَنَظَرَ إِلَى الْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَدْرِ، وَقَالَ: ((إِنَّكُمْ سَتَرَوْنَ رَبَّكُمْ عَيَانًا كَمَا تَرَوْنَ هَذَا الْقَمَرَ، لَا تُضَامُونَ فِي رُؤْيَتِهِ)) متفق عليه.

راوی: حضرت جریر ابن عبداللہ بجلی رضی اللہ عنہ

حضرت جریر بن عبداللہ بجلی رضی اللہ عنہ (یہ حضرت جریر ابن عبداللہ رضی اللہ عنہ بڑے خوبصورت تھے، بڑے حسین وجمیل تھے) فرماتے ہیں: جب بھی میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتا، آپ مسکرا کر میرا استقبال کرتے تھے[1]۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

---

(۱) سیر أعلام النبلاء، ۲/ ۵۳۱.

نے ان سے بیعت لی تھی اور اس میں یہ بھی ایک چیز تھی کہ ہر مسلمان کی خیر خواہی کریں گے۔ ہر مسلمان کی خیر خواہی پر بیعت لی تھی۔

صحابہؓ اور بیعتِ اسلام کے پاس ولحاظ کا جذبۂ بے مثال

انھیں اس بیعت اور عہد کا کس قدر پاس ولحاظ تھا، اس کا اندازہ آپ اس واقعے سے لگا سکتے ہیں کہ ایک مرتبہ آپ اپنے ایک غلام کے ساتھ جانور خریدنے کے لیے بازار تشریف لے گئے اور ایک جگہ کھڑے ہو کر اپنے پاس سے گذرنے والے جانوروں کا معائنہ کرنے لگے، اتنے میں ایک گھوڑا ان کے پاس سے گذرا جو آپ کو پسند آ گیا، اپنے غلام سے کہا، جاؤ! یہ گھوڑا خرید لو۔ غلام گھوڑے والے کے پاس گیا اور اس سے ''۳۰۰'' درہم میں گھوڑا خریدنے کا ارادہ ظاہر کیا مالک اس دام میں گھوڑا بیچنے پر آمادہ ہو گیا۔ غلام نے کہا کہ آپ ہمارے آقا کے پاس چلیے جو یہاں ایک گوشے میں کھڑے ہیں۔ گھوڑے کے مالک نے چلنے پر آمادگی ظاہر کی۔

دونوں حضرت جریر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے۔ غلام نے کہا کہ میں ان صاحب کو ان کے گھوڑے کے ''۳۰۰'' درہم دے رہا ہوں لیکن یہ انکار کر رہے ہیں اور کہتے ہیں کہ گھوڑا ''۳۰۰'' درہم سے زیادہ مالیت کا ہے۔ گھوڑے والے نے غلام کی تصدیق کی اور کہا کہ آپ ہی بتلائیے کہ اس گھوڑے کا یہ ثمن مناسب ہے؟ حضرت جریر رضی اللہ عنہ نے جواب میں فرمایا کہ تمھاری بات درست ہے، اس گھوڑے کی قیمت ''۳۰۰'' درہم سے زیادہ ہے! کیا تم ''۵۰۰'' درہم میں بیچنا چاہو گے؟

مگر تیرے تخیل سے فزوں تر ہے وہ نظّارہ

اور یوں دام بڑھاتے بڑھاتے ’’۷۰۰‘‘ یا ’’۸۰۰‘‘ درہم پر بات طے ہوئی، جب وہ آدمی گھوڑا بیچ کر چلا گیا تو حضرت جریر رضی اللہ عنہ نے اپنے غلام کی متوجہ ہوکر ڈانٹتے ہوئے کہا: تمھیں شرم نہیں آتی کہ میں نے تم پر اعتماد کر کے گھوڑا خریدنے کے لیے بھیجا تھا اور تم ایسا معاملہ کر کے آئے کہ اس گھوڑے کا مسلمان مالک مجھ سے آکر یہ کہنے لگا کہ ’’تم ہی بتاؤ، یہ دام مناسب ہیں؟ تم ہی بتاؤ، یہ دام مناسب ہیں؟‘‘ حالاں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مسلمانوں کے ساتھ خیر خواہی کرنے پر بیعت کی تھی (۱)!!

اللہ تبارک وتعالیٰ کے دیدار کے وقت لوگوں کی کیفیت

تو وہ فرماتے ہیں کہ ہم لوگ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس حاضر تھے۔ فَنَظَرَ إِلَى الْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَدْرِ چودھویں رات کو سب بیٹھے ہوئے ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چاند کی طرف نظر فرمائی اور فرمایا۔ إِنَّكُمْ سَتَرَوْنَ رَبَّكُمْ عَيَاناً كَمَا تَرَوْنَ هَذَا الْقَمَرَ کہ: تم اللہ تعالیٰ کو اس طرح کھلی آنکھوں سے دیکھو گے جس طرح چاند کو دیکھتے ہو۔ لاَ تُضَامُونَ فِي رُؤْيَتِهِ کہ اللہ کے دیدار میں آپس میں ازدحام، ایک دوسرے کو تکلیف نہیں پہنچاؤ گے۔

باری تعالیٰ کے دیدار کے وقت دھکّم پیل نہیں ہوگی

جیسے ہمارا یہ مجمع ہے، سب آگے پیچھے بیٹھے ہوئے ہیں، اب نیچے کی طرف کوئی

(۱) المعجم الکبیر للطبرانی، رقم الحدیث: ۲۳۴۳.

چیز دیکھنی ہو تو کوئی آدمی اونچا ہوتا ہے، کوئی نیچے ہوتا ہے؛ اس لیے دیکھنے کے واسطے ایک دوسرے کو دھکّے لگائے جاتے ہیں لیکن اگر کوئی چیز اوپر ہو تو اس کی نوبت آتی نہیں۔ سورج اور چاند جب ہم دیکھتے ہیں تو دنیا میں بڑے سے بڑا مجمع لاکھوں کروڑوں کا مجمع سورج اور چاند کو جب دیکھے گا تو آپس میں ایک دوسرے کو تکلیف پہنچنے کی نوبت نہیں آئے گی۔

تو کہا جس طرح اس کو دیکھتے ہیں، اسی طرح اللہ کا بھی دیدار ہوگا اور یہ جنت میں ہوگا۔

وعن صُهيب - رضي الله عنه - : أنَّ رسول الله - صلى الله عليه وآله وسلم - قال: ((إذا دَخَلَ أَهْلُ الجَنَّةِ الجَنَّةَ يَقُولُ اللهُ تَبَارَكَ وَتَعَالَى: تُرِيدُونَ شَيئاً أَزِيدُكُمْ؟ فَيَقُولُونَ: أَلَمْ تُبَيِّضْ وُجُوهَنَا؟ أَلَمْ تُدْخِلْنَا الجَنَّةَ وَتُنَجِّنَا مِنَ النَّارِ؟ فَيَكْشِفُ الحِجَابَ، فَمَا أُعْطُوا شَيْئاً أَحَبَّ إِلَيْهِمْ مِنَ النَّظَرِ إِلَى رَبِّهِمْ)). رواه مسلم.

باری تعالیٰ کا دیدار جنت کی سب سے بڑی نعمت

حضرت صہیب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: إذا دَخَلَ أَهْلُ الجَنَّةِ الجَنَّةَ۔ جنتی لوگ جب جنت میں چلے جائیں گے تو باری تعالیٰ پوچھیں گے: تُرِيدُونَ شَيئاً أَزِيدُكُمْ؟ کہ: کچھ اور مزید چیز چاہیے تو فَيَقُولُونَ: أَلَمْ تُبَيِّضْ وُجُوهَنَا؟: وہ عرض کریں گے کہ باری تعالیٰ آپ نے ہمارے چہروں کو روشن نہیں کیا؟ أَلَمْ تُدْخِلْنَا الجَنَّةَ وَتُنَجِّنَا مِنَ النَّارِ؟: آپ نے ہم کو جنت میں داخل نہیں کیا؟ آپ نے ہم کو جہنم سے نجات نہیں عطا فرمائی؟ جنتی کہیں گے کہ اب کیا باقی رہ گیا ہے؛ اس لیے کہ جنت میں ہر چیز موجود ہے۔ ﴿وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَشْتَهِي أَنْفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَدَّعُونَ﴾

(فصلت:۳۱) :تمہارا جو جی چاہے گا وہ ساری چیزیں حاصل ہوگی۔ اب کیا باقی رہ گیا؟ تو کہتے ہیں: فَیَکْشِفُ الحِجَابَ :اللہ تعالیٰ جنتیوں اور اپنی ذات کے درمیان جو پردہ ہے اس پردے کو ہٹا دیں گے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ اللہ کا دیدار ہوگا اور جنتیوں کے نزدیک اللہ کے دیدار سے زیادہ اچھی اور کوئی چیز ان کو دی گئی نہیں۔ یہ سب سے بڑی نعمت ہے جنت کے اندر جو ان کو دی جائے گی۔

اختتامیہ کلام

اور اخیر میں انہوں نے باری تعالیٰ کے اس ارشاد کا ذکر کیا: اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وہ لوگ جو ایمان لائے اور اعمالِ صالحہ کیے یَهْدِیْهِمْ رَبُّهُمْ بِاِیْمَانِهِمْ ان کا رب ان کے ایمان کی وجہ سے ان کو جنت میں پہنچائے گا تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهِمُ الْاَنْهٰرُ فِیْ جَنّٰتِ النَّعِیْمِ کہ: جہاں ان کے نیچے سے نہریں بہہ رہی ہوگی، جنت کی نعمتوں میں۔ دَعْوٰهُمْ فِیْهَا سُبْحٰنَكَ اللّٰهُمَّ :اور وہاں ہر حال میں ان کی پکار یہ ہوگی کہ اللہ تیری ذات پاک ہے۔ وَتَحِیَّتُهُمْ فِیْهَا سَلٰمٌ اور آپس میں ایک دوسرے کو سلام کریں گے، وَاٰخِرُ دَعْوٰهُمْ اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ اور آخری جملہ ان کا یہ ہوگا کہ ساری تعریفیں اللہ کے لیے ہیں، یہ برکت کے لیے لائے، گویا اپنی کتاب کو اسی جنت والے جملے وَاٰخِرُ دَعْوٰهُمْ اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ پر ختم کرنا چاہتے ہیں۔

نگاہِ عشق و مستی میں وہی اول، وہی آخر

اور پھر آگے انہوں نے اللہ تبارک وتعالیٰ کی حمد وثنا فرمائی اور اس کے بعد نبیؐ

کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود بھیجا۔ الحَمْدُ للهِ الَّذِي هَدَانَا لِهَذَا: تمام تعریفیں اس اللہ کے لیے جس نے ہماری رہنمائی کی اس کی طرف، وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِي لَوْلَا أَنْ هَدَانَا اللهُ: اور ہم اس راہ کو نہیں پا سکتے تھے اگر اللہ تعالیٰ ہمیں یہاں تک نہ پہنچاتا۔ اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ عَبْدِكَ وَرَسُولِكَ النَّبِيِّ الأُمِّيِّ: اے اللہ رحمتیں اور درود بھیج اپنے بندے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جو ہمارے رسول ہیں اور آپ کے بندے ہیں جو نبیٔ امی ہیں، وَعَلَى الِ مُحَمَّدٍ: اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آل پر، وَأَزْوَاجِهِ: اور آپ کی ازواج مطہرات پر، وَذُرِّيَّتِهِ: اور آپ کی اولاد کے اوپر كما صَلَّيْتَ عَلَى إِبْرَاهِيمَ وعلى الِ إِبْرَاهِيمَ: جیسا کہ آپ نے درود بھیجا، رحمتیں بھیجی حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کی آل پر وَبَارِكْ عَلَى مُحَمَّدٍ النَّبِيِّ الأُمِّيِّ: اور برکتیں بھیج محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جو نبیٔ امی ہیں، وَعَلَى الِ مُحَمَّدٍ وَأَزْوَاجِهِ وَذُرِّيَّتِهِ: اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آل پر آپ کی ازواجِ مطہرات پر اور آپ کی اولاد پر كما بَارَكْتَ عَلَى إِبْرَاهِيمَ وَعَلَى الِ إبراهيم في العالَمِينَ إِنَّكَ حَمِيدٌ مَجِيدٌ: جیسا کہ آپ نے برکتیں بھیجیں حضرت ابراہیمؑ اور ان کی آل پر جہاں والوں، بے شک تو قابلِ تعریف اور بزرگی والا ہے۔

حدیثِ مسلسل کی تعریف

اب دیکھو بھائی! یہ مفتی عبدالقادر صاحب کا اصرار تھا کہ حدیث کی ایک خاص قسم ہے جو مسلسل کے نام سے یاد کی جاتی ہے۔ مسلسل اس حدیث کو کہتے ہیں جس میں حدیث کے تمام راوی یعنی حدیث پڑھانے والا ہے، وہاں سے لے کر نبیٔ

کریم ﷺ تک وہ کسی بات میں مشترک مثلاً کوئی ایک جملہ نبی ﷺ نے کہا اور وہی جملہ اب تک تمام نقل کرنے والے کہتے چلے آئے۔

حدیثِ مسلسل بالمحبة

جیسے کہ ایک روایت ہے، ابوداؤد شریف میں ہے۔ ایک مرتبہ حضور ﷺ نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے یوں فرمایا: يَا مُعَاذُ وَاللَّهِ إِنِّي لَأُحِبُّكَ وَاللَّهِ إِنِّي لَأُحِبُّكَ: اے معاذ! خدا کی قسم میں تم سے محبت کرتا ہوں۔ یہ جملہ دو مرتبہ فرمایا پھر فرمایا: أُوصِيكَ يَا مُعَاذُ لَا تَدَعَنَّ فِي دُبُرِ كُلِّ صَلَاةٍ تَقُولُ: ہر نماز کے بعد یوں پڑھا کرو: اللَّهُمَّ أَعِنِّي عَلَى ذِكْرِكَ وَشُكْرِكَ وَحُسْنِ عِبَادَتِكَ (۱) حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے اپنے شاگرد کو یہاں کہا کہ میں تم سے محبت کرتا ہوں۔ ہر نماز کے بعد یہ پڑھا کرو۔ انھوں نے اپنے شاگرد کو کہا اس طرح یہ سلسلہ برابر آخر تک چلا گیا۔ یہ حدیث **حدیثِ مسلسل بالمحبة** کہلاتی ہے کہ وہ حدیث جس میں استاذ اپنے شاگرد کو اس جملے سے خطاب کرتا ہے کہ میں تم سے محبت کرتا ہوں۔

حدیثِ مسلسل بالاولیت

ایسے ہی ایک حدیث ہے مسلسل بالاولیت جس میں راوی یوں کہتا ہے کہ میں نے اپنے استاذ سے سب سے پہلے یہ روایت سنی: الرَّاحِمُونَ يَرْحَمُهُمُ الرَّحْمَنُ

(۱) سننِ أبي داود، عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ رضي الله عنه، باب فِي الِاسْتِغْفَارِ.

ارْحَمُوا مَن فِي الأَرْضِ يَرْحَمْكُمْ مَنْ فِي السَّمَاءِ[1] (چونکہ یہاں یہ روایت پڑھی جا چکی ہے اس لیے میں نے قصداًاُس کا اہتمام نہیں کیا تھا) کہ جس میں یہ ہے کہ رحمت کرنے والوں پر اللہ تبارک وتعالیٰ رحمت کا معاملہ فرماتا ہے۔تم زمین والوں کے ساتھ رحمت کا معاملہ کرو، آسمان والاتمہارے اوپر رحم کرے گا۔اس روایت کے ہر راوی (شاگرد) نے اپنے شیخ (استاذ) سے سب سے پہلے یہ حدیث سنی لیکن یہ تسلسل راویٔ حدیث سفیان بن عیینہ تک ہی ہے۔

دواور مسلسل حدیثیں

ایسی ہی دوروایتیں ہیں جو ہمارے اکابرین کے یہاں سنداًبرابر چلتی آرہی ہیں،ان میں سے حدیثِ مسلسل بالاسودین اور دوسری حدیث **مسلسل بإجابة الدعاعند المتزم** ہے۔

حديث المسلسل بالضيافة على الاسودين

اسودین، یہ اسود کا تثنیہ ہے اور اسود عربی زبان میں کالی، سیاہ چیز کو کہتے ہیں۔ تو کھجور تو سیاہ ہوتی ہی ہے لیکن پانی بھی جو کہ کنویں میں ہوتا ہے تو اوپر سے آپ دیکھیں گے تو وہ بھی سیاہ سا نظر آتا ہے۔کھجور اور پانی دونوں کو عربی میں اسودین بولتے ہیں تو اس میں یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس حدیث کے راوی جو صحابی ہیں: حضرت علی رضی اللہ عنہ ان کی میزبانی کی اور ان کو کھجور اور پانی پلایا اور پھر انھوں نے اپنے شاگرد کی

---

(۱) سننِ أبی داود، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو رضی اللّٰه تعالی عنهما، باب فِی الرَّحْمَةِ.

میزبانی کی، انھوں نے اپنے شاگرد کی میزبانی کی اور یہ سلسلہ آج تک برابر چلا آرہا ہے۔

حضرت دامت برکاتہم کے اس حدیث کے استاذ اور شیخ

میں نے بھی یہ روایت حضرت شیخ مولانا محمد زکریا نور اللہ مرقدہٗ سے سُنی تھی، جب ۱۳۸۷ھ میں سہارنپور کے اندر پہلی مرتبہ حضرت سے ملاقات ہوئی اور حضرت نے اجازت بھی عطا فرمائی ہے۔

حدیث المسلسل بإجابة الدعاعند المتزم

اور دوسری روایت جو ہے وہ حدیثِ مسلسل بإجابة الدعاعند المتزم جس میں یہ ہے کہ ہر راوی اپنے شیخ سے یہ نقل کرتا ہے کہ ہم نے ملتزم کے پاس دعاء کی اور اللہ نے وہ قبول فرمائی۔ ہمارے شیخ نے بھی یہ فرمایا کہ میں نے ملتزم کے پاس دعاء کی۔ اب کیا دعا کی تھی حضرت نے بتلایا نہیں تھا اور وہ قبول ہوئی۔ میں بھی آپ سے کہتا ہوں کہ میں نے بھی ملتزم کے پاس دعا کی اور وہ قبول ہوئی اور اب آپ کے سامنے بھی یہ حدیثیں سند کے ساتھ پڑھی جائے گی، دونوں حدیثیں مسلسل ہیں۔

ویسے تو یہ حدیثیں میں نے صرف حضرت شیخ ہی سے نہیں سنی بلکہ حضرت شیخ علیہ الرحمۃ سے بھی دو مرتبہ سنی ہیں اور اس کے علاوہ مفتی محمود الحسن علیہ الرحمۃ سے بھی تین مرتبہ سنی ہے۔ حضرت قاری طیب علیہ الرحمۃ سے بھی ایک مرتبہ سنی ہے، ان تمام حضرات سے اس کی مجھے اجازت ہے۔ اس مجلس میں جو اہلِ علم موجود ہیں اور محدثین کے یہاں کسی حدیث

کو روایت کرنے کے لیے جو شرائط ضروری سمجھے جاتے ہیں، وہ ان میں پائے جاتے ہیں تو ان تمام کی شرط کے ساتھ میں ان کو اجازت دیتا ہوں اور پسِ پردہ جو سننے والی مائیں اور بہنیں ہیں، ان میں بھی جو پڑھی ہوئی عالمہ ہیں، وہ بھی ان شرائط پر پوری اُترتی ہوں تو ان شرائط کے ساتھ ان کو بھی اجازت ہے۔

حديث المسلسل بالضيافة على الاسودين کا متن

عن علي كرم الله وجهه أضافني رسول الله صلى الله عليه وسلم على الأسودين التمر والماء وقال من أضاف مؤمنا فكأنما أضاف آدم ومن أضاف مؤمنين فكأنما أضاف آدم وحواء ومن أضاف ثلاثة فكأنما أضاف جبريل وميكائيل وإسرافيل ومن أضاف أربعة فكأنما قرأ التوراة والإنجيل والزبور والفرقان ومن أضاف خمسة فكأنما صلى الصلوات الخمس في جماعة من أول يوم خلق الله الخلق إلى يوم القيامة ومن أضاف ستة فكأنما أعتق ستين رقبة من ولد إسماعيل عليه السلام ومن أضاف سبعة أغلقت عنه سبعة أبواب جهنم ومن أضاف ثمانية فتحت له ثمانية أبواب الجنة ومن أضاف تسعة كتب الله حسنات بعدد من عصاه من أول يوم خلق الله الخلق إلى يوم القيامة ومن أضاف عشرة كتب الله له أجر من صلى وصام وحج واعتمر إلى يوم القيامة.

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہماری میزبانی کی کھجور اور پانی سے اور اس کے بعد ارشاد فرمایا کہ جس نے کسی ایک مؤمن کی میزبانی کی

گویا اس نے حضرت آدم علیہ السلام کی میزبانی کی اور جس نے دو مؤمنوں کی میزبانی کی اُس نے حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت حوّا علیہا السلام کی میزبانی کی اور جس نے تین کی میزبانی کی اس نے حضرت جبرئیل علیہ السلام اور میکائیل علیہ السلام اور اسرافیل علیہ السلام کی میزبانی کی، جس نے چار کی میزبانی کی گویا اس نے تورات، انجیل، زبور اور قرآن پاک کو پڑھا اور جس نے پانچ کی میزبانی کی، گویا اُس نے پانچ نمازیں جماعت کے ساتھ پڑھیں، جب سے اللہ تعالیٰ نے آسمان کو پیدا کیا وہاں سے لے کر قیامت تک اور جن نے چھے کی میزبانی کی گویا اُس نے ''۶۰'' غلام آزاد کیے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے، اور جس نے سات کی میزبانی کی اس پر جہنم کے ساتوں دروازے بند کر دئے جاتے ہیں اور جس نے آٹھ کی میزبانی کی، اس کے لیے جنت کے آٹھوں دروازے کھول دئے جاتے ہیں، جس نے نو کی میزبانی کی، اللہ اس کے لیے ان تمام گنہگاروں کے برابر نیکیاں لکھتے ہیں جو گناہ کر رہے ہیں زمین اور آسمان کی پیدائش سے لے کر قیامت تک اور جس نے دس کی میزبانی کی، اللہ اس کے لیے ثواب لکھیں گے ان تمام آدمی کے برابر جنہوں نے روزہ رکھا، نماز پڑھی، حج کیا، عمرہ کیا قیامت تک۔

(ویسے مضمون کے اعتبار سے اور جو اصول محدثین نے بتلائے ہیں، اس اعتبار سے یہ روایت موضوع ہونی چاہیے لیکن اس کے باوجود اس کو برکت کے لیے محدثین بیان کرتے چلے آئے ہیں۔)

حديث المسلسل بإجابة الدعا عند المتزم کا متن

عن عبد الله ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما يقول سمعت النبي صلى الله عليه وسلم يقول الملتزم موضع يستجاب فيه الدعاء وما دعا الله فيه عبد دعوة إلا استجابها قال ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فوالله ما دعوت الله عز وجل فيه قط منذ سمعت هذا الحديث إلا استجاب لي وقال عمرو بن دينار وأنا والله ما أهمني أمر فدعوت الله عز وجل فيه إلا استجاب لي منذ سمعت هذا الحديث من ابن عباس وقال سفيان كذلك وقال الحميدي كذلك وهكذا قال كل واحد من الرواة إلى أن وصل إلينا.

ترجمہ: حضرت عبداللہ ابنِ عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے ہوئے سُنا ملتزم وہ جگہ ہے جہاں دعا قبول ہوتی ہے۔

ملتزم کی وضاحت

کعبہ کے اندر کونے میں جس جگہ حجرِ اسود ہے وہاں سے لے کر کعبۃ اللہ کے دروازے تک کا جو درمیانی حصہ ہے اس کو ملتزم کہتے ہیں۔ عربی زبان میں التزام کے معنی چپکنا، چونکہ وہاں پر لوگ اپنا سینا اور منہ اور رُخسار وغیرہ چپکاتے ہیں گویا چپکنے چمٹنے کی جگہ ہے اس لیے اس کو ملتزم کہتے ہیں۔

باقی حدیث کا ترجمہ

اللہ سے جس بندے نے بھی وہاں دعا کی، وہ قبول کر لیتا ہے۔ حضرت عبداللہ

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ پس اللہ کی قسم میں نے اللہ سے جو بھی دعا کی، وہ دعا قبول ہوئی۔ جب سے یہ روایت میں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سُنی۔ عمرو بن دینار رحمۃ اللہ علیہ جو اس روایت کو حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے نقل کرتے ہیں، فرماتے ہیں کہ وأنا والله ما أهمني أمر فدعوت الله عز و جل فيه إلا استجاب لي منذ سمعت هذا الحديث من ابن عباس۔ اللہ کی قسم مجھے جب کبھی کوئی معاملہ پیش آیا اور میں نے اللہ سے دُعا کی تو ضرور اللہ نے میری دعا قبول کی۔ جب سے میں نے یہ روایت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے سنی۔ اسی طرح ہر راوی کہتا ہے۔ ہمارے سلسلہ میں شیخ عبد الغنی مجددی دہلوی رحمۃ اللہ علیہ وہ فرماتے ہیں کہ میں نے بھی اللہ کی قسم اللہ س جو دعا ملتزم پر کی، وہ اللہ نے قبول کر لی۔ ہمارے حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ بھی فرماتے تھے کہ میں نے بھی جو دعا کی اللہ نے قبول فرمائی۔ میں بھی کہتا ہوں میں نے بھی جو دعا کی اللہ نے قبول فرمائی۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَآ اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔

اختلافی مسائل میں اعتدال اور شرعی حدود کی رعایت کی ضرورت

بمقام: جنوبی افریقہ

سنہ ۲۰۱۱ء

دارالافتاء کے افتتاح کے موقع پر حضرت نے یہ چند باتیں ارشاد فرمائی تھیں۔

اقتباس

خود حضراتِ صحابہؓ میں حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما جن کو امت کے اندر نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد سب سے اونچا مقام حاصل ہے، ان کے مزاجوں میں بھی اختلاف تھا اور نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس مزاج کے اختلاف کو سمجھتے بھی تھے، اپنے اپنے زمانے میں ہر ایک نے اس کے مطابق عمل کیا، حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں جب لوگوں کے وظیفے دینے کا مسئلہ آیا تو یہ رائے پیش کی گئی کہ جن کی خدمات زیادہ ہیں، ان کے لیے وظیفہ زیادہ مقرر کیا جائے تو حضرت ابوبکرؓ نے جواب میں فرمایا کہ بھائی! کس کی کتنی خدمات ہیں اس کو مجھ سے زیادہ کون جانے گا لیکن اس وظیفے کا تعلق خدمت سے نہیں ہے بلکہ اس کا تعلق ضرورت سے ہے اور یہ فرما کر ہر ایک کے لیے اس کی ضرورت کے مطابق یکساں وظیفہ مقرر فرما دیا۔

پھر جب حضرت عمرؓ کا دور آیا تو انھوں نے کہا کہ میں سب کو برابر نہیں رکھوں گا، جو بدر میں شریک ہوئے ان کا مقام اونچا ہے اور فلاں کا مقام اونچا ہے اور ہر ایک کو ان کی خدمات کی مطابق ان کے وظیفے مقرر کیے تو بہر حال یہ ان کے مزاج کا اختلاف ہے اور یہ ہر زمانے میں ظاہر ہوتا رہا۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

الحمدُلله رب العالمين والصلوة والسلام على سيدالأنبياءِ والمرسلين، سيدنا ونبينا وحبيبنا وشفيعنا محمدوآله وأصحابه أجمعين۔

ہر گلے را رنگ و بوئے دیگر است

اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضراتِ علماء کو دین کی خدمت کا جو موقع اور سعادت عطا فرمائی، ان کی خدمات کی نوعیتیں اور ان کی خدمات کے انداز اور طریقے مختلف ہیں، ہر ایک کی صلاحیتیں بھی الگ الگ ہیں، اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہر ایک آدمی کو ایک مستقل مزاج عطا فرمایا ہے، مستقل صلاحیت عطا فرمائی اور اس صلاحیت کو استعمال کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے مستقل قُویٰ بھی عطا فرمائے گئے، جیسے انسانوں کے ظاہری چہرے کہ ایک چہرہ دوسرے چہرے سے ملتا جلتا نہیں ہے، الگ الگ ہے، ایسے مزاج بھی ہر ایک کے الگ الگ ہیں اور اس مزاج کے اختلاف کی وجہ سے رائے میں بھی اختلاف ہوتا ہے اور رائے کا اختلاف یہ شریعت کی نگاہ میں کوئی برا نہیں مانا گیا بلکہ ہمارے یہاں تو اہلِ سنت والجماعت کا یہ عقیدہ مسلَّم ہے کہ مجتہد اپنے اجتہاد کے مطابق -بشرطیکہ اس میں اجتہاد کی صلاحیت ہو- کوئی فیصلہ کرتا ہے اور وہ حق کے مطابق ہے تو اس کو دوہرا ثواب ملتا ہے اور حق کے مطابق نہیں ہے تو اس کو ایک ثواب ملتا ہے[1]۔

---

(۱) إِذَا حَكَمَ الْحَاكِمُ فَاجْتَهَدَ فَأَصَابَ فَلَهُ أَجْرَانِ وَإِذَا حَكَمَ فَاجْتَهَدَ فَأَخْطَأَ فَلَهُ أَجْرٌ (سنن أبي داود، عَنْ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ رضي الله عنه، باب فِي الْقَاضِي يُخطِئُ.)

حضراتِ انبیاء اور حضراتِ صحابہ کے مزاج کے اختلاف کا ایک نمونہ

تو یہ مزاجوں کا جو اختلاف ہے، وہ اللہ کے نیک بندوں میں ہر زمانے میں رہا حضراتِ انبیاءِ کرام علیہم الصلوۃ والسلام کے درمیان بھی رہا، حضراتِ صحابہ رضی اللہ عنہم کے درمیان بھی رہا۔ غزوۂ بدر کے موقع پر اس میں پکڑے گئے قیدیوں کے متعلق جب مشورہ ہوا تو رائیں مختلف آئیں، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور جو ان کے ہم نوا تھے، ان کی یہ رائے ہوئی کہ ان لوگوں سے فدیہ لے کر ان کو چھوڑ دیا جائے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور کچھ اور حضرات تھے، ان کی طرف سے یہ مشورہ دیا گیا، یہ رائے آئی کہ ان کو قتل کیا جائے، نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان دونو رایوں کو سن کر فرمایا کہ ان حضرات کی مثال ایسی ہے جیسے کہ حضراتِ انبیاءِ کرام علیہم الصلوۃ والسلام میں حضرت نوح اور حضرتِ موسیٰ علیٰ نبینا و علیہما الصلوۃ والسلام کہ ان کے مزاجوں میں اللہ نے خاص شدت عطا فرمائی تھی، حضرت نوح علیہ السلام نے دعا کی تھی: ﴿رَبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْاَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ دَيَّارًا اِنَّكَ اِنْ تَذَرْهُمْ يُضِلُّوْا عِبَادَكَ وَلَا يَلِدُوْا اِلَّا فَاجِرًا كَفَّارًا﴾ (نوح: ۲۶) انھوں نے یہ دعا کی اور حضرتِ موسیٰ علی نبینا و علیہ الصلوۃ والسلام نے دعا کی: ﴿رَبَّنَا اطْمِسْ عَلٰى اَمْوَالِهِمْ وَاشْدُدْ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْا حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ﴾ (یونس) جب کہ حضرت عیسی اور حضرت ابراہیم علی نبینا و علیہما الصلوۃ والسلام کا مزاج الگ تھا، یہ حضراتِ انبیاءِ کرام علیہم الصلوۃ والسلام کے مزاج ہیں۔

حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے مزاجوں کا اختلاف

خود حضراتِ صحابہ رضی اللہ عنہم میں حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما جن کو امت کے اندر نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد سب سے اونچا مقام حاصل ہے، ان کے مزاجوں میں بھی اختلاف تھا اور نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس مزاج کے اختلاف کو سمجھتے بھی تھے، اپنے اپنے زمانے میں ہر ایک نے اس کے مطابق عمل کیا، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں جب لوگوں کو وظیفے دینے کا مسئلہ آیا تو یہ رائے پیش کی گئی کہ جن کی خدمات زیادہ ہیں، ان کے لیے وظیفہ زیادہ مقرر کیا جائے تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جواب میں فرمایا کہ بھائی! کس کی کتنی خدمات ہیں اس کو مجھ سے زیادہ کون جانے گا لیکن اس وظیفے کا تعلق خدمت سے نہیں ہے بلکہ اس کا تعلق ضرورت سے ہے اور یہ فرما کر ہر ایک کے لیے اس کی ضرورت کے مطابق یکساں وظیفہ مقرر فرما دیا۔

پھر جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا دور آیا تو انھوں نے کہا کہ میں سب کو برابر نہیں رکھوں گا، جو بدر میں شریک ہوئے ان کا مقام اونچا ہے اور فلاں کا مقام اونچا ہے اور ہر ایک کے لیے ان کی خدمات کی مطابق ان کے وظیفے مقرر کیے تو بہر حال یہ مزاج کا اختلاف ہے اور یہ ہر زمانے میں ظاہر ہوتا رہا۔

مزاج اور رائے کے اختلاف کے سلسلے میں شرعی ہدایات

دین کی خدمات کے سلسلے میں بھی مزاجوں کے یہ اختلاف ہوتے ہیں لیکن ہمیں شریعت کا ایک حکم یہ ہے کہ اگر مزاج کی اور اسی طرح رائے کے اس اختلاف کی

وجہ سے کوئی اختلاف پیش آئے تو اس کا اظہار تو مناسب اور شریعت کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق ضرور کر دیا جائے لیکن اس پر اصرار اور ایک دوسرے کے درپئے آزار ہونا یا اس کی تحقیر یا تذلیل کرنا، شریعت اس کی اجازت دیتی نہیں ہے۔ شریعت نے اس کے لیے بھی حدود مقرر کیے ہیں، حضرت شیخ علیہ الرحمۃ نے اس سلسلے میں ایک رسالہ لکھا ہے: **الاعتدال فی مراتب الرجال**، اسی کے تکملہ کے طور پر حضرت مولانا عاشق الٰہی صاحب بلند شہری علیہ الرحمۃ نے ایک رسالہ لکھا ہے۔

اختلافِ رائے سے بزرگانِ دین کی شان میں تقصیر نہیں ہونی چاہیے

ہمارے حضرت علیہ الرحمۃ کے زمانے میں دار العلوم کا، پہلی مرتبہ کا اختلاف ظاہر ہوا تھا اور اس موقع پر حضرت کو بڑا درد تھا اور حضرت فرمایا کرتے تھے کہ بھائی! ہر ایک کی اپنی اپنی خصوصیتیں ہیں، ان کے امتیازات ہیں، ان کے کمالات ہیں، آپس کے اختلاف کی وجہ سے ان کے کمالات سے، ان کی خصوصیتوں سے صرفِ نظر کرنا اور اس طرح سے ان کو بالکل قابلِ طعن بنا دینا درست نہیں۔ حضرت علیہ الرحمۃ کو اخیر تک اس کا بڑا غم رہا، حضرت علیہ الرحمۃ کے یہاں ہر ایک سے ملاقات کا بڑا اہتمام تھا، میں خود جب حضرتؒ سے ملاقات کے لیے حاضر ہوتا تھا تو میں اجازت لیتا تھا کہ میں وہاں مدرسے میں جاتا ہوں تو حضرت باقاعدہ پوچھتے تھے کہ حضرت مولانا سالم صاحب دامت برکاتھم سے ملاقات کے لیے گئے تھے تو میں نے کہا کہ ہاں! پھر حضرت کی اجازت سے سہارنپور جانا ہوتا تھا تو حضرت علیہ الرحمۃ پوچھتے تھے کہ حضرت مفتی مظفر حسین صاحبؒ سے

مل کر آئے یا نہیں؟ تو میں کہتا کہ ہاں ملا تھا۔ تو بہر حال! ہمارے اکابر کے یہاں اس کا بڑا اہتمام تھا، ہمارے حضرت علیہ الرحمۃ کے یہاں تو اس کی بڑی تاکید ہوا کرتی تھی۔

مختلف فیہ مسائل کو عوام کے درمیان موضوعِ بحث بنانے سے گریز کیجیے

اس علمی اختلاف کے سلسلے میں اللہ تعالیٰ نے علماء کو جو صلاحیتیں عطا فرمائی ہیں تو علمی دلائل کے ذریعہ اپنی بات کو پیش کر دیا جائے، اس کے بعد اس پر اصرار نہ کیا جائے، یہ تو مختلف فیہ مسائل ہیں۔ حضراتِ ائمۂ مجتہدین کے درمیان بہت سے مسائل مختلف فیہ رہے ہیں، قرنِ اول سے ان مسائل میں اختلاف چلا آرہا ہے لیکن اس اختلاف کی وجہ سے آج تک نہ کسی نے کسی کی تفسیق وتذلیل کی اور نہ تحقیر کی اور اس طرح کے اختلافات آئندہ زمانے میں بھی رہیں گے، وحی نہ ہم پر نازل ہوئی، نہ فریقِ مخالف پر نازل ہوئی؛ اس لیے ضرورت ہے، خاص کر کے یہاں افریقہ میں کہ مسائل کی وجہ سے علماء کے درمیان جو آپس کے اختلافات ہوتے ہیں اور اس کو عوام کے اندر لا کر کے اس کو جو موضوعِ بحث بنایا جاتا ہے، یہ چیز ہمارے اکابر کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق نہیں ہے۔

فَاِمۡسَاكٌۢ بِمَعۡرُوۡفٍ اَوۡ تَسۡرِيۡحٌۢ بِاِحۡسَانٍ

پھر آپس میں جو کام کرتے ہیں، ادارے چلاتے ہیں، مدرسے چلاتے ہیں اور اسی طریقے سے اپنے اپنے طور پر جو خدمات انجام دیتے ہیں تو مل جل کر خدمات

انجام دی جاتی ہیں، کبھی مزاجوں کے اختلاف کی وجہ سے کوئی ایسی بات پیش آوے جو شریعت نے ہمیں بتلادی ہے۔ حدیث میں ہے: اَلْمَرْأَةُ كَالضِّلَعِ إِنْ أَقَمْتَهَا كَسَرْتَهَا وَإِنِ اسْتَمْتَعْتَ بِهَا اسْتَمْتَعْتَ بِهَا وَفِيهَا عِوَجٌ [1] عورت پسلی کی طرح ہے اگر تم اس کو سیدھا کرنے جاؤ گے تو توڑ دو گے، اگر تمھیں اس سے فائدہ اٹھانا ہے تو اس کی کجی کے ساتھ فائدہ اٹھاؤ تو ہمارے حضرت علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ نے اس جملہ کی شرح میں ایک بڑی عجیب وغریب بات فرمائی ہے کہ کسی نظام کے اندر کہیں کوئی کمزوری اور قصور ہے، کوتاہی ہے تو اگر آپ یہ محسوس کر رہے ہیں کہ آپ اس کو اچھے طریقے سے دور کر سکتے ہیں تو کیجیے اور اگر آپ وہاں سختی کرنے جائیں گے تو وہ نظام ختم ہو کر کے رہ جائے گا اور اس سے امت کو جو فائدہ پہنچ رہا ہے وہ ہوگا نہیں تو اگر آپ کو اس کے ساتھ اتفاق نہیں ہے تو آپ بھلے طریقے سے اس سے الگ ہو کر کے اپنا کام الگ شروع کر دیں، بھائی ﴿فَإِمْسَاكٌ بِمَعْرُوفٍ أَوْ تَسْرِيحٌ بِإِحْسَانٍ﴾ (البقرۃ: ۲۲۹) یہ بھی ایک اصول شریعت نے ہمیں بتلایا ہے۔

اوروں کی قابلِ قدر خدمات کو سراہنے میں بخل سے کام نہ لیں

تو بہر حال یہ بھی ایک طریق ہے لیکن اس کے بعد بھی آپس کے تعلقات، آپس کے روابط، آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ ملنا جلنا اور خدماتِ دینیہ کے سلسلے میں ایک دوسرے سے تعاون حاصل کرنا اور ایک دوسرے کی طرف سے جو خدمات

---

(۱) صحیح البخاری، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ، باب الْمُدَارَاةِ مَعَ النِّسَاءِ.

انجام دی جارہی ہیں، ان کا اعتراف کرنا، لوگوں کے سامنے اس کو لانا، ظاہر کرنا، یہ بھی دین کا تقاضا ہے اور علم کی جو امانت اللہ تعالیٰ نے ہمیں عطا فرمائی ہے، اس کا تقاضا بھی یہ ہے کہ اگر ہم محسوس کررہے ہیں کہ جس طرح کی دینی خدمات انجام دی جارہی ہیں، واقعۃً وہ قابلِ قدر ہیں تو ہم اس کا اعتراف کریں، لوگوں کو بھی بتلائیں۔

اختلاف میں اخلاص ہو تو وہ بھی باعثِ برکت ہوتا ہے

تو بہر حال! یہ سلسلے ہیں اور یہ ہوتا رہا ہے، یہ بات میں نے اس مناسبت سے عرض کردی کہ مزاجوں کے اختلاف کی وجہ سے کبھی ایسی کوئی بات پیش آجائے۔ ہمارے حضرت قاری صدیق صاحب باندوی علیہ الرحمۃ فرمایا کرتے تھے، جب ڈابھیل تشریف لائے، حضرت نے مجھ سے دو تین بار کہا اور خاص طور پر بڑی محبت فرماتے تھے، فرمایا کہ دیکھو! ہمارے بزرگوں کا اختلاف ہوا تھا اور اخلاص کے ساتھ ہوا تھا تو اتنا بڑا ایک عظیم ادارہ وجود کے اندر آگیا، حضرت یہ فرمایا کرتے تھے۔

دوسروں کو بے عزت کر کے ہم عزت حاصل نہیں کرسکتے

بہر حال! کہنے کا حاصل یہ ہے کہ یہ ساری باتیں تو پیش آتی رہتی ہیں، اصل بات وہی ہے کہ شریعت نے ہمیں جن حدود کا اور آداب کا پابند بنایا ہے، 'ادب الخلاف''، مستقل رسالہ ہے، شیخ عبدالفتاح ابوغدّہ اور شیخ عوامہ نے اس پر لکھا ہے اور ہمارے اکابر میں حضرت شیخ علیہ الرحمۃ کا رسالہ ہے؛ اس لیے ان چیزوں کو سامنے رکھ کر یہاں اپنے طریقۂ عمل کو متعین کرنے کی ضرورت ہے اور خاص کر کے ان علمی مسائل

کوعوام کے اندر موضوعِ بحث بنا کر کے عوام کے دلوں سے علماء کے وقار کو ختم نہ کیا جائے، ایک مرتبہ ختم ہو گیا تو نہ میری عزت رہے گی، نہ آپ کی۔

ایں خیال است ومحال است وجنوں

میں اگر یہ سمجھتا ہوں کہ آپ کو لوگوں کی نگاہوں سے گرا کر عزت حاصل کروں گا تو ''ایں خیال است ومحال است وجنوں'' یہ ناممکن ہے، ان کے دل سے جہاں آپ کی عزت ختم ہو گی، اسی وقت میری عزت بھی ختم ہو جائے گی؛ اس لیے ضرورت ہے کہ علماء کے وقار کو باقی رکھتے ہوئے ان سارے کاموں کو انجام دیا جائے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس کی توفیق اور سعادت عطا فرمائے۔ (آمین)

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔

علماءِ کرام اور مکاتب و مدارس کے مدرسین کی ذمہ داریاں (۱)

بمقام: دارالیتامی، بھروچ (گجرات)

بوقت: ۲۸/ ۳/ ۲۰۱۳

اقتباس:

آج کل تو انٹرنیٹ پر طرح طرح کی باتیں آتی ہیں، فرحت ہاشمی پاکستان کی ایک عورت ہے، وہ انٹرنیٹ پر قرآن کی تفسیر کرتی ہے، ہمیں کسی نے سنایا کہ سورت کے اندر کسی نے پمفلیٹ تقسیم کیے کہ اس کی تفسیر کو سننے کا اہتمام کیا جائے، حالاں کہ وہ ایک گمراہ عورت ہے۔ حضرت مفتی محمد تقی صاحب عثمانی دامت برکاتھم کے فتاوی میں ہے، کسی نے اس کے متعلق فتوی پوچھا تھا تو حضرت نے اس کی گمراہیوں کو واضح بھی کیا تھا لیکن یہ سب کب ہوتا ہے؟ یہ اس وقت ہوتا ہے، جب میدان خالی ہوتا ہے، ہم نے میدان کو خالی چھوڑ رکھا ہے تو ان لوگوں کو اس میں دندنانے کا موقع ملتا ہے؛ اس لیے ہم لوگوں کے لیے ضروری ہے کہ اپنی اپنی جگہوں پر رہتے ہوئے ان سلسلوں کو جاری کریں۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

الحمدُللہ رب العالمین والصلوۃ والسلام علی سید الأنبیاءِ والمرسلین، سیدنا ونبینا وحبیبنا وشفیعنا محمد وآلہ وأصحابہ أجمعین، أمّا بعد: فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ: ﴿قُلْ هَلْ یَسْتَوِي الَّذِیْنَ یَعْلَمُوْنَ وَالَّذِیْنَ لَا یَعْلَمُوْنَ﴾ (الزمر:۹) وقال تعالیٰ: ﴿وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ اَئِمَّةً یَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا لَمَّا صَبَرُوْا وَكَانُوْا بِاٰیٰتِنَا یُوْقِنُوْنَ﴾ (السجدۃ) وقال تعالیٰ: ﴿وَالَّذِیْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ﴾ (المعارج) وقال النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: كُلُّكُمْ رَاعٍ وَكُلُّكُمْ مَسْؤُولٌ عَنْ رَعِیَّتِهٖ. (صحیح البخاری، عَنِ ابْنِ عُمَرَ، رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا، باب الجمعة في القری والمدن.)

میرے قابلِ احترام حضراتِ علماءِ کرام! اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہمیں علم کے ساتھ نسبت عطا فرما کر جو عزت بخشی ہے، اس کا حق یہ ہے کہ اس نسبت سے ہم پر جو مختلف ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں، ہم ان کو پورے احساس ذمہ داری کے ساتھ ادا کرنے کا اہتمام کریں۔

وائے ناکامی متاعِ کارواں جاتا رہا

ہمارے اس دور کا سب سے بڑا مسئلہ امانت ودیانت کا ہے، سبھی جانتے ہیں، کوئی بھی ایسا نہیں ہے جو نہ جانتا ہو، سب کے سامنے معلومات ہیں، سب کتابیں پڑھتے ہیں، مضامین پڑھتے ہیں، ساری چیزیں سامنے ہیں، کوئی چیز بتلانے جیسی نہیں ہے، سب کے علم اور دل ودماغ میں موجود ہے لیکن سب سے بڑا مسئلہ یہ ہے کہ اپنی

ذمہ داری کومحسوس کرتے ہوئے پوری امانت اور دیانت کے ساتھ ان کوادا کرنے کا اہتمام ہمارے اندرنہیں ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا احساسِ ذمہ داری

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا مقولہ کہیں پڑھا تھا، فرماتے تھے کہ دریائے دجلہ کے کنارے پرکوئی کتا بھوکا مرجائے گا تو مجھے یہ ڈر ہے کہ کل قیامت کے روز مجھ سے اس کے متعلق سوال ہوگا، اس زمانے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی حکومت عراق تک پہنچی ہوئی تھی، تو حکومت کی جو ذمہ داری ان پر عائد ہوتی تھی، اس کے بارے میں یہ جملہ ارشاد فرمایا تھا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے علم کی نسبت سے جو ذمہ داریاں ہم پر عائد فرمائی ہیں تو ضرورت اس کی ہے کہ ان ذمہ داریوں کومحسوس کرتے ہوئے پوری امانت اور دیانت کے ساتھ ان کوادا کرنے کا اہتمام کریں۔

قریہ قریہ مکاتب کا جال پھیلانے میں حکمت

جیسا کہ مجھے ابھی بتلایا گیا کہ یہاں موجودلوگوں میں اکثریت ان حضرات کی ہے جومختلف مکاتب میں علمی خدمات انجام دے رہے ہیں۔ ہمارے اسلاف نے مکاتب ومدارس کا جونظام قائم کیا ہے، وہ درحقیقت ایمان واسلام کے بقاء کا اہم ذریعہ ہے جس کواس زمانے کے اعتبار سے ہمارے اکابر نے محسوس کیا اوراس کوشروع کیا۔ انگریز جب اس ملک کے اندر آیا تواس سے پہلے اسلامی حکومت تھی اور جہاں جہاں اسلامی حکومت رہی وہاں مسلمان حکمرانوں نے ایمان واسلام کی بقاء کے لیے تعلیم

وتربیت کے سلسلے جاری کیے اور ہر جگہ یہ سلسلے جاری تھے اور ان تمام سلسلوں کی سرپرستی حکومت کرتی تھی، جیسے آج کل دنیوی اور عصری علوم اسکولوں اور کالجوں اور یونیورسٹیوں میں حکومت کی سرپرستی میں پڑھائے جاتے ہیں۔ اس زمانے میں دینی اور دنیوی علوم الگ الگ نہیں تھے بلکہ دونوں ایک ساتھ پڑھائے جاتے تھے اور جو آدمی دینی علوم کے اندر ماہر ہوتا تھا، وہ دنیوی علوم سے بھی پورے طور پر واقف ہوتا تھا۔

مدارس ومکاتب کے قیام کا پس منظر

لیکن جب اسلامی حکومت گئی اور اس ملک میں انگریزوں کا عمل دخل آیا تو ان کی کوشش یہ تھی کہ اسلام کو ختم کیا جائے، ہمارے اکابر نے اولِ وہلہ میں کوشش یہ کی کہ انگریز کو یہاں سے ہٹایا جائے اور اس کے لیے انھوں نے مسلّح جدوجہد بھی کی، ہمارے اکابر نے اپنے پیرومرشد حضرت حاجی امداد اللہ مہاجرِ مکی علیہ الرحمۃ کی ماتحتی میں باقاعدہ انگریزوں کا میدانِ جہاد میں مقابلہ بھی کیا لیکن اس میں کامیابی نصیب نہیں ہوئی، اللہ تعالیٰ کو یہی منظور تھا تو جب دیکھا کہ ہم مسلح جدوجہد کے ذریعہ انگریزوں کو زیر نہیں کر پائیں گے تو ان حضرات نے دوسری نہج پر سوچنا شروع کیا کہ اس ملک میں ایمان واسلام کو کس طرح باقی رکھا جائے تو یہ طے پایا کہ ایک مدرسہ ایسا قائم کیا جائے جس میں دینی علوم پڑھائے جائیں گے اور اس مدرسے کی بقاء حکومت کی کسی امداد پر موقوف نہیں ہوگی بلکہ مسلم عوام ہی سے اس کی بقاء کے لیے امداد حاصل کی جائے گی، دارالعلوم دیوبند کا قیام اسی سلسلے کی پہلی کڑی تھی۔ مسلمانوں کو ترغیب دے کر ان میں جو یہ

چندے کا سلسلہ شروع ہوا کہ ہر مسلمان کو چاہیے کہ وہ اپنے دین کی حفاظت کے لیے اپنے مال میں سے ایک حصہ نکالے اور مدارس میں خرچ کرے، اس طرح دار العلوم دیوبند کا قیام عمل میں آیا اور اسی کے ماتحت مکاتب کا سلسلہ بھی شروع ہوا۔

مدارسِ عربیہ کے قیام کا مقصد

ایک تو مکاتب ہیں اور ایک مدارس ہیں، یہ جو مدارسِ عربیہ ہیں، وہ لوگوں کو وہ علم سکھاتے ہیں جو فرضِ کفایہ کا درجہ رکھتا ہے، فرضِ کفایہ کا مطلب یہ ہے کہ ہر علاقے اور ہر بستی میں کچھ ایسے حضرات ہونے چاہئیں جو دین کے تمام یا اکثر و بیشتر مسائل سے واقف ہوں اور لوگوں کو جب اس کی ضرورت پیش آوے تو ان کی طرف رجوع کر سکیں اور وہ ان کی رہنمائی کریں۔

اس علم کی تفصیل جس کا حصول فرضِ کفایہ ہے

اور علم کا ایک دوسرا درجہ فرضِ عین کا ہے، جس کا سیکھنا ہر مسلمان کے لیے ضروری ہے، بحیثیت مسلمان کے جب تک وہ ان امور کی معلومات حاصل نہیں کرے گا، وہ ایمان و اسلام کے تقاضوں کو پورا نہیں کر سکتا۔ جب کوئی بچہ بالغ ہوتا ہے، چاہے وہ لڑکا ہو یا لڑکی تو بالغ ہوتے ہی اس پر نماز فرض ہو جاتی ہے، روزہ فرض ہو جاتا ہے، اگر وہ صاحبِ نصاب ہے تو زکوۃ بھی فرض ہو جاتی ہے، صاحبِ استطاعت ہے تو حج بھی فرض ہو جاتا ہے تو یہ عبادات آدمی پر اس کے بالغ ہوتے ہی عائد ہو جاتی ہیں، ان میں پہلی جو دو عبادتیں بتلائی گئیں، وہ تو ایسی ہیں جو ہر ایک پر فرض ہیں، کوئی بھی اس

سے بچا ہوا نہیں، ان عبادتوں کی ادائگی کے لیے جن جن مسائل سے واقفیت ضروری ہے، اس میں طہارت وغیرہ کے مسائل آتے ہیں، اسی طریقے سے معاشرت یعنی اس پر ماں باپ کے، میاں بیوی کے، بھائی بہن کے، رشتہ داروں کے جو آپسی حقوق ہیں، ان کو معلوم کرنا ضروری ہے، بحیثیت مسلمان کے ایک مسلمان کے لیے ضروری اور بنیادی عقائد کو جاننا بھی ضروری ہے؛ اس لیے اس کو اولین درجہ حاصل ہے، اولین درجے میں اسی کو سیکھا جاتا ہے، اگر اس میں کوئی کمی رہ گئی تو آدمی کا ایمان ہی باقی نہیں رہتا تو یہ عقائد اور عبادات، خصوصًا نماز روزہ، ان کے مسائل جاننا ضروری ہے۔

مکاتبِ دینیہ کے قیام کا مقصد

قرآن ہماری بنیادی کتاب ہے، اس کو سیکھنا، دیکھ کر پڑھنے کی صلاحیت حاصل کرنا، اس کے اتنے حصے کو حفظ کرنا جس کو نماز میں پڑھا جاسکے اور اس کو صحیح طریقے سے تجوید کے ساتھ پڑھنا پھر نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت اور آپ کی تعلیمات سے واقفیت حاصل کرنا، یہ ساری وہ چیزیں ہیں جو ایک مسلمان کے لیے بحیثیت مسلمان کے ضروری ہیں، ان چیزوں سے واقفیت حاصل کرنے کے لیے ہمارے اکابر نے مکاتب کا یہ سلسلہ جاری فرمایا ہے؛ تاکہ ہر مسلمان بچے کو اس میں لاکر ان امور سے واقف کرایا جاسکے، جب یہ ضروری چیزیں اس کے علم لائی گئیں تو اس کا ایمان اب محفوظ ہوگیا۔

حضرت مولانا محمد اسماعیل صاحب کاندھلویؒ اور ان کا فکر

حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ کے والد حضرت مولانا محمد اسماعیل علیہ الرحمۃ

حضرت مفتی مظفر حسین کاندھلوی علیہ الرحمۃ کے خلیفہ تھے، اور حضرت مفتی مظفر حسین کاندھلوی علیہ الرحمۃ کی فکر غیر آباد مسجدوں کو آباد کرنے کی تھی، حضرت مولانا محمد اسماعیل صاحب کاندھلوی علیہ الرحمۃ میں بھی اپنے پیرومرشد کا یہ اثر آیا تھا، حضرت مفتی مظفر حسین کاندھلوی علیہ الرحمۃ کی نواسی ان کے نکاح میں تھیں، حضرت مولانا محمد الیاس صاحب علیہ الرحمۃ کی والدہ حضرت مفتی مظفر حسین کاندھلوی علیہ الرحمۃ کی نواسی ہوتی ہیں۔ بہرحال! حضرت مولانا محمد اسماعیل علیہ الرحمۃ نے اپنے شیخ علیہ الرحمۃ سے مذکورہ اثر لے کر دہلی میں نظام الدین کی مسجد کو اپنا میدانِ عمل بنایا، اس کے بعد آپ نے میوات کے علاقے میں اس سلسلے کو شروع کیا جہاں بہت زیادہ جہالت تھی۔

حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ نظام الدین دہلی میں

ان کی وفات کے بعد ان کے بڑے صاحب زادے حضرت مولانا محمد میاں صاحب علیہ الرحمۃ ان کے جانشین بنے، ان کی والدہ اور حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ کی والدہ الگ ہیں۔ ان کے انتقال کے بعد لوگوں کی طرف سے مطالبہ ہوا کہ اس سلسلے کو باقی رکھا جائے، اس زمانے میں حضرت مولانا محمد الیاس صاحب علیہ الرحمۃ مظاہر کے اندر تدریسی خدمات انجام دے رہے تھے۔ حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری علیہ الرحمۃ سے اس کی درخواست کی گئی تو حضرت مولانا نے غور و فکر کے بعد حضرت مولانا محمد الیاس صاحب علیہ الرحمۃ کو وہاں بھیجنے کا فیصلہ فرمایا۔ وہاں تشریف لے جانے کے بعد حضرت مولانا محمد الیاس صاحب علیہ الرحمۃ نے پہلی کوشش یہی کی تھی کہ مکاتب قائم کیے جائیں۔

تحریکِ دعوت وتبلیغ کا مقصدِ اصلی

حضرت مولانا محمد الیاس صاحب علیہ الرحمۃ نے میوات کے علاقے میں اس کام کو جاری رکھنے کا عزم فرمایا، آپ کی وہاں تشریف بری سے پہلے ہی آپ کے خاندان والوں کی کوششوں سے وہاں مختلف جگہوں پر پچاس، ساٹھ مکاتب قائم ہو چکے تھے۔ آپ نے غور کیا اور اس نتیجے پر پہنچے کہ مکاتب کا جال اس علاقے میں پھیلانے کے لیے مقامی لوگوں میں بھی اس کے ذوق وشوق کا ہونا ضروری ہے اور یہاں جہالت کی وجہ سے لوگ دین، احکامِ دین اور علومِ دین سے ناواقف ہیں، انھیں اس کی اہمیت ہی معلوم نہیں ہے تو بھلا وہ اس کے قیام میں کیسے تعاون کریں گے اور کیسے دل چسپی لیں گے! تو ان کی اس غیر دل چسپی اور بے رغبتی کو دیکھ کر اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت مولانا کے دل میں یہ بات ڈالی کہ پہلے ان کے اندر علمِ دین کی طلب پیدا کی جائے تو اسی مقصد کے لیے دعوت وتبلیغ کا سلسلہ حضرت مولانا نے جاری فرمایا۔ حضرت مولانا فرمایا کرتے تھے کہ دعوت وتبلیغ کا سلسلہ کیا ہے؟ یہ تو ہر آدمی کے دل میں دین کی طلب پیدا کرنے کے لیے ہے اور جب اس کے اندر دین کی طلب پیدا ہو جائے گی تو وہ خود ہی اس کو حاصل کرے گا اور اس کے نتیجے میں دین کے تمام شعبے زندہ ہوں گے۔

مکاتبِ دینیہ کی اہمیت علامہ اقبال کی نظر میں

بہر حال! ہمارے اکابر نے یہ مدارس ومکاتب کا جو سلسلہ شروع فرمایا تو یہ اس ملک میں مسلمانوں کے دین وایمان کی حفاظت کے لیے ایک بہت ہی اہم فیصلہ

تھا، کسی نے ان مدارس ومکاتب میں پڑھانے والے مولویوں اور ملاؤں کے متعلق علامہ اقبال سے پوچھا تھا، پوچھنے والے کا مقصد ان پر تنقید کرنا تھا کہ اس طرح یہ مولوی لوگ بچوں کو بے کار کر دینا چاہتے ہیں تو علامہ اقبال نے کہا تھا کہ ان کو رہنے دو اور اپنی جگہ پر کام کرنے دو، اگر یہ نہیں ہوں گے تو کیا ہوگا؟ وہ میں اسپین میں دیکھ کر آیا ہوں کہ وہاں صدیوں تک اسلامی حکومت رہنے کے باوجود بھی وہاں آج کوئی کلمہ پڑھنے والا نہیں ہے اور یہ واقعہ ہے کہ انگریز نے یہاں حکومت کرنے کے دوران اس کی بھرپور کوشش کی کہ اسلام کو یہاں سے بالکلیہ ختم کر دیا جائے لیکن یہ الگ بات ہے کہ وہ اپنی ان کوششوں میں ناکام رہا، اگرچہ اس نے رخنے ڈالے لیکن اس سلسلے کو بند نہ کرا سکے۔

مکاتب ومدارس میں خدمت انجام دینے والوں کو اپنی ذمہ داریوں کا احساس ہونا ضروری ہے

تو یہ ہمارے اکابر کے قائم کردہ دو سلسلے ہیں، ان میں جو بڑے مدارس ہیں، ان میں طلبہ اپنی اپنی استعداد اور صلاحیت کے مطابق علم حاصل کرتے ہیں، بعض اعلی صلاحیت کے حامل ہوتے ہیں تو فارغ ہو کر مدارسِ عربیہ میں تدریسی خدمات انجام دیتے ہیں، بعض متوسط درجے کے ہوتے ہیں تو مکاتب کا نظام سنبھالتے ہیں تو اس طرح یہ علومِ دینیہ کی خدمات کا سلسلہ ملک اور بیرونِ ملک کے اندر جاری ہے، کہنے کا حاصل یہ ہے کہ آپ حضرات جو یہ خدمات انجام دے رہے ہیں، واقعہ یہ ہے کہ یہ بڑی اہم خدمات ہیں لیکن ان خدمات کو انجام دیتے ہوئے اپنی ذمہ داریوں کا احساس

ہونا ضروری ہے کہ میں کون ہوں؟ مجھے کیا کرنا ہے، میری کیا ذمہ داریاں ہیں اور میں کس طرح اپنی ذمہ داریوں کو بحسن وخوبی انجام دے سکتا ہوں۔

بحیثیت عالم کے ایک عالم کی ذمہ داریاں

اس میں دو چیزیں ہیں: ایک تو یہ کہ آپ عالم ہیں، آپ چاہے کسی جگہ ملازم نہ ہوں پھر بھی آپ کے حاصل کردہ علم کا تقاضا اور حق یہ ہے کہ اس کو آپ دوسروں تک پہنچائیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے: بَلِّغُوا عَنِّي وَلَوْ آيَةً(۱) میری طرف سے لوگوں کو پہنچاؤ، چاہے ایک آیت ہی کیوں نہ ہو۔ ایک چھوٹی سی بات ہو تو بھی اس کو لوگوں تک پہنچانا ہے، چاہے آپ کسی ادارے کے ساتھ، کسی مکتب کے ساتھ، کسی سوسائٹی کے ساتھ عقدِ اجارہ کریں یا نہ کریں، بحیثیت عالم کے آپ کی یہ ذمہ داری بنتی ہے کہ آپ یہ چیزیں لوگوں تک پہنچائیں، لوگوں کے عقائد کی درستگی، ان کے اعمال کی درستگی، ان کی عبادات کی درستگی، ان کی معاشرت اور اخلاق کی درستگی اور دین کے مختلف شعبوں میں آپ ان کی مختلف طریقوں سے رہنمائی کریں، یہ رہنمائی کرنا بحیثیت عالم کے آپ کا فریضہ ہے۔

مکاتب ومدارس میں خدمات انجام دینے والے علماء کی دوہری ذمہ داری

دوسرے یہ کہ آپ کسی کمیٹی کے ساتھ، مکتب کے ساتھ معاہدہ کریں گے، دو

(۱) صحيح البخاري، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا، باب مَا ذُكِرَ عَنْ بَنِي إِسْرَائِيلَ.

گھنٹے، تین گھنٹے پڑھانے کا عقدِ اجارہ کریں گے، یہ دو چیزیں ہوگئیں کہ بحیثیت عالم کے اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے آپ پر جو ذمہ داری ڈالی گئی تھی، اس کا تقاضا یہ تھا کہ آپ اس امانت کو دوسروں تک پہنچاتے اور اس کو پہنچانے میں آپ اپنی مقدور بھر کوشش میں کوئی کمی نہ کرتے، مزید براں جب آپ نے عقدِ اجارہ کرلیا تو یہ بات اب آپ پر دوسری حیثیت سے بھی لازم ہوگئی؛ اسی وجہ سے میں نے آیت پڑھی تھی:
وَالَّذِيْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ جو لوگ اپنی امانتوں اور عہد و پیمان کے تقاضوں کی رعایت کرتے ہیں، ان کو پورا کرتے ہیں۔

مکاتب ومدارس میں ہمارا غیر ذمہ دارانہ رویہ

عقدِ اجارہ کی حیثیت سے دو یا تین گھنٹے تعلیم وتبلیغ آپ کی ذمہ داری بنتی ہے، جب کہ بحیثیت عالم کے آپ کی ذمہ داری ان دو تین گھنٹوں تک محدود نہیں ہے، بلکہ ''۲۴'' گھنٹے آپ کی یہ ذمہ داری ہے؛ اس لیے کہ آپ کی حیثیت تو ایک سپاہی کی سی ہے، ملک کا جو سپاہی ہوتا ہے، وہ ملک کی سرحدوں کی حفاظت کرتا ہے اور اس کی ڈیوٹی کسی وقت کی پابند نہیں ہوتی، اس کو تو ''۲۴'' گھنٹے تیار رہنا پڑتا ہے، اسی طرح آپ کو بھی ہمہ وقت اس ذمہ داری کو پورا کرنے کے لیے ہمہ وقت تیار رہنا ہے، آپ کے لیے انتظامیہ نے جو وقت مقرر کیا ہے، اس وقت میں ایک منٹ کا بھی ہرگز ناغہ نہیں ہونا چاہیے۔

لیکن اب ہمارا یہ عام مزاج بنتا جا رہا ہے کہ ہم پانچ منٹ، دس منٹ تاخیر سے آتے ہیں، یہ تو کم سے کم مقدار ہے جو میں بتلا رہا ہوں، ورنہ حقیقت سے آپ واقف

ہیں کہ کیا ہو رہا ہے اور اتنی دیر سے آنے کے بعد ابھی تو پڑھائی کا سلسلہ شروع بھی نہیں ہوتا بلکہ باہر کھڑے رہیں گے، باتیں کریں گے، طالب علمی کے زمانے میں جو بری عادتیں ڈال رکھی تھیں، وہ اپنا اثر یہاں دکھلاتی ہیں تو اس طرح باہر دس بارہ منٹ ضائع ہو گئیں پھر اندر جانے کے بعد مزید کچھ وقت ضائع کرتے ہیں تو ویسے بھی تین گھنٹے کا مختصر سا وقت ہے اور اس میں آپ دیکھتے ہیں کہ اسکول والے بچوں کو جلد فارغ کر کے بھیجنا پڑتا ہے، آپ نہ چاہیں تب بھی لوگ اٹھا اٹھا کر لے جاتے ہیں؛ اس لیے آپ کو تو چاہیے تھا کہ آپ وقت سے کچھ پہلے مدرسے میں آ جاتے اور اپنا کام شروع کر دیتے؛ تا کہ اگر ان کے والیوں کی طرف سے وقت سے پہلے ان کو لے جانے کا مطالبہ ہو تو اس سے پہلے ہی آپ اپنا کام مکمل کر چکے ہوں۔

بغیر معاوضے کے پڑھانے کی ایک خرابی

یہ علم بھی ہمارے پاس امانت ہے، بچے بھی امانت ہیں، اس امانت میں پوری دیانت داری سے کام لینا ہے، ان کے اوپر بھر پور محنت کرنی ہے اور ''معاملہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے ساتھ ہے'' یوں سمجھ کر ہمیں کام کرنا ہے، یہ الگ بات ہے کہ یہ ایک عقدِ اجارہ ہے لیکن ایک عالمِ دین اس کو اجارہ سمجھ کر نہیں بلکہ اس علم کے تقاضوں کی وجہ سے علمی خدمات انجام دیتا ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اگر اچھی مالی حیثیت دی ہے تب تو چاہیے کہ بغیر معاوضے کے علمی خدمات انجام دے لیکن ایک بات اور کہہ دوں کہ بعض لوگ بغیر معاوضے کے پڑھاتے ہیں تو بالکل بے پروا ہو جاتے ہیں، اگر دو ہزار کی تنخواہ

ہے اور یہ تنخواہ نہیں لے رہا ہے تو گویا یوں کہتا ہے کہ ہم تو یہ تنخواہ نہیں لیتے اور ''اللہ واسطے'' یہ کام کررہے ہیں؛ اس لیے دو ہزار جتنا وقت دینا ہمارے لیے ضروری نہیں ہے، ایسا نہیں بلکہ اس سے زیادہ محنت کرنی چاہیے۔

امانت ودیانت میں کوتاہی ہمارا سب سے بڑا المیہ ہے

اس وقت ہمارے طبقے کا سب سے بڑا مسئلہ امانت ودیانت کا ہے۔ جو لوگ اداروں کو چلاتے ہیں یا بعض ادارے والے ایسی مختلف جگہوں پر مکاتب کا نظام چلاتے ہیں، جہاں اس کی ضرورت ہے تو ان کی طرف سے بار بار اس قسم کی شکایات ملتی ہیں کہ ہمارا آدمی جب وہاں پہنچا تو دیکھا کہ مکتب تو بند ہے یا کھلا ہوا ہے لیکن مولانا سو رہے ہیں اور بچے کھیل رہے ہیں، یہ سب ہماری طرف سے کوتاہیاں ہیں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ہمارے اندر اللہ تبارک وتعالیٰ کا خوف نہیں رہا، اگر آدمی یہ سمجھے کہ مجھے اپنے اللہ کو جواب دینا ہے تو یہ کوتاہیاں واقع ہی کیوں ہوں؟ ﴿وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَاْوٰى﴾ (النازعات): نفس تو ہمیں بہت کچھ کرنے کے لیے کہتا ہے لیکن آدمی کو ہر وقت اس بات کا استحضار ہونا چاہیے کہ مجھے اللہ تبارک وتعالیٰ دیکھ رہے ہیں اور مجھے اس کو جواب دینا ہے۔

ایک چرواہے کے دل میں اللہ تعالیٰ کی خشیت

حضرت عبداللہ بن عمر رَضِيَ اللّٰہُ تعالیٰ عَنْهُمَا کا واقعہ ہے کہ سفر میں جا رہے تھے اور توشہ ختم ہو گیا، بھوک لگی تو دیکھا کہ ایک چرواہا بکریاں چرا رہا ہے تو اس سے آپ

نے کہا کہ یہ بکریاں جو چر رہی ہیں، ان سے دودھ دوہ کر مجھے دے دو، مجھے بھوک لگی ہے تو اس نے جواب میں کہا کہ یہ بکریاں میری نہیں ہیں، میں تو غلام ہوں اور میرے آقا کی یہ بکریاں ہیں، مجھے چرانے کا حکم دیا ہے اور مجھے یہ اختیار نہیں دیا ہے کہ میں ان کا دودھ دوہ کر کسی کو دے سکوں؛ اس لیے نہیں دے سکتا، حضرت ابنِ عمرؓ نے اس کا یہ جواب سن لینے کے بعد سوچا کہ اس کا امتحان لینا چاہیے، چنانچہ آپ نے اس سے کہا کہ دیکھو! میں تجھے ایک بات کہتا ہوں، جس میں تیرا بھی فائدہ ہے اور میرا بھی اور وہ یہ کہ تو دس درہم میں مجھے ان میں سے ایک بکری بیچ دے۔ اس زمانے میں ایک بکری کی جو عام قیمت ہوتی تھی، یہ رقم اس سے بھی زیادہ تھی۔ اس میں میرا فائدہ تو یہ ہے کہ میں اس کا دودھ دوہ کر اپنی ضرورت پوری کروں گا اور تیرا فائدہ یہ ہے کہ تجھے دس درہم مل جائیں گے، رہا آقا تو اگر وہ پوچھے کہ بکری کا کیا ہوا؟ تو بتا دینا کہ بھیڑیا کھا گیا۔

خدا ایسے احساس کا نام ہے، رہے سامنے اور دکھائی نہ دے

اس زمانے میں ایسا ہوتا تھا کہ بھیڑیئے حملہ آور ہوتے تھے اور بکریوں کے ریوڑ میں سے بکریوں کو اٹھا کر لے جاتے تھے، یہ سن کر کے وہ چرواہا کہتا ہے: يَاهٰذا! فَأَيْنَ اللهُ؟: اے اللہ کے بندے! پھر اللہ کہاں گیا؟ یعنی اللہ تو دیکھ رہے ہیں۔ حضرت ابنِ عمر رَضِيَ اللّٰہُ تعالیٰ عَنْهُمَا اس کا یہ جواب سن کر اتنے مسرور ہوئے، اتنے خوش ہوئے کہ آپ بڑی لذت کے ساتھ کہا کرتے تھے کہ ایک چرواہا جنگل کی تنہائیوں کے اندر یہ کہہ رہا ہے: يَاهٰذا! فَأَيْنَ اللهُ؟(۱)۔ آج اگر یہ کیفیت اور احساس ہم کو حاصل

---

(۱) شعب الإيمان، بَابٌ فِي الْأَمَانَاتِ وَمَا يَجِبُ مِنْ أَدَائِهَا إِلَى أَهْلِهَا، عَنْ نَافِعٍ.

ہو جائے تو کبھی اللہ کی نافرمانی ہم سے صادر نہیں ہوسکتی اور ہم پر کسی نگراں کی ضرورت بھی نہیں پڑے گی۔ ہم خود ہی اپنی ذمہ داری کو امانت سمجھ کر ادا کریں گے۔

طلبہ کے ساتھ حسنِ سلوک ضروری ہے

اور پھر بچوں کے ساتھ بھی شفقت اور مہربانی کے ساتھ پیش آئیں، ان کو سزا دینے میں حد سے آگے بڑھ جانا، ان پر بے جا سختی، یہ ساری شکلیں جو ہمارے یہاں پائی جاتی ہیں، ان سے بھی اپنے آپ کو دور رکھنے کی ضرورت ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق حضرت عائشہ رَضِيَ اللّٰہ تعالیٰ عَنْہا فرماتی ہیں کہ آپ نے کسی کو نہیں مارا، نہ کسی جانور کو نہ کسی غلام کو، نہ کسی عورت کو[۲]۔ اللہ تبارک وتعالیٰ قرآن میں فرماتے ہیں:

﴿فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ﴾ (آل عمران: ۱۵۹): اے نبی! اللہ کی رحمت ہی ہے کہ آپ ان کے حق میں بڑے نرم واقع ہوئے ہیں، اگر آپ سخت دل اور بدمزاج ہوتے تو یہ لوگ آپ کے پاس سے چلے جاتے۔ کون چھوڑ کر چلے جاتے؟ کون تھے آپ کے آس پاس؟ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم أجمعین، حالاں کہ صحابہ تو آپ کے عاشقِ زار تھے پھر بھی اللہ تبارک وتعالیٰ یہ فرماتے ہیں کہ اگر آپ کے اندر سختی ہوتی تو یہ جو آپ کے ساتھ لگے لپٹے ہیں، وہ آپ کے پاس نہ رہتے۔ پھر بتایئے کہ ہم اپنے زمانے میں کیسے سختی کے ساتھ کام کر سکتے ہیں! اس لیے اس سلسلے میں انتہائی سمجھ داری سے کام لینا چاہیے۔

---

(۲) صحیح مسلم، باب مُبَاعَدَتِهِ - صلى الله عليه وسلم - لِلآثَامِ وَاخْتِيَارِهِ مِنَ الْمُبَاحِ أَسْهَلَهُ وَانْتِقَامِهِ لِلَّهِ عِنْدَ انْتِهَاكِ حُرُمَاتِهِ.

مدرس بچوں کو طعن و تشنیع کرنے سے اجتناب کرے

بہت سے لوگ پرانے زمانے کی باتیں کرتے ہیں کہ الضربُ للصبیان کالماءِ فی البستان کہ بغیر مار کے علم آنے والا نہیں۔ یہ ساری باتیں بھول جاؤ اور محبت سے پڑھاؤ، تبھی آپ سے بچے مانوس ہو کر علم حاصل کریں گے اور پھر بچوں کے ساتھ بولنے کے معاملے میں بھی طعن و تشنیع سے کام لیتے ہیں، ہمارے یہاں مکاتب میں یہ بھی ایک بہت برا سلسلہ ہے، مدرس جو چاہے بچوں کو بول دیتا ہے جن کو ان معصوم بچوں کے دل گوارا نہیں کرتے، یہ چیز بچوں کے دل میں استاذ کے خلاف نفرت کا جذبہ پیدا کر دیتی ہے، اس کو استاذ سے دور کر دیتی ہے اور یہ چیز اس کو علم سے محروم کرتی ہے تو علم سے محرومی کا ذریعہ ہم بنے، حالاں کہ یہ بچے ہی تو ہماری دولت اور سرمایہ ہیں، اگر یہ پڑھ لیں گے تو ہمارے لیے صدقۂ جاریہ بنیں گے لیکن ان بچوں پر سختیاں کر کے ہم اپنے ہی پاؤں پر کلہاڑی مارتے ہیں؛ اس لیے اس سے بھی اپنے آپ کو بچانے کی بہت زیادہ ضرورت ہے۔

حصولِ علم کے لیے کوئی عمر متعین نہیں ہے

پھر یہ فکر بھی ضروری ہے کہ کس طرح بچے کی سمجھ میں جلد سے جلد بات آ جائے، ایسی ہر شکل کو اختیار کرے۔ آج کل تعلیمی لائن سے بھی نئے نئے تجربے ہو رہے ہیں، تحقیقات ہو رہی ہیں، اللہ تعالیٰ کے بندے نئے نئے انداز ایجاد کر رہے ہیں اور بتلا بھی رہے ہیں، اس کے لیے باقاعدہ تربیتی کیمپ لگتے ہیں، اب بعض حضرات کو جب اس طرف متوجہ کیا جاتا ہے تو ان کی زبان سے جو جملے سنتے ہیں، وہ ناقابلِ بیان ہوتے

ہیں، کہتے ہیں: ''اتنے برس جو ہم نے مدرسے میں نکالے تو کیا گھاس کاٹی'' یہ صحیح نہیں ہے، علماء کی شان کے مناسب نہیں ہے۔

عبرت نشاں و چشم کشا

آپ دیکھیے کہ آپ کے بھروچ کے اندر ایک بڑا ڈاکٹر ہے: ماہرِ امراضِ چشم، آئی اسپیشیالسٹ (eye specialist) سارا بھروچ اس کی طرف رجوع کرتا ہے، آپ کبھی اخبار کے اندر پڑھیں گے کہ وہ اشتہار دیتا ہے کہ فلانے ڈاکٹر صاحب جو آئی اسپیشیالسٹ ہیں، مزید ٹریننگ (training) کے لیے دو مہینے کے لیے امریکہ جا رہے ہیں تو ایک تو ٹریننگ حاصل کرنے کے لیے گیا اور مزید براں اخبار میں بھی دیا، وہ یہ نہیں سوچتا کہ اگر میں اخبار میں دوں گا تو لوگ میرے متعلق کیا سوچیں گے کہ اس ''بدھو'' کو کچھ آتا نہیں تھا کہ اخبار میں اس طرح کا اشتہار دے رہا ہے بلکہ اس کو اپنے لیے فخر سمجھتا ہے، عجیب معاملہ ہے کہ دنیا دار تو اس معاملے میں اتنا آگے ہیں اور ہم دین کے متوالے ہو کر ایسا رویہ اختیار کرتے ہیں! حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد تو یہ ہے: الکَلِمَةُ الحِکْمَةُ ضَالَّةُ الْمُؤْمِنِ، فَحَيْثُ وَجَدَهَا فَهُوَ أَحَقُّ بِهَا[1]: سمجھ داری کی بات یعنی اچھی چیز مؤمن کی گم شدہ پونجی ہے، جہاں ملے گی، وہ اس کا زیادہ حق دار ہے۔

شکایت ہے مجھے یا رب! خداوندانِ مکتب سے

بھائی! آپ کا قلم کھو گیا، آپ راستے سے جا رہے تھے اور دیکھا کہ آپ کا

[۱] سنن الترمذی، عَنْ أَبِی هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ، باب مَا جَاءَ فِی فَضْلِ الْفِقْهِ عَلَى الْعِبَادَةِ.

وہی قلم وہاں گرا ہوا ہے تو کیا آپ اس کو اٹھانے کے لیے کسی کو پوچھیں گے؟ بلکہ فوراً جھپٹ کر لے لیں گے، اگر کوئی رکاوٹ ڈالے گا تو اس سے لڑیں گے۔ آپ یوں سمجھتے ہیں کہ یہ میرا ہے پھر کسی سے پوچھنا کیا معنی رکھتا ہے تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہماری یہ رہنمائی فرما رہے ہیں کہ اس طرح کی اچھی باتیں، عمدہ چیزیں ہماری گم شدہ پونجی ہے، جہاں کہیں نظر آئے تو کسی سے پوچھنے کی ضرورت نہیں ہے، جھپٹ کر کے لے لو تو یہ پڑھنے پڑھانے کے مختلف طریقے اور انداز ہیں، ان کو بھی اختیار کرو، ہر ایک کو آزماؤ، چاہے نورانی قاعدہ والا طریقہ ہو یا کوئی اور، اس کو سیکھنے میں کتنا زمانہ لگتا ہے؟ چار، پانچ روز میں سیکھ لیں گے، ہم ان سبھی مختلف تعلیمی طریقوں کو مختصر وقت میں حاصل کر سکتے ہیں پھر آپ ان مختلف طریقوں کو اپنے بچوں کی صلاحیت دیکھ کر اس کے مطابق پڑھائیں، آپ دیکھیں کہ فلاں بچہ اس طریقے سے اچھی طرح پڑھ سکتا ہے تو اس کو اس طریقے سے پڑھایئے، دوسرا اس طریقے سے نہیں چل سکتا تو اس کے لیے اس کے مناسب دوسرا طریقہ اختیار کیجیے الغرض: آپ کو تو یہ شوق ہونا چاہیے کہ میں اپنے بچوں کو کسی بھی طرح پڑھاؤں لیکن آج یہ مزاج ختم ہو گیا، آج تو کہتے ہیں کہ یہ کیا مصیبت ہے، جلدی جاوے تو اچھا! ہمارا ہی مزاج اگر ایسا بن جائے گا تو کیا ہوگا!

استاذ کے دل میں طلبہ کا درد وغم ہونا چاہیے

ہمیں ان بچوں کا خیر خواہ بننا ہے، ان کے غم میں گھلنا ہے، ﴿فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ عَلٰٓي اٰثَارِهِمْ اِنْ لَّمْ يُؤْمِنُوْا بِهٰذَا الْحَدِيْثِ اَسَفًا﴾ (الکہف): اللہ تبارک

وتعالیٰ نے نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ کیفیت بیان فرمائی کہ اے نبی! کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ ایمان نہ لائیں، اس غم میں آپ اپنی جان دے بیٹھیں۔ ہم علماء نبی کے وارث ہیں تو ہمارا مزاج بھی ایسا ہونا چاہیے کہ یہ بچہ نہیں سمجھ رہا ہے، حالاں کہ اتنی کوشش کر رہا ہوں تو اس غم میں اپنی جان دے ڈالنی چاہیے اور یہاں تو اس کی کوئی پرواہی نہیں، جب تک وہ کیفیت نہیں آئے گی، اس وقت تک ہم اپنے اس فریضے کو انجام نہیں دے سکیں گے؛ اس لیے یہ کیفیت پیدا کرنے کی ضرورت ہے، یہ تو بچوں کی تعلیم وتربیت کے سلسلے میں بات ہوئی۔

بحیثیت امام کے ایک عالم کی ذمہ داریاں

آپ ایک دوسرا محاذ سنبھالے ہوئے ہیں امامت کا، اس نسبت سے آپ کا تعلق عوام کے ساتھ ہے، ان عوام کی دینی رہنمائی بھی آپ کی ذمہ داری ہے، بزرگانِ دین کہتے ہیں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ایک عالم کو، ایک امام کو ایسا مقام دیا ہے جو دنیا میں کسی کو حاصل نہیں ہے، آپ جہاں نماز پڑھا رہے ہیں، جمعہ کے دن وہاں مسجد بھری ہوئی ہوتی ہے، آپ صرف دس منٹ کی مختصر سمجھ داری والی بات کریں، ماقَلَّ و دَلَّ، کوئی لمبی چوڑی تقریر کی ضرورت نہیں۔ یہ جو تقریر میں ایران توران کی ہانکتے ہیں، قصے بیان کرتے ہیں، اس کی بالکل ضرورت نہیں، اس دور کے لوگ ان چیزوں کے بالکل متحمل نہیں ہیں، یہ پڑھا لکھا طبقہ آپ کے پاس نماز پڑھنے کے لیے آتا ہے، آپ ایسے بے سروپا قصے بیان کریں گے تو وہ کہیں گے کہ یہ مولانا کیا کہہ رہے ہیں!

بارِ خاطر بار ہوتی ہے بے جا گفتگو

پھر بعض حضرات تو اتنی لمبی تقریر کرتے ہیں کہ جس کی کوئی انتہا نہیں اور پھر اس مسجد کے مصلی دوسری مسجد میں جانے کی بات کرتے ہیں۔ آپ شہر میں رہتے ہیں جہاں کے لوگ سرکاری ملازم ہوتے ہیں، کمپنیوں میں کام کرنے والے ہوتے ہیں، ایک مختصر سا وقت لے کر نماز کے لیے آتے ہیں، ان کے سامنے آپ ایسے لمبے چوڑے بیانات کریں گے تو وہ اس کو کیسے برداشت کر سکتے ہیں؛ اس لیے عالم تو وہ ہے جو ہر چیز کو دیکھے اور وقت کے تقاضوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے کام کرے، بس دس منٹ کی مختصر بات ہو لیکن وہ بات اتنی عمدہ ہو کہ لوگ اس سے کچھ سیکھ کر کے جائیں، آپ اس کی پہلے سے تیاری کریں اور اپنے ساتھیوں سے مشورہ کر کے اس کا باقاعدہ نظام بنائیں۔

لوگوں کو نماز وغیرہ امورِ دین سکھانے کو معیوب نہ سمجھا جائے

یہ تو جمعہ کی بات ہوئی، اس کے علاوہ روزانہ کے جو پانچ وقت کے مصلی ہیں، ان پر بھی آپ کی محنت ہونی چاہیے کہ ان کا قرآن صحیح ہے یا نہیں، ان کی نماز صحیح ہے یا نہیں۔ آپ کم از کم ہفتے میں ایک مجلس کا انتظام کریں، چاہے وہ آدھ پون گھنٹے ہی کی کیوں نہ ہو، آپ اس مجلس میں مصلیوں کو نماز کی ترتیب بتائیں کہ نماز کس طرح پڑھی جاتی ہے، نماز میں پڑھے جانے والے اذکار: تشہد درود، سورۂ فاتحہ وغیرہ سکھائیں، آج تو ان چیزوں کے سکھانے کو -نعوذ باللہ- اپنے درجے سے نیچے کی، کم درجے کی چیز سمجھی جاتی ہے، بخاری شریف میں واقعہ ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ تو پانی منگوا کر لوگوں

کو وضو کر کے بتلاتے تھے، حضرت علی رضی اللہ عنہ پانی منگوا کر لوگوں کو وضو کر کے بتلاتے تھے، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ جیسے جلیل القدر صحابی کہتے ہیں: أَلاَ أُصَلِّي بِكُمْ صَلاَةَ رَسُولِ اللَّهِ صلی اللہ علیہ و سلم: کیا میں تمھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم والی نماز پڑھ کر نہ دکھلاؤں؟ یہ اتنے بڑے بڑے حضرات جو نہ صرف بڑے عالم بلکہ اپنے وقت کے حکمران بھی ہیں، وہ تو ان چیزوں کو سکھانے کا اتنا اہتمام کرتے ہیں اور ہم نے اس کی ذمہ داری لے رکھی ہے پھر بھی اس کی طرف توجہ نہ کریں، یہ سوچنے کی چیز ہے۔

ائمہ درسِ قرآن وحدیث قائم کرنے کا بھی اہتمام کریں

پھر جو باصلاحیت حضرات ہیں، ان کو چاہیے کہ درسِ حدیث یا درسِ قرآن کا حلقہ بھی محض اللہ کے واسطے قائم کریں؛ تا کہ لوگ قرآن سے جڑیں، حدیث سے جڑیں، آج کل تو ایسی بے شمار کتابیں شائع ہو چکی ہیں جن سے اس سلسلے میں استفادہ کیا جا سکتا ہے اور یہ جو درسِ قرآن کا حلقہ ہوگا، یہ کوئی دو چار گھنٹے کا نہیں بلکہ آدھا گھنٹہ، بیس منٹ کا حلقہ ہفتے میں لگائیں، اسی طرح ریاض الصالحین سے یا مشکوۃ شریف سے کوئی مختصر سی حدیث لے کر نصیحت کریں، اس کے لیے بھی بہت ساری کتابیں موجود ہیں تو اس کا اہتمام وانتظام ہونا چاہیے؛ تا کہ لوگوں کو ان چیزوں کے ساتھ مناسبت ہو۔

فرقِ باطلہ کی طرف لوگوں کے مائل ہونے کی ایک وجہ

آج گمراہ فرقے والے اس طرح کی مجلسیں باقاعدہ قائم کرتے ہیں، ان کی مجلسوں میں جب لوگ جاتے ہیں تو ہم ان کو روکتے ہیں کہ وہاں مت جاؤ، وہاں گمراہی

کی باتیں ہوتی ہیں تو ایک طرف تو ہم یہ کہتے ہیں اور دوسری طرف ہم ان لوگوں کے سامنے اس کا کوئی بدل پیش نہیں کرتے تو یہ تو ٹھیک بات نہیں پھر لوگ یہی کہتے ہیں کہ یہ لوگ ہم کو وہاں جانے سے روکتے ہیں اور خود ہمارے لیے ایسی کسی مجلس کا انتظام نہیں کرتے، اگر ہم انھیں اس کا بدل دیں گے تو لوگ خود ہی ان کو چھوڑ کر ہمارے پاس آئیں گے۔

ہم میدانِ عمل کو کبھی خالی نہ چھوڑیں

آج کل تو انٹرنیٹ پر طرح طرح کی باتیں آتی ہیں، فرحت ہاشمی پاکستان کی ایک عورت ہے، وہ انٹرنیٹ پر قرآن کی تفسیر کرتی ہے، ہمیں کسی نے سنایا کہ سورت کے اندر کسی نے پمفلیٹ تقسیم کیے کہ اس کی تفسیر کو سننے کا اہتمام کیا جائے، حالاں کہ وہ ایک گمراہ عورت ہے۔ حضرت مفتی محمد تقی صاحب عثمانی دامت برکاتھم کے فتاوی میں ہے، کسی نے اس کے متعلق فتوی پوچھا تھا تو حضرت نے اس کی گمراہیوں کو واضح بھی کیا تھا لیکن یہ سب کب ہوتا ہے؟ یہ اس وقت ہوتا ہے، جب میدان خالی ہوتا ہے، ہم نے میدان کو خالی چھوڑ رکھا ہے تو ان لوگوں کو اس میں دندنانے کا موقع ملتا ہے؛ اس لیے ہم لوگوں کے لیے ضروری ہے کہ اپنی اپنی جگہوں پر رہتے ہوئے ان سلسلوں کو جاری کریں۔

عوام میں پھیلائی جانے والی غلط فہمیوں کا ازالہ بھی ائمہ اور علماء کی ذمہ داری ہے

اور وقت کے جو مسائل ہیں، ان کا بھی علم رکھیں، یہ جو میڈیا ہے، چاہے پرنٹ میڈیا ہو یا الیکٹرانک میڈیا ہو، یہ موقع بموقع مسلمانوں کے دلوں میں اسلامی احکام

وشعائر کی طرف سے شکوک وشبہات پیدا کرنے کے لیے نئے نئے شوشے چھوڑتے رہتے ہیں، آپ اخبارات کے اندر پڑھتے ہیں کہ دارالعلوم دیوبند نے یہ فتوی دیا، فلانے مدرسے نے یہ فتوی دیا، اب ان کو فتاوی سے کیا لینا دینا ہے؟ لیکن ان کا مقصد لوگوں کو اسلام کی طرف سے متنفر کرنا، شکوک وشبہات میں مبتلا کرنا ہوتا ہے؛ اس لیے وہ ان فتاویٰ کو غلط انداز میں پیش کرتے ہیں؛ تاکہ لوگ علماء سے کٹ جائیں تو ان چیزوں سے بھی آپ کو بہت زیادہ چوکنا رہنے کی ضرورت ہے، اگر ایسی کوئی چیز آپ پڑھیں اور آپ کی سمجھ میں نہ آئے تو بڑے علماء کی طرف رجوع کریں، یہاں شہر میں بڑا مدرسہ ہے: ماٹلی والا ہے، قریب میں کنتھاریہ کا مدرسہ ہے، اور بھی مدرسے ہیں تو اگر ایسی کوئی چیز اخبار میں آوے تو آپ فوراً ''۵۰'' پیسے کا کارڈ لکھ کر بھی دارالافتاء سے اس کا حل طلب کر سکتے ہیں، اس کے ساتھ جوابی کارڈ بھی رکھ دیں، ایک روپیہ لگے گا، اس کی کیا حیثیت ہے؟ اور اب تو فون کر کے بھی معلوم کر سکتے ہیں تو ان سے رجوع کیجیے اور اس سلسلے میں اپنا اطمینان کرنے کے بعد پھر آپ اپنے منبر سے لوگوں کے سامنے اس کی وضاحت کیجیے۔

باطل پرستوں کی فعالیت اور ہمارا غیر ذمہ دارانہ رویہ

سورج گرہن ہوا تو سورج گرہن کے متعلق کئی دن پہلے سے اخبارات میں آ رہا ہے کہ فلاں روز سورج گرہن ہے، اب آپ اخبارات میں دیکھتے ہیں کہ باطل مذہب والے، ہندو مذہب والے اس کے متعلق دو چار روز پہلے سے دیتے ہیں کہ اس

دن فلاں قسم کا ''اِسنان'' کرو، یوں کرو اور یوں کرو۔ وہ تو ان غلط چیزوں کو اپنے لوگوں میں پھیلا رہے ہیں اور ان کو شرم نہیں آتی اور ہم نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات کو لوگوں کے سامنے پیش نہ کریں تو یہ ہمارے لیے کتنی بڑی غیرت کی بات ہے؛ اس لیے اس کی فکر کریں۔

ائمہ اور مکاتب کے خدّام تبلیغی کاموں میں بھی حصہ لیں

اللہ تبارک وتعالیٰ نے دین کی خدمت کا یہ موقع ہمیں دیا ہے تو یہاں بہت سارے میدان ہیں، ان سارے میدانوں میں کام کرنے کی ضرورت ہے، اپنی جگہ پر رہتے ہوئے دعوت وتبلیغ کا کام بھی کریں۔ جو حضراتِ علماء مدارسِ عربیہ میں خدمات انجام دیتے ہیں، وہ تو اپنی جگہ پر ایسے مشغول ہیں کہ ان کو تو سر کھجانے کی فرصت نہیں ہوتی لیکن جو حضرات مکاتب میں خدمات انجام دیتے ہیں تو دو تین گھنٹے کی تعلیم ہوتی ہے، کوئی لمبا چوڑا مطالعہ بھی کرنا نہیں ہوتا، باقی وقت فارغ ہے۔ اب فارغ وقت میں یہ صاحب اس کی دوکان پر جا کر بیٹھے ہیں، درزی کے دوکان پر جا کر بیٹھے ہیں، وہاں جا کر اخبار پڑھتے ہیں، اور یہاں محلے میں دعوت وتبلیغ کا کام ہو رہا ہے، اس میں دل چسپی نہیں لیتے، یہ غلط طریقہ ہے، یہ ہماری عالمانہ شان کے خلاف ہے، یہ بھی ہماری ذمہ داری ہے، اس میں حصہ لیں، دل چسپی لیں اور خاص کر کے مقامی کام میں آپ جس قدر زیادہ تقویت پہنچا سکتے ہیں، اس سے دریغ نہ کریں، چاہیں آپ باہر نہ جائیں، ساتھیوں سے کہہ دیں کہ بھائی میں تو مقامی کام میں بھرپور حصہ لوں گا لیکن میرے اس

فرضِ منصبی کی وجہ سے میرے لیے باہر جانا ممکن نہیں؛ اس لیے آپ مجھ پر بلا وجہ زور مت دینا۔

ہم اپنی ذات کی بھی فکر کریں

بہر حال! آپ اس مقامی کام میں خوب حصہ لیں، تعاون کریں، لوگوں کو متوجہ کریں، یہ بہت ساری چیزیں ہیں جن کی طرف آپ توجہ کریں گے تو إن شاء اللہ بڑا فائدہ پہنچے گا، آپ کی ذمہ داری بھی پوری ہوگی اور اس کے ساتھ اخیر میں ایک بات یہ عرض کروں گا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے ساتھ اپنا تعلق قائم کرنے کے لیے اپنے معمولات کا اہتمام کریں۔ ذرا آپ اپنے دل میں سوچ لیجیے کہ روزانہ آپ قرآن کی کتنی مقدار کی تلاوت کرتے ہیں، ویسے بچوں کو تو قرآن پڑھا رہے ہیں لیکن آپ کی تلاوتِ قرآن کی روزانہ کی مقدار کتنی ہے، بڑا مجمع یہاں بیٹھا ہے، ہر ایک اپنے دل سے پوچھ لے، جو حفاظِ کرام ہیں، اگر ان سے تنہائی میں پوچھیں گے اور وہ اگر سچا جواب دیں گے تو کہیں گے کہ آدھا پارہ پڑھنے کی توفیق بھی نہیں ہوتی، بعض تو وہ ہیں جو ایک رکوع بھی نہیں پڑھتے، یہ حال تو تلاوت کا ہے۔

ہم تلاوتِ کلامِ پاک اور تسبیحات کا بھی ایک معمول بنائیں

پھر تسبیحات کی پابندی ہے: تیسرا کلمہ، درود شریف، استغفار اور اس کے علاوہ فضائلِ ذکر میں ایسے بہت سے کلمات ہیں جن کی فضیلت حدیث میں بتلائی گئی ہے، خود آپ نے حدیثوں کے اندر اس کو پڑھ رکھا ہے، کیا آپ صبح وشام ان تسبیحات کا

اہتمام کرتے ہیں؟ کیا یہ صرف عوام کے لیے ہے؟ ﴿یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِیْرًا وَّسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّاَصِیْلًا﴾ (الأحزاب): اہلِ ایمان کو خطاب کیا گیا ہے، کیا ہم اور آپ اہلِ ایمان نہیں ہیں؟ تو یہ بھی ہماری ذمی داریاں ہیں تو قرآنِ پاک کی تلاوت، تسبیحات اور تہجد کی نماز ہے، ان ساری چیزوں کا اہتمام کریں، ہر ہر عالم کے لیے ضروری ہے کہ روزانہ کا اپنا نظام الاوقات بنائے، جو حافظ نہیں ہے، وہ لازم کرلیں کہ میں کم سے کم ایک پارہ کی روزانہ تلاوت کروں گا اور جو حافظ ہیں، وہ اپنے لیے یہ لازم کرلیں کہ میں کم سے کم تین پاروں کی روزانہ تلاوت کروں گا اور اللہ تعالیٰ توفیق دے تو زیادہ کی بھی کروں گا، بہت سے ہیں جو روزانہ ایک منزل، دس پارے، پورا قرآن بھی پڑھ لیتے ہیں، حضراتِ صحابہ میں جو حافظ تھے وہ اسی کا اہتمام کرتے تھے۔

ہم تو مائل بہ کرم ہیں، کوئی سائل ہی نہیں

اس کے علاوہ نمازوں کے بعد کی تسبیحات اور دعاؤں کا بھی اہتمام کریں، آج تو نمازوں کے بعد دعاؤں کا بھی اہتمام نہیں رہا کہ سلام پھیرا اور بھاگ گئے، دو منٹ کے لیے دعا کی بھی فرصت نہیں ملتی، ساری دنیا کے سامنے اپنے شکوے کرتے رہیں گے کہ میرا یہ مسئلہ ہے، بیٹا بیمار ہے، فلاں تکلیف ہے لیکن اللہ تعالیٰ کے سامنے مانگنے کی توفیق نہیں ہوتی، جو اللہ سے نہیں مانگتا وہ اسی طرح در در کی ٹھوکریں کھاتا رہتا ہے؛ اس لیے ضروری ہے کہ دعا والے بنو۔

اپنے دینی کام میں تاثیر پیدا کرنے کا نسخہ

اس کے علاوہ نوافل میں جو خاص خاص نوافل ہیں: اشراق اور چاشت کی نماز، اوابین اور صلوٰۃ التسبیح وغیرہ، اگر ان کی پابندی آپ سے ہوسکے تو ان کا بھی ضرور اہتمام ہونا چاہیے تو ہر عالمِ دین کے اندر ان امور کا ہونا ضروری ہے، اگر کسی عالم کے اندر یہ باتیں نہیں ہیں تو اس کے کام کے اندر جان نہیں پڑے گی، میں اور آپ اگر دینی امور میں جان پیدا کرنا چاہتے ہیں تو اس کا اہتمام ضروری ہوگا۔

اللہ تبارک وتعالیٰ مجھے اور آپ کو اس کی توفیق اور سعادت عطا فرمائے۔ (آمین)

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔

علمائے کرام اور مکاتب ومدارس
کے مدرسین کی ذمہ داریاں (۲)

اقتباس

ہماری فکر بدل گئی، سوچ بدل گئی، آج ہم نے تن خواہ کو اپنا مقصود بنالیا، اسی لیے با قاعدہ تن خواہ میں اضافے کے لیے لڑائیاں ہوتی ہیں، جھگڑے ہوتے ہیں، اللہ تبارک وتعالیٰ سے مانگو۔ تن خواہ کی زیادتی مقصود نہیں ہے، اصل تو برکت مقصود ہے، برکت کا مطلب کیا ہے؟ برکت کا مطلب ہے کہ ہماری ضرورتیں تھوڑے میں بھی پوری ہوجائیں اور بے برکتی کا مطلب یہ ہے کہ بہت کچھ ہو پھر بھی ضرورتیں پوری نہ ہوں۔ یہ اسکول کے جو ٹیچر ہوتے ہیں، ان کی کتنی تن خواہ ہوتی ہے؟ ''۱۵'' ہزار، ''۲۰'' ہزار لیکن آپ دیکھتے ہوں گے کہ جن مولویوں کے ساتھ ان کے تعلقات ہوتے ہیں تو وہ مہینے کے آخر میں مولویوں سے قرضہ مانگتے ہیں کہ مولوی صاحب! کچھ قرضہ دو! اب مولوی کی تن خواہ ہے، دو ہزار، تین ہزار اور اس کی تن خواہ ہے ''۲۰'' ہزار لیکن وہاں برکت نہیں ہے، برکت کا مطلب یہ ہے کہ کم میں ہماری ضرورتیں پوری ہوجائیں۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

الحمد لله نحمده و نستعينه و نستغفره و نؤمن به و نتوكل عليه و نعوذ بالله من شرور انفسنا و من سيئات اعمالنا، و نعوذ بالله من شرور انفسنا و من سيئات اعمالنا، و نعوذ بالله من شرور انفسنا و من سيئات اعمالنا، من يهده الله فلا مضل له، و من يضلله فلا هادي له، و نشهد أن لا إله إلا الله وحده لا شريك له و نشهد أن سيدنا و مولانا محمدا عبده و رسوله، أرسله إلى كافّة الناس بشيرا و نذيرا، و داعيا إلى الله بإذنه و سراجا منيرا، صلى الله تعالىٰ عليه و على آله و أصحابه و بارك و سلّم تسليما كثيرا كثيرا، أما بعد:

فَاَعُوْذُ بِاللهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ بسم الله الرحمن الرحيم: ﴿مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَیْهِ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰی نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ مَّنْ یَّنْتَظِرُ وَمَا بَدَّلُوْا تَبْدِیْلًا﴾ [الأحزاب:۲۳] وقال تعالىٰ: ﴿وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ اَئِمَّةً یَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا لَمَّا صَبَرُوْا وَكَانُوْا بِاٰیٰتِنَا یُوْقِنُوْنَ﴾ [السجدة:۲٤]

مجلسِ ہٰذا کے انعقاد کا مقصد

حضراتِ علمائے کرام! آج کی اس مجلس میں مَیں آپ کو کوئی نصیحت کروں، نہ میں اس کا کوئی ارادہ لے کر آیا ہوں، نہ مَیں اس کا اہل ہوں، ہمارا یہ طبقہ، ہمارا یہ گروہ، ہماری یہ جماعت آپس میں بیٹھ کر کے اپنے کام کرنے کی نوعیت، کام کرنے کے طریقوں کے بارے میں مذاکرہ کریں اور اس سلسلے میں ہماری طرف سے اگر کوئی کوتاہی اور

کمزوری ہے تو اس کا محاسبہ، اس کا احساس اور آئندہ اس کی اصلاح کے لیے کوشش، یہ ساری چیزیں حاصل کرنے کے لیے ہم آپس میں بیٹھ کر ایک مذاکرہ کریں۔ یہ مجلسِ مذاکرہ ہے، اسی نیت سے مَیں چند باتیں آپ حضرات کی خدمت میں پیش کرتا ہوں۔

دنیوی نعمتوں کی عطا میں اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے کوئی بندش نہیں ہے

سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے جس عظیم نعمت سے ہمیں نوازا ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ کی اس نعمت کا استحضار ہمیں ہر وقت رہنا چاہیے۔ وہ نعمت کیا ہے؟ تو وہ دین کی نعمت ہے جو اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہمیں عطا فرمائی۔ اللہ تبارک وتعالیٰ دنیا کی نعمتیں تو ہر ایک کو عطا فرماتے ہیں، چاہے وہ اللہ کا دشمن ہو یا دوست ہو، مؤمن ہو یا کافر ہو، مخلص ہو یا منافق ہو، ﴿كُلًّا نُّمِدُّ هٰٓؤُلَاۤءِ وَهٰٓؤُلَاۤءِ مِنْ عَطَاۤءِ رَبِّكَ وَمَا كَانَ عَطَاۤءُ رَبِّكَ مَحْظُوْرًا﴾ [الإسراء:۲۰] باری تعالیٰ فرماتے ہیں کہ: ہر ایک کو، چاہے وہ اہلِ ایمان ہو یا اہلِ کفر ہو، ہم ہر ایک کو نوازتے ہیں اور اللہ تبارک وتعالیٰ کی جو یہ دنیا کی نعمتیں ہیں جو اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس کائنات میں پیدا فرمائی ہیں، اس کی کسی پر بندش نہیں ہے، ہر ایک فائدہ اٹھاتا ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے باغی بندوں کو دنیوی نعمتوں سے زیادہ ہی نوازتے ہیں

اور دنیا کی دولت بھی اللہ تبارک وتعالیٰ دوست دشمن دونوں کو عطا فرماتے ہیں

بلکہ قرآنِ پاک میں سورۂ زخرف میں ہے: ﴿وَلَوْلَآ اَنْ یَّکُوْنَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً لَّجَعَلْنَا لِمَنْ یَّکْفُرُ بِالرَّحْمٰنِ لِبُیُوْتِهِمْ سُقُفًا مِّنْ فِضَّةٍ وَّمَعَارِجَ عَلَیْهَا یَظْهَرُوْنَ وَلِبُیُوْتِهِمْ اَبْوَابًا وَّسُرُرًا عَلَیْهَا یَتَّکِئُوْنَ﴾ [الزخرف:۳۴] کہ: اگر یہ اندیشہ نہ ہوتا کہ سارے لوگ ایک ہی طرف چل پڑیں گے، ایک جیسے ہوجائیں گے، یہ کمزور ایمان والے اپنے ایمان کی کمزوری کی وجہ سے کافروں کو اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے دنیا کی جو نعمتیں دی جارہی ہیں، ان کو دیکھ کر شاید یہ سوچنے لگیں کہ ان کو اللہ تبارک وتعالیٰ کی نعمتوں کا ملنا ان کے اللہ کے یہاں مقبول ہونے کی اور عند اللہ محبوب ہونے کی علامت ہے، یہ سوچ کر وہ بھی ان کے پیچھے چل پڑیں، یہ اندیشہ نہ ہوتا تو ان کافروں کو ہم اتنا دیتے کہ ان کے گھروں کی چھتیں اور ان کے مکانات کے زینے اور سیڑھیاں جس سے وہ چڑھتے ہیں اور ان کے گھروں کے دروازے اور ان کی مسہریاں اور پلنگ جس پر وہ آرام کرتے ہیں، یہ سب سونے اور چاندی کے ہوتے لیکن ہماری ایمانی کمزوری کی وجہ سے، اس کی رعایت کرتے ہوئے ان کے ساتھ اس قدر زیادہ دادودہش کا معاملہ نہیں کیا گیا، اللہ کے خزانے تو بھرے ہوئے ہیں۔

دنیوی نعمتوں میں کافروں کی لوٹ پوٹ تمھیں دھوکے میں نہ ڈالے

﴿لَا یَغُرَّنَّكَ تَقَلُّبُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا فِي الْبِلَادِ مَتَاعٌ قَلِیْلٌ ثُمَّ مَاْوٰهُمْ جَهَنَّمُ وَبِئْسَ الْمِهَادُ﴾ [ال عمران]: یہ جو اہلِ کفر ہیں، ان کا اس طرح اللہ تبارک وتعالیٰ کی نعمتوں میں آنا جانا، لوٹ پوٹ ہونا تمھیں دھوکے میں نہ ڈالے، مَتَاعٌ قَلِیْلٌ: بس چند

دنوں کا فائدہ اٹھانا ہے۔ دنیا کو قرآن میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے بھی اور حدیث میں نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی متاع فرمایا ہے۔

متاع کی تفہیم کے لیے ایک واقعہ

''متاع'' دراصل عربی زبان میں اس چیز کو کہا جاتا ہے جو انسان کے لیے فائدہ اٹھانے کے واسطے ضروری تو بہت ہوتی ہے لیکن اس کی قیمت زیادہ نہیں ہوتی، کم ہوتی ہے، اس کے بغیر کام تو نہیں چلتا لیکن وہ زیادہ قیمتی بھی نہیں۔ ہمارے حضرت مفتی صاحب نور اللہ مرقدہ ایک واقعہ سنایا کرتے تھے کہ اِصمعی جو عربی لغت کے امام ہیں اور عربی زبان کے مشکل الفاظ اور کلمات کے معانی کی تلاش وجستجو میں وہ عرب کے دیہاتوں اور قبائلی علاقوں میں گھومتے رہتے تھے۔ وہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ مجھے تین کلمات کے معانی کی تلاش تھی: (۱) ایک تو یہی لفظِ متاع (۲) دوسرا: رقیم (۳) تیسرا: تبارک۔ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں ایک قبائلی علاقے میں پہنچا، وہاں ایک خیمے میں ایک چار، پانچ سالہ بچہ کھڑا تھا، گھر کے لوگ نہیں تھے، کہیں گئے ہوئے تھے، وہاں ایک میلا کچیلا کپڑا پڑا ہوا تھا جو چولہے کے اوپر رکھی ہوئی پتیلی وغیرہ برتنوں کو اٹھانے، رکھنے کے کام میں استعمال کیا جاتا ہے۔

متاع کی حقیقت

فرماتے ہیں کہ میرے سامنے ایسا ہوا کہ ایک کتا آیا اور آ کر کے وہ کپڑا اپنے منہ میں دبا کر کے لے کر کے چلا گیا اور سامنے ایک چھوٹی پہاڑی تھی، اس پر چڑھ گیا اور

اس پر پیر پھیلا کر اس طرح بیٹھ گیا، جیسے کوئی آدمی سواری پر پیر پھیلا کر اور جم کر کے بیٹھتا ہے۔ بچہ یہ سب منظر دیکھ رہا ہے۔ اِصمعی کہتے ہیں: تھوڑی دیر کے بعد اس بچے کے ماں باپ آئے تو وہ بچہ کہنے لگا: جاء الرقیم وأخذ المتاع وتبارك الجبل، رقیم یعنی کتا، اصحابِ کہف کے کتے کے لیے رقیم کا لفظ استعمال کیا گیا ہے تو کہا کہ: کتا آیا اور اس نے وہ کپڑا اٹھالیا اور پہاڑ پر جا کر کے بیٹھ گیا۔ گویا انھیں جن تین الفاظ اور کلمات کے معانی کی تلاش اور جستجو تھی، وہ حاصل ہو گئے۔

نہیں جہاں جائے عشرت، سنبھل سنبھل ورنہ ہوگی حسرت

یہاں یہ بتلانا مقصود ہے کہ کتے نے جو کپڑا اٹھایا تھا، وہ زیادہ قیمتی نہیں تھا لیکن ایسا ضروری تھا کہ اس کے بغیر آدمی کا گذارا نہیں ہوتا، آدمی اس کے بغیر اپنا کام نہیں چلا سکتا تو عربی زبان میں ہر وہ چیز جو انسانی زندگی کے لیے ضروری ہو لیکن زیادہ قیمتی نہ ہو، اس کو متاع کے لفظ سے تعبیر کیا جاتا ہے تو دنیا کو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ایسی چیز بتلا رہے ہیں کہ ہم دنیا میں رہتے ہیں، کھانا، پینا، پہننا وغیرہ ایسی چیزیں ہیں کہ ان کے بغیر چارۂ کار نہیں لیکن وہ قیمتی نہیں ہے، ایسی چیز نہیں ہے کہ اس کے اندر دل کو مشغول کیا جائے اور اس کی وجہ سے اللہ تبارک وتعالیٰ کی یاد سے غفلت میں پڑ جائے۔

جاننا چاہے دنیا کی حقیقت تو سن!

بہر حال! دنیا ہے تو ضرورت کی چیز، جیسے بیت الخلاء ہے، ایک ضروری چیز ہے، اس کو ''جاجرو'' کہتے ہیں، ''جاجرو'' یعنی جائے ضرور: ضرورت کی جگہ۔ کوئی بھی مکان اس

سے خالی نہیں ہوسکتا، جس گھر میں بیت الخلاء نہ ہو، وہ ایک ناقص مکان شمار ہوتا ہے تو یہ ہے ایک بہت ضرورت کی جگہ لیکن آدمی اس میں پوری زندگی گذارتا نہیں ہے، بس ضرورت پیش آتی ہے تو جاتا ہے اور جہاں ضرورت پوری ہوئی، واپس چلا آتا ہے۔ایسے ہی یہ دنیا بھی ضرورت کی چیز ہے، اس کے بغیر آدمی زندگی نہیں گذار سکتا لیکن وہ مقصود نہیں ہے۔

رنگ رلیوں پہ زمانے کی نہ جانا اے دل!

میں یہ عرض کررہا تھا کہ باری تعالیٰ نے قرآنِ پاک میں ہمیں کُفّار کے متعلق صاف فرمادیا: لَا يَغُرَّنَّكَ تَقَلُّبُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِي الْبِلَادِ کہ: یہ کافر لوگ جو اللہ کی اس زمین کے اوپر، شہروں میں آتے جاتے ہیں، بڑی بڑی خوش نُما عمارتوں میں رہتے ہیں، بہترین سے بہترین کاروں میں گھومتے ہیں، اللہ تبارک وتعالیٰ کی دی ہوئی بے شمار دنیوی نعمتوں کو استعمال کررہے ہیں، ان کا یہ آنا جانا اور زمین کے اوپر ان کا گھومنا پھرنا تم کو دھوکے میں نہ ڈالے، باری تعالیٰ فرماتے ہیں: مَتَاعٌ قَلِيْلٌ: بس تھوڑے زمانے تک کا فائدہ اٹھانا ہے، ثُمَّ مَاْوٰهُمْ جَهَنَّمُ: اس کے بعد ان کا ٹھکانہ جہنم ہے، وَبِئْسَ الْمِهَادُ: اور جہنم بڑا برا ٹھکانہ ہے۔

مختصر الفاظ میں اِک امتحاں ہے زندگی

امام احمد بن حنبل علیہ الرحمۃ نے ایک واقعہ نقل کیا ہے اور امام عبداللہ بن مبارکؒ کی کتاب ہے: ’’کتاب الزھدو الرقائق‘‘ اس میں بھی یہ واقعہ موجود ہے کہ ایک مرتبہ ایک مسلمان مچھیرا مچھلی پکڑنے کے لیے گیا اور جال ڈالنے لگا۔ جب بھی جال ڈالتا ہے

تو بسم اللہ پڑھ کے ڈالتا ہے لیکن ایک بھی مچھلی نہیں آتی، وہ جال ڈالتا رہا لیکن مچھلیاں آنہیں رہی ہیں، آخر میں جب دن ختم ہونے جارہا تھا تو اس نے جال ڈالی، اس میں ایک مچھلی آئی، وہ جب جال کھینچ کر پکڑنے کے لیے گیا تو وہ بھی بھاگ نکلی۔ ایک دوسرا مچھیرا تھا، وہ غیر مسلم، کافر تھا، وہ اپنے بُت کا نام لے کر، شیطان کا نام لے کر جال ڈال رہا ہے، جب بھی جال ڈالتا ہے تو وہ جال مچھلیوں سے بھری ہوئی نکلتی ہے۔

مؤمن کے لیے جائے راحت صرف جنت ہے

اس منظر کو دیکھ کر فرشتوں کے اندر کُہرام مچ گیا، فرشتوں نے باری تعالیٰ سے عرض کیا: اے باری تعالیٰ! ایک وہ بندہ ہے جو آپ کا ماننے والا ہے، آپ کا نام لے کر جال ڈال رہا ہے اور اس کی جال کے اندر ایک بھی مچھلی نہیں ہے اور وہ خالی ہاتھ گھر واپس جارہا ہے۔ دوسرا آپ کا انکار کرنے والا ہے جو بُت کا نام لے کر جال ڈال رہا ہے اور اس کی جال مچھلیوں سے بھری ہوئی آتی ہے اور وہ مچھلیوں سے بھری ہوئی کشتی کے ساتھ اپنے گھر جاتا ہے! باری تعالیٰ نے فرمایا: اچھا! اِدھر آؤ۔ اس کے بعد جنت میں مؤمن کا ٹھکانہ دکھلایا اور جہنم میں کافر کا ٹھکانہ دکھلایا اور فرمایا کہ دیکھو! مؤمن جب یہاں آئے گا تو دنیا کی ساری مشقتوں کو بھول جائے گا (۱)۔

آخرت کی نعمتیں ساری دنیوی تکلیفوں کو بھُلا دیں گی

حدیث میں آتا ہے کہ ایک مؤمن جس نے پوری زندگی کوئی راحت نہیں، کوئی

---

(۱) الزهد لأحمد بن حنبل، ص: ۲۱۷، رقم: ۱۲۰۴.

سُکھ نہیں پایا، پوری زندگی تکلیفوں میں رہا، جب جنت میں پہنچے گا، ایک لمحے کے بعد اس کو پوچھا جائے گا کہ تو نے کبھی کوئی تکلیف دیکھی؟ تو وہ جواب دے گا کہ میں نے تکلیف کا نام ونشان بھی نہیں دیکھا اور ایک کافر ہے جس نے زندگی میں کبھی کوئی دُکھ نہیں اٹھایا، بڑی راحت سے، بڑے عیش وآرام سے، بڑے سُکھ سے رہا، ایک ذرّہ برابر، ادنی سی تکلیف بھی اس کو نہیں پہنچی، اس کو جہنم میں ڈال کر کے ایک لمحے کے بعد پوچھا جائے گا کہ تم نے کبھی راحت محسوس کی؟ تو وہ جواب میں کہے گا کہ میں نے تو زندگی میں راحت کیا چیز ہے، کبھی دیکھی ہی نہیں! تو باری تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جب یہ جنت میں آئے گا تو یہاں دنیا میں اس کے اوپر جو کچھ گذرا ہے، سب بھول جائے گا۔

دنیا کی مشقتیں عارضی ہیں

جیسے: جب ہم سفر میں جاتے ہیں نا تو ٹرین میں سوار ہوتے ہیں، خوب بھیڑ ہے، کھڑے رہنے کی بھی جگہ نہیں ہے تو اس وقت کتنی مشقت محسوس کرتے ہیں؟ بہت تکلیف ہوتی ہے، اس وقت کی ہماری حالت نا قابلِ بیان ہوتی ہے بے چینی اپنی انتہا کو پہنچ جاتی ہے لیکن جب گھر پہنچ جاتے ہیں تو گھر والوں کو بھولے سے بھی نہیں کہتے کہ آج تو گاڑی میں جگہ نہیں ملی، وہ ساری تکلیفیں ایسے بھول جاتے ہیں کہ شام کو ہمیں خود بھی یاد نہیں رہتا کہ آج جس وقت میں ٹرین کے اندر تھا، اس وقت میری یہ کیفیت تھی۔ ایسے ہی مؤمن جب آخرت میں پہنچے گا اور اللہ تبارک وتعالیٰ کی نعمتیں اس کو حاصل ہو گی تو اس کی یہی کیفیت ہو گی۔

اللہ تبارک وتعالیٰ کے نزدیک دنیا کی وقعت مچھر کے برابر بھی نہیں ہے

دنیا کے مال ومتاع کی اللہ تبارک وتعالیٰ کے یہاں کوئی قدر وقیمت نہیں ہے۔ نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ دنیا کی قدر وقیمت اللہ تبارک وتعالیٰ کے یہاں مچھر کے پر کے برابر ہوتی تو کسی کافر کو پینے کے لیے پانی ایک گھونٹ بھی عطا نہ فرماتے (۱)۔ یہ جو دے رہے ہیں، اس کی وجہ یہی ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے یہاں اس کی کوئی قدر نہیں ہے، جیسے ہمارے گھر کے سامنے گوبر اور پاخانہ پڑا ہوا ہو اور ہمارا کوئی دشمن اس کو اٹھا کر لے جائے تو ہم اس کو روکیں گے؟ بلکہ خوش ہوں گے کہ سب بھر کر کے لے جاؤ، ہمارا کیا بگڑتا ہے، اسی طرح اللہ تبارک وتعالیٰ کے یہاں اس کی کوئی قدر وقیمت نہیں ہے؛ اس لیے دنیا کی مال ودولت کی طرف ذرّہ برابر بھی نگاہ کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہمیں جو دین کی نعمت عطا فرمائی ہے اور دین میں بھی علمِ دین کی دولت سے نوازا ہے، یہ ایسی قیمتی دولت ہے کہ دنیا کی کوئی دولت اس کا مقابلہ نہیں کرسکتی۔

دنیوی نعمتوں کو دولتِ قرآن سے بڑھ کر سمجھنے والا ناشکرا ہے

فضائلِ قرآن میں حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے شرحِ اِحیا کے حوالے سے روایت نقل کی ہے کہ جس کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآن عطا فرمایا، اس کا علم، اس کے حفظ کی دولت عطا فرمائی اور پھر اس نے دنیا کے کسی اور صاحبِ نعمت کو دیکھا، جس کو دنیا کی کوئی

(۱) الترمذی، عن سهل بن سعد رضي الله تعالیٰ عنه، باب مَا جَاءَ فِي هَوَانِ الدُّنْيَا عَلَى اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ

نعمت دی گئی ہے: دنیا کا کوئی اونچا عہدہ اور منصب دیا گیا ہے، دنیا کی دولت: سونا چاندی ملا ہوا ہے اور جائدادیں اور دوسری کوئی نعمت ملی ہوئی ہے، اس کو اپنے سے بہتر سمجھا اور بہتر سمجھنے کا مطلب یہ ہے کہ اس کے دل میں یہ خیال آیا کہ اس کو جو دولت ملی ہوئی ہے، وہ مجھے ملی ہوئی دولت اور نعمت کے مقابلے میں بڑھ کر کے ہے، اچھی ہے تو اس نے اللہ تبارک وتعالیٰ کی اس نعمت کی جو اس نے قرآنِ پاک کی شکل میں عطا فرمائی ہے، ناقدری کی۔ اس لیے اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہمیں علم کی جو دولت عطا فرمائی ہے، سب سے پہلے تو اس کی قدر کرنے کی ضرورت ہے، یہ بہت اونچی دولت ہے جو اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہمیں عطا فرمائی ہے۔

غزوۂ حنین میں مالِ غنیمت کے خمس کی تقسیم اور حضراتِ انصار کی ناراضگی

بخاری شریف میں واقعہ موجود ہے کہ غزوۂ حنین کے موقع پر مسلمانوں کو بہت سارا مالِ غنیمت حاصل ہوا تھا، ہزاروں کی تعداد میں اونٹ، بکریاں وغیرہ حاصل ہوئی تھیں تو مالِ غنیمت کا جو خمس تھا، اس میں سے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے قریش کے ان نومسلموں کو اور ساتھ میں ان لوگوں کو بھی جو ابھی تک اسلام نہیں لائے تھے، بڑی مقدار میں مال عطا فرمایا، کسی کو سو اونٹ، کسی کو دو سو اونٹ، کسی کو تین سو اونٹ۔ جب یہ تقسیم ہوئی تو حضراتِ انصار رضوان اللہ تعالیٰ علیہم أجمعین کے دل پر گراں گذرا، خاص کر کے ان میں جو نوجوانوں کا طبقہ تھا۔

مسلمانوں کی ابتدائی شکست

اس غزوے میں ابتدا میں اسلامی لشکر کو بڑا نقصان اٹھانا پڑا تھا، دشمن نے پہلے ہی سے اپنے خاص بہادروں کو کمین گاہوں کے اندر بٹھا دیا تھا، جب اسلامی لشکر کے جانے کے لیے راستہ تھوڑا سا کھلا تو معمولی سی مزاحمت ہوئی اور آگے بڑھ گئے۔ مسلمان یہ سمجھ رہے ہیں کہ ہم کامیاب ہو گئے، ہمیں غلبہ حاصل ہو گیا۔ وہ مالِ غنیمت سمیٹنے میں پڑے ہیں کہ اچانک کمین گاہوں میں چھپے ہوئے دشمن کے بہادر تلواریں لے کر ان پر ٹوٹ پڑے، اس کی وجہ سے مسلمانوں کے لشکر میں بھگدڑ سی مچ گئی۔

مسلمانوں کی جوابی کاروائی اور فتحِ مبین

اس کے بعد نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرتِ عباس رضی اللہ عنہ کو جو آپ کے چچا ہیں، کہا انھوں نے کہا: يَا لَلأَنْصَارِ، يَا أَصْحَابَ السَّمُرَةِ: اے انصار! حضرتِ عباس رضی اللہ عنہ کی آواز بہت بلند تھی، بعض روایتوں میں ہے کہ جب آپ زور سے آواز لگاتے تھے تو آواز اتنی بلند ہوتی تھی کہ حاملہ کے حمل گر جاتے تھے (۱)۔ جب یہ آواز مسلمانوں نے سنی تو وہ پلٹے، اللہ تبارک وتعالیٰ کی مدد بھی آئی تو مسلمانوں کو غلبہ بھی حاصل ہوا۔

مالِ غنیمت کی تقسیم پر انصاری نوجوانوں کی ناراضگی

بہر حال! اس موقع پر انصار کو خاص نام لے کر پکارا گیا تھا۔ اب جب بعد میں

---

(۱) المستدرك على الصحيحين، ذِكْرُ مَنَاقِبِ الْعَبَّاسِ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ بْنِ هَاشِمٍ عَمِّ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، رقم الحديث: ۵۴۱۸.

مالِ غنیمت تقسیم ہوا اور مکہ کے رہنے والوں کو نبیٔ کریم ﷺ نے بڑی مقدار میں اونٹ اور دوسرا مالِ غنیمت عطا فرمایا تو انصاری نوجوانوں کی زبان پر یہ تھا کہ جب کوئی آڑا وقت آتا ہے تو ہمیں پکارا جاتا ہے، ہماری تلواریں تو کافروں کے خون کو ٹپکا رہی ہیں اور نبیٔ کریم ﷺ مال ان کو دے رہے ہیں۔

(مجلس میں کچھ ہلچل سی نظر محسوس ہونے پر حضرت دامت برکاتہم نے ٹوکتے ہوئے فرمایا: اِدھر اُدھر توجہ مت کرو، جو کہہ رہا ہے، اس کی طرف دھیان دو، آپ کی بے توجہی کہنے والے کے قلب پر اثر ڈالتی ہے۔ مجلس کے آداب میں سے یہ ہے کہ کوئی بھی آدمی اِدھر اُدھر توجہ نہ کرے)۔

لغو میں مشغول لوگوں کا تو ایسا انہماک اور ہماری ایسی مجرمانہ غفلت!

آپ نے تماشا دیکھا ہوگا: جب کرکٹ کا میچ چل رہا ہوتا ہے اور سڑک کے کنارے پر کھڑے رہ کر لوگ ٹی وی پر اس میچ کا منظر دیکھتے ہیں تو وہ اس میں ایسے کھوئے ہوئے ہوتے ہیں کہ ان کے قریب میں کوئی قیامت آجائے تب بھی ایک لمحے کے لیے اس طرف مڑ کر نہیں دیکھتے کہ وہاں کیا ہو رہا ہے۔ اب جو کھیل تماشوں میں مشغول ہیں، وہ تو اتنی توجہ کریں اور ہم دین کی بات سننے والے اِدھر اُدھر دیکھیں! کوئی آتا ہے تو آوے اور جاتا ہے تو جاوے، ہمیں اِدھر اُدھر توجہ کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے، یہ چیز بولنے والے کے قلب پر اثر ڈالتی ہے اور مجھے تو بہت تکلیف ہوتی ہے اور جو مضمون کہہ رہا ہوتا ہوں، اس میں بھی گڑبڑ ہو جاتی ہے؛ اس لیے آپ میری طرف توجہ

کریں تو بڑی مہربانی ہوگی۔

حضراتِ انصار کے سامنے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی والہانہ تقریر

بہرحال! میں یہ عرض کررہا تھا کہ یہ بات نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گوش مبارک تک پہنچی تو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم دیا کہ انصار کو ایک خیمے میں جمع کرو، اس میں انصار کے علاوہ دوسرا کوئی نہ ہو۔ سب انصار جمع ہوگئے، نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اطلاع کی گئی کہ سب آگئے ہیں تو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے اور پوچھا کہ کوئی اور تو نہیں ہے؟ عرض کیا: نہیں، ہاں ایک ہے جو ان کا بھانجا ہے تو فرمایا کہ قوم کا بھانجا بھی ان ہی میں سے ایک ہے، اس کے بعد نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے سامنے جو تقریر فرمائی، اس میں بنیادی مضمون یہ تھا کہ:

میں نے ان لوگوں کو جو ابھی نئے نئے اسلام لائے ہوئے ہیں، دل جوئی کی غرض سے دنیا کی کچھ دولت دی ہے، اس کی وجہ سے تمھارے دلوں پر اثر ہوا۔ یہ لوگ تو اونٹ اور بکریاں اپنے گھروں کو لے کر کے جائیں اور تم اللہ کے رسول کو اپنے گھر لے کر کے جاؤ تو کیا تم اس پر راضی نہیں ہوں گے؟ انھوں نے کہا کہ حضور! آپ یہ کیا فرما رہے ہیں!!

عشق است و ہزار بدگمانی

انصار کو جو یہ برا لگا تھا تو حضراتِ شُرّاح لکھتے ہیں کہ یہ مال و دولت کی وجہ سے نہیں تھا بلکہ اصل یہ ہے کہ ع عشق است و ہزار بدگمانی

کہ ان کو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ساتھ جو تعلق، جو محبت اور عشق تھا تو اس کی وجہ سے جب مکہ فتح ہوا تو ان کے دلوں میں ایک خطرہ تھا، ایک موہوم اندیشہ تھا کہ آپ کے وطن کے لوگوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو تکلیفیں پہنچائیں، دعوت الی اللہ کی راہ میں رکاوٹیں ڈالیں اور اس کی وجہ سے آپ مجبوراً اپنا وطن چھوڑ کر مدینہ منورہ آئے۔ اب جب مکہ فتح ہو چکا ہے تو کہیں ایسا نہ ہو کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم مدینہ منورہ کو چھوڑ کر کے دوبارہ یہاں رہائش اختیار کرلیں اور جب اہلِ مکہ کے ساتھ داد و دہش کا یہ معاملہ پیش آیا تو مذکورہ اندیشے کو مزید تقویت ملی۔

عشقِ رسول کا دل فریب نظارہ

اصل دل کے اندر کی بات تو یہ تھی کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی داد و دہش کو تعلق کی زیادتی پر محمول کرتے ہوئے انھوں نے ناراضگی کا اظہار کیا۔ جب یہ جملہ کہا گیا تو روایتوں میں ہے کہ ان کی آنکھوں سے ایسے آنسو رواں ہوئے کہ ان کے چہرے اور ڈاڑھیاں تر ہو گئیں اور کہنے لگے کہ ہم تو حضور کے اس فیصلے پر راضی ہیں، ان کو مال و دولت مل جائے اس کی ہمیں کوئی پروا نہیں ہے (۱)۔

روزِ قیامت اللہ تعالیٰ کا علماء سے خطاب

بہر حال! میں تو یہ عرض کر رہا تھا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہمیں جو نعمت عطا فرمائی ہے، اس کا کوئی مقابلہ نہیں ہے۔ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ

---

(۱) مسند احمد، مُسْنَدُ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ.

قیامت کے روز اللہ تبارک وتعالیٰ علماء کو بلائیں گے اور فرمائیں گے کہ اگر تمھیں جہنم میں ڈالنا مقصود ہوتا، عذاب دینا مقصود ہوتا تو تمھارے سینوں میں اپنے دین کا علم نہ رکھتا۔ (معارف القرآن)

پھر جو تو غالب نہیں، کچھ کسر ہے ایمان میں

یہ علمِ دین اللہ تبارک وتعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے، اس نعمت کا ہمیں استحضار رہنا چاہیے۔ ہم ہر وقت اپنی زبان سے اس کے فضائل تو بیان کرتے رہتے ہیں لیکن اس پر جو یقین ہونا چاہیے، اس میں ہمارے اندر کچھ کمی ہے، اسی کا نتیجہ ہے کہ ہم سے بہت ساری کوتاہیاں سرزد ہورہی ہیں۔

یہ رتبۂ بلند ملا جس کو مل گیا

مزید براں اس علم کو حاصل کرنے کے بعد اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہمیں دین کی خدمت کے اندر لگایا۔ آپ کے بہت ساتھی وہ بھی ہیں کوئی علم حاصل کرنے کے بعد کمانے کے واسطے سعودیہ چلا گیا، کوئی دکان لے کر بیٹھ گیا ہے، کوئی کاروبار سنبھال رہا ہے، کوئی کھیتی باڑی میں لگ گیا لیکن اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ حضرات کو دین کے علم کی خدمت کے لیے خصوصیت کے ساتھ قبول فرمایا، یہ مزید نعمت ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کی اس نعمت کا ہمیشہ استحضار رہے کہ اے اللہ! تیرا شکر و احسان ہے، میں تو اس قابل نہیں تھا،

منت منہ کہ خدمتِ سلطاں ہمی کنی		منت شناس ازو کہ بخدمت بداشتت

کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہم کو اس کی توفیق عطا فرمائی، یہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا احسان

ہے، ہمارا اللہ پر کوئی احسان نہیں ہے، اے اللہ! یہ تیرا احسان ہے کہ تو نے محض اپنے فضل سے اپنے دین کی خدمت کے لیے ہمیں قبول فرمایا۔

ہماری سوچ اور نظریے میں تبدیلی آگئی ہے

پھر اس کو خدمت سمجھ کر ہی کرنا ہے۔ ہمارے اس زمانے میں ہم جوں جوں آگے بڑھتے جارہے ہیں، ہمارے طبقے میں انحطاط بڑھتا جارہا ہے، اس انحطاط کے اسباب میں سے ایک سبب یہ بھی ہے کہ ہمارے نظریے اور ہماری سوچ میں تبدیلی آگئی۔ پہلے ہمارے طبقے کے لوگ یعنی اہلِ علم جو دین کی خدمت کرتے تھے، دین کا کام کیا کرتے تھے تو ان کی زبان پر لفظِ خدمت ہوا کرتا تھا۔ آج سے چند سال پہلے فارغین کو جب سوال کیا جاتا تھا کہ تم کیا کرتے ہو؟ تو وہ جواب دیتا تھا کہ فلاں جگہ پر خدمت کرتا ہوں اور آج پوچھتے ہیں کہ کیا کرتے ہو؟ تو جواب ملتا ہے کہ نوکری کرتا ہوں، جب کوئی مولوی لفظِ نوکری بولتا ہے تو میرے دماغ کو ہتھوڑا لگتا ہے۔

نظریے کی اس تبدیلی نے ہمیں برباد کردیا ہے

ہمارا نظریہ بدل گیا، ہماری فکر بدل گئی، ہم نے اس خدمت کو پیشہ ورانہ حیثیت دے دی اور نظریے کی اس تبدیلی کے نتیجے میں ہمارے اندر یہ ساری خرابیاں اور انحطاط آرہا ہے۔ عقیدے کو دین میں اہمیت کیوں دی گئی ہے؟ دین میں عقائد کا جو شعبہ ہے، وہ دین کا بنیادی شعبہ سمجھا جاتا ہے، کیوں؟ اس لیے کہ آدمی اپنے دل میں جس چیز کو جمائے ہوئے ہے، اسی کے مطابق اس کی زندگی گذرتی ہے، اسی کے مطابق

وہ چلتا ہے، ہم نے اپنے دلوں میں یہ نظریہ بٹھالیا کہ نوکری کرتے ہیں تو جیسے ایک سرکاری ملازم ملازمت کرتا ہے، ہم نے بھی اپنا ذہن اسی کی طرح بنالیا کہ یہ ایک ڈیوٹی ہے۔ یہ ڈیوٹی تو ہے، اس میں کوئی شبہ نہیں، عقدِ اجارہ کی وجہ سے ہم پر کچھ ذمہ داریاں بھی عائد ہوتی ہیں، اس کا بھی لحاظ کیا جاتا ہے لیکن اصل بنیاد یہ ہے کہ یہ خدمت ہے۔

ہمارے یہاں خدمتِ دین پر اجرت لینا اصلاً جائز نہیں ہے

حضرت حکیم الامت نور اللہ مرقدہ فرماتے ہیں کہ ہمارے حنفیہ کے یہاں جو ائمۂ اسلاف ہیں، حضراتِ متقدمین ہیں، ان کے نزدیک تعلیمِ قرآن پر اجرت لینا جائز نہیں ہے، یہ مسئلہ تمام اصول کے اندر لکھا ہوا ہے لیکن یہ اس زمانے کے اعتبار سے ہے کہ جو لوگ تعلیمِ قرآن کی خدمت انجام دیا کرتے تھے، اسلامی حکومت تھی، بیت المال کا نظام درست تھا اور اس کے جو ذمہ دار حضرات تھے، وہ شریعت کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق بیت المال سے مال کو خرچ کرتے تھے تو اس وقت جو لوگ تعلیمِ قرآن کی خدمت میں لگے ہوئے ہوتے تھے، ان کی ضرورتوں کو بیت المال ہی سے پورا کیا جاتا تھا، اس میں ایک شعبہ مستقل تھا جس میں دینی خدمت انجام دینے والوں کے وظیفے مقرر کیے جاتے تھے، ان کو اتنا دیا جاتا تھا جس سے ان کی اور ان کے متعلقین کی ضرورتیں پوری ہوجاتی تھیں۔

جب حکومتیں خُدّامِ دین کی پرسانِ حال نہیں رہیں

بعد میں جب اسلامی سلطنت کے اندر زوال آیا اور بادشاہوں اور سلاطین

نے بیت المال کو اپنا ذاتی مال سمجھ کر کے اس کے اندر تصرف کرنا شروع کیا اور شریعت نے بیت المال کے جو مصارف مقرر کیے تھے، اس کے مطابق خرچ نہیں کرتے تھے تو نتیجہ یہ ہوا کہ یہ جو تعلیمِ قرآن اور دین کے دوسرے شعبوں میں لگے ہوئے حضرات ہوتے تھے، ان کے لیے جو وظائف مقرر ہوتے تھے، اس کے اندر کمی آ گئی تو ان حضرات کی ضرورتوں کو پورا کرنے کا کوئی ذریعہ موجود نہیں رہا۔

تعلیمِ قرآن پر اجرت لینا اس لیے جائز ہے

اب یہ حضرات تو دین کی خدمت میں لگے ہوئے ہیں، ان کے پاس اپنا ذاتی مال ہے تو ٹھیک ہے اور اگر ذاتی مال نہیں ہے تو ایک طرف تو ان کو تعلیمِ قرآن کی خدمت انجام دینا ہے اور دوسری طرف اپنی اور اپنے ماتحتوں کی ضرورتیں لگی ہوئی ہیں تو وہ یہ سوچتا ہے کہ اگر میں اس کے اندر لگوں گا تو میں اور میرے گھر والے بھوکے مر جائیں گے تو وہ دین کا کام چھوڑ کر کے اپنی معاش کی فکر کے اندر لگ جائے گا تو پھر متأخرین مشائخِ حنفیہ نے تعلیمِ قرآن کے اوپر اجرت لینے کی اجازت دی۔

رکھو رفاہِ قوم پر اپنا مدار تم

حضرت حکیم الامت نور اللہ مرقدہ فرماتے ہیں کہ اس کے باوجود ہمیں متقدمین اور متأخرین دونوں کے مذہب کو مدِّ نظر رکھتے ہوئے درمیانی راستہ اختیار کرنا چاہیے اور وہ درمیانی راستہ یہ ہے کہ جو دین کی خدمت انجام دے رہے ہیں، پڑھا رہے ہیں، وہ تو یوں سمجھیں کہ ہم خدمت کر رہے ہیں، کوئی ملازمت اور نوکری نہیں ہے، یہ ہماری ذمہ

داری ہے، ہمارا فریضۂ منصبی ہے تو اس کام کو اپنا فرضِ منصبی اور خدمت سمجھ کر کے انجام دینا ہے اور جن کے بچوں کو پڑھا رہے ہیں، دینی تعلیم دے رہے ہیں، وہ یوں سمجھیں کہ ہمارے بچوں کو یہ حضرات دینی تعلیم دیتے ہیں، اگر ان کی ضرورتوں کا خیال نہیں کیا جائے گا تو وہ اپنی اور اپنے ماتحتوں کی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لیے یہ کام چھوڑ کر دوسرے کام میں لگ جائیں گے تو جب انھوں نے ہمارے بچوں کی تعلیم کے اندر اپنا وقت لگا دیا ہے تو ہماری ذمہ داری ہے کہ ہم ان کی ضرورتوں کا خیال کریں؛ اس لیے ان کو تن خواہ دیں۔ وہ بھی یہ نہ سمجھیں کہ ہم تن خواہ دے رہے ہیں بلکہ وہ یوں سمجھیں کہ یہ ہماری دینی خدمت کر رہے ہیں تو ہم ان کی خدمت کر رہے ہیں۔ اگر یہ ذہن ہوگا، یہ سوچ اور فکر ہوگی تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ نہ وہ ان کو اپنا غلام سمجھیں گے اور نہ یہ خود کو ان کا نوکر سمجھیں گے بلکہ اپنا ذمہ سمجھ کر کے، اپنا فرضِ منصبی سمجھ کر کے اپنا کام کرتے رہیں گے۔

دینی کام کو خدمت اور ملازمت سمجھنے والے میں فرق کرنے والی ایک علامت

ہمارے حضراتِ اکابر کا یہی نظریہ اور سوچ تھی کہ وہ اس کو اپنا فرضِ منصبی سمجھتے تھے کہ ہم خالص دین کی خدمت انجام دے رہے ہیں۔ اس کی علامت یہ بتائی گئی ہے کہ آپ جس جگہ پر کام کر رہے ہیں، وہاں کام کی ضرورت ہے اور آپ کو معلوم ہے کہ اگر میں یہاں سے ہٹوں گا تو سارا نظام درہم برہم ہو جائے گا، بچوں کی تعلیم و تربیت ختم ہو جائے گی اور اس بستی کا جو ایک دینی مزاج بنتا جا رہا ہے، وہ بھی باقی نہیں رہے گا۔

یہاں تنگی وترشی کے ساتھ اس کی ضرورتیں پوری ہو رہی ہیں۔ اب اس کو کسی دوسری جگہ سے پیش کش کی گئی کہ آپ کو یہاں پر دو ہزار تن خواہ ملتی ہے تو ہم آپ کو ڈھائی ہزار دیں گے۔ یہ پانچ سو روپے زیادہ دیکھے تو اس کی وجہ سے یہ جگہ چھوڑ کر کے وہاں جا رہا ہے۔ حالاں کہ یہ جانتا ہے کہ دینی اعتبار سے ضرورت یہاں زیادہ ہے جہاں میں کام کر رہا ہوں اور جہاں میں جا رہا ہوں، وہاں بھی ضرورت ہے لیکن وہاں میرے جانے کی وجہ سے کوئی زیادہ فرق آنے والا نہیں ہے، اگر اس جگہ کو میں چھوڑ کر جاؤں گا تو اس جگہ کام کو سنبھالنے والا فی الحال دوسرا کوئی ہے نہیں، اندیشہ ہے کہ یہ جو سارا نظام بنا بنایا ہے: نمازوں کا، مدرسے کے اندر بچوں کی تعلیم وتربیت کا، وہ سب ختم ہو جائے گا، اس کے باوجود وہ پانچ سو دیکھ کر کے اس جگہ کو چھوڑ کر کے جاوے تو یہ دلیل ہے اس بات کی کہ اس کے پیشِ نظر دنیا ہے۔ ہمارے بزرگوں نے یہ علامت بتلائی ہے۔ وہ تو یہ کہے کہ چاہے مجھے یہاں پانچ سو کم مل رہے ہیں لیکن میں تو یہیں خدمت کروں گا۔

حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کو ایک پر کشش پیش کش اور آپ کا انکار

ہمارے بزرگوں کا حال یہی تھا۔ حضرت شیخ مولانا محمد زکریا نور اللہ مرقدہ کا واقعہ آپ بیتی میں لکھا ہوا ہے کہ فراغت کے بعد آپ کو مظاہر میں آپ کے علمی مقام کے مطابق ''۱۵'' روپے ماہانہ تن خواہ پر رکھا گیا تھا۔ اسی زمانے میں حیدر آباد کے اندر ضرورت تھی تو وہاں سے پیش کش کی گئی کہ آپ یہاں آ جائیں، آپ کو ماہانہ چھ سو روپے تن خواہ اور بنگلہ، گاڑی سب کچھ دیا جائے گا! کہاں پندرہ روپے اور کہاں چھ سو روپے

اس زمانے میں!!! اور پھر ساری سہولتیں بھی ہیں لیکن حضرت علیہ الرحمۃ نے انکار فرمادیا۔

ہمارے اکابر کے اور بھی ایسے بے شمار واقعات ہیں۔ یہ حضرات ایسا کیوں کرتے تھے، کیوں لات مارتے تھے؟ اس لیے کہ وہ سمجھتے تھے کہ یہاں جو کام کیا جارہا ہے، وہاں ویسا کام نہیں ہوسکے گا۔

بڑوں کے مشورے سے دینی کام انجام دینے کا مزاج بنائیے

آج ہمارے زمانے میں ہمارے طبقے کے اندر ایک اور کمی بھی آئی ہے، وہ یہ ہے کہ ہم نے اپنے آپ کو اپنے بڑوں کے حوالے نہیں کیا۔ ہمارے اکابر کا ایک مزاج تھا کہ فارغ ہوئے تو فراغت کے بعد کہاں خدمت کرنا ہے؟ وہ از خود فیصلہ نہیں کرتے تھے بلکہ ان کے بڑے جہاں خدمت کرنے کا مشورہ دیتے تھے، وہاں جاتے اور کام میں لگ جاتے تھے۔ وہ اپنے بڑوں کے حکم سے خدمت انجام دینے کے لیے جایا کرتے تھے اور جہاں بھیجا، بس وہیں کے ہورہے۔

حضرت فقیہ الامت علیہ الرحمۃ کے والد صاحب کا واقعہ

ہمارے حضرت مفتی محمود حسن نور اللہ مرقدہ اپنے والدِ بزرگ وار کا واقعہ بیان کرتے تھے۔ حضرت کے والد حضرت شیخ الہند علیہ الرحمۃ کے شاگرد اور حضرت شیخ الاسلام علیہ الرحمۃ کے ساتھی تھے۔ حضرت شیخ الہندؒ نے ان کو ''نہٹور'' جو ضلع بجنور کے اندر ایک قصبہ ہے، وہاں بھیجا تھا۔ پوری زندگی وہیں گذاردی۔ حضرت مفتی صاحب علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ جب والدِ بزرگ وار بڈھے ہوگئے تو میں مظاہر علوم سہارنپور میں تھا،

میں نے والد صاحب کو خط لکھا کہ اب آپ بڑھے ہو گئے ہیں، آپ کے لیے وہاں کی رہائش میں دشواری ہے، آپ یہاں گنگوہ تشریف لے آئیں اور یہاں آ کر کے آپ قیام کریں۔ جواب میں والد صاحب نے لکھا کہ میرے اوپر کچھ قرضہ ہے، جب تک کہ وہ ادا نہ ہو جائے، میں یہاں سے نہیں جا سکتا۔

اساتذہ اور مشائخ کے حکم پر مر مٹنے والے

حضرت علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ اس کے ایک دو مہینے کے بعد وقت نکال کر میں وہاں گیا اور والد صاحب سے کہا کہ آپ کا جو قرضہ ہے، اس کی فہرست آپ مجھے دے دیجیے، آپ کے سامنے میں اس کو ادا کر دیتا ہوں۔ قرضہ تو کچھ زیادہ نہیں تھا، دو چار آنے مختلف لوگوں کے تھے، یہ تو بہانے کے طور پر لکھا تھا۔ پھر کہا کہ یہاں کچھ بچے ہیں جو مجھ سے پڑھ لیتے ہیں۔ حضرت علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ وہاں بھی کچھ بچے آپ کے حوالے کر دئے جائیں گے، ان کو آپ پڑھا لیا کرنا۔ جب کوئی جواب نہیں رہا تو فرمایا کہ حضرت شیخ الہند علیہ الرحمۃ نے مجھے یہاں بھیجا ہے۔ کل کو میدانِ حشر میں وہ پوچھیں گے کہ میں نے تم کو وہاں بھیجا تھا، تم نے اس جگہ کو کیوں چھوڑا؟ تو میں کیا جواب دوں گا؟ حضرت علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ بس! اس کے جواب میں مَیں کچھ نہیں بولا۔ حضرت علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ والد صاحب کا انتقال وہیں ہوا اور وہیں دفن ہوئے۔

بڑوں کے مشورے سے کام کرنے میں خیر و برکت ہوتی ہے

ہمارے پرانے بزرگوں کا مزاج یہی تھا کہ اپنے بڑوں پر سب کچھ چھوڑ

دیتے تھے، ہمارے بڑے اگر ہمارے لیے تجویز کرتے ہیں کہ آپ کو فلاں جگہ جانا ہے، ان کے سامنے سارے حالات ہیں۔ ہم جو کام کر رہے ہیں، وہ بھی وہ دیکھ رہے ہیں، جہاں وہ بھیج رہے ہیں، وہاں کا حال بھی ان کو معلوم ہے اور وہ کہیں۔ ہمارا جی نہیں، ہمارا اپنا فیصلہ نہیں بلکہ وہ فیصلہ کرکے بھیج رہے ہیں تو إن شاءاللہ تعالیٰ اس میں خیر اور بھلائی ہوگی پھر وہ جو حکم دیں، اس کی تعمیل کرنی ہے، اگر وہ حکم دیں کہ آپ کو انگلینڈ جانا ہے تو جائیں گے، وہ جہاں کہیں گے، جائیں گے۔

بڑوں کے مشورے کے بغیر بیرون ملک جانے والوں کی دینی بدحالی

یہاں تو ابھی ہم فارغ ہوئے نہیں کہ انگلینڈ جانے کے لیے تیاریاں کرلیتے ہیں کہ کس طرح ہمیں وہاں جانے کا موقع مل جائے، کوئی ذرا سا اشارہ دے دے تو فوراً گھر بیچنے کے لیے تیار ہو جاتے ہیں کہ ابھی تو جانے کا موقع مل رہا ہے، گھر کا معاملہ بعد میں دیکھا جائے گا۔ اس طرح جو انگلینڈ جائیں گے، افریقہ جائیں گے تو کیا ان کے دل میں دین کی خدمت کا جذبہ کارفرما ہوگا؟ اگر یہی مقصد تھا تو دین کی خدمت جو یہاں ہو رہی ہے، وہ وہاں کہاں ہو رہی ہے؟ اسی وجہ سے بڑے بڑے صاحبِ صلاحیت علماء جو یہاں سے گئے، ان کی ساری صلاحیتیں بےکار پڑی ہوئی ہیں، ان سے دین کا کوئی کام نہیں ہو رہا ہے، فتنوں میں مبتلا ہیں۔

ہاں جن لوگوں کو ان کے بڑوں نے اپنے حکم سے بھیجا، ان کے فیصلے سے گئے، وہ اپنی مرضی سے نہیں گئے، ان سے اللہ تبارک وتعالیٰ دین کا کام لے رہے ہیں؛

اس لیے بڑوں کے حکم اور مشورے سے کام کرنے کی ضرورت ہے۔

بھروسہ کچھ نہیں اس نفسِ امّارہ کا اے زاہد!

ایک بات یہ بھی کہا کرتا ہوں کہ یہ بھی ہے کہ اپنے آپ کو بڑوں کے حوالے کیا جائے، اپنی اصلاح کی فکر کی جائے۔ ہم فارغ ہو کر کے یہ سمجھتے ہیں کہ کسی اصلاح کی ضرورت نہیں ہے۔ ہمارے اندر بہت ساری کمزوریاں ہیں، آدمی جب تک زندہ ہے، اپنے آپ کو شیطان اور نفس کے مکائد سے محفوظ نہیں سمجھ سکتا بلکہ اس کے لیے ضروری ہے کہ کسی بڑے کا سایہ، کسی کی سرپرستی ہو۔

نہیں دی جس نے اپنے نفسِ امّارہ کی قربانی.......

ہمارے یہاں کبھی اس طرح کا معاملہ انتظامیہ کے ساتھ، گاؤں کے متولی کے ساتھ، گاؤں کے کسی آدمی کے ساتھ پیش آجاتا ہے تو رات کے رات استعفاء دے کر روانہ ہو جاتے ہیں۔ نہیں، یہیں تو نفس کو موقع مل رہا ہے آپ جہاں کام کر رہے ہیں، کام ہو رہا ہے؛ اسی لیے بعد میں لوگ کہتے ہیں کہ مولوی صاحب بہت اچھا کام کرتے تھے، ذرا سی بات پیش آئی اور چھوڑ کے چلے گئے۔ اب یہ مولوی صاحب تو ایسے غصّے میں ہیں کہ سننے کے لیے تیار نہیں۔ ایسے موقع پر ہمارا اپنا فیصلہ معتبر نہیں ہے، ہم نے جس کے ہاتھ میں ہاتھ دیا ہے، اس کے سامنے حالات رکھے جائیں اور کہیں کہ یہ صورتِ حال ہے۔ وہ اگر آپ کو کہیں کہ ٹھیک ہے، آپ جائیے، کام کیجیے تو پھر آپ وہیں جائیے، چاہے آپ کی طبیعت کے خلاف ہے، آپ کی طبیعت نہیں چاہتی، اس کے

باوجود وہیں پڑے رہیے، اس کے نتیجے میں اللہ تبارک وتعالیٰ آپ سے دین کا کام لے گا۔

حالات کو بیان کرنے میں خیانت

پھر حالات بتلانے میں بھی پوری دیانت سے کام لینا ہے، یہ بھی ہمارے اندر ایک کمزوری ہے۔ جو لوگ بزرگوں کے ساتھ لگے ہوئے ہیں، ان سے بیعت ہیں تو وہ بھی مولوی ہیں نا تو مولوی ہونے کی وجہ سے وہ کیا کرتے ہیں، معلوم ہے؟ ان کے سامنے حالات بیان کرنے میں بھی خیانت سے کام لیتے ہیں، پورا معاملہ بیان نہیں کرتے، جو بات ہوتی ہے، اس میں ہماری طرف سے کیا ہوا؟ اس کو بیان نہیں کیا جاتا یا انتہائی مبہم انداز میں بیان کرتے ہیں۔

مشورے میں بھی دنیاداری کی آمیزش

باہر جانے کی بات آئی ہے تو اس انداز سے بیان کرتے ہیں کہ ایک طرف تو دنیا کو یہ بتلانا ہے کہ یہ تو حضرت سے منسلک ہیں، یہ تو ان کے مشورے کے بغیر کچھ کرتے ہی نہیں ہیں اور دنیا والوں پر یہ بھی رعب ڈالنا چاہتے ہیں کہ میں تو ان کے مشورے سے ہی کام کرتا ہوں، میں تو ان کے مشورے کے بغیر پاخانہ بھی نہیں کرتا، اب ان دنیا والوں کو بھی بتانا ہے تو وہاں جب حالات پیش کریں گے تو وہ مولوی ہے؛ اس لیے جانتا ہے کہ میں اس طرح حالات پیش کروں گا تو مجھے یہی مشورہ ملے گا۔

چھوٹے بچے ہوتے ہیں نا، وہ جب مہتمم صاحب کے پاس چھٹی لینے کے لیے جائیں گے تو کیسا بہانہ گھڑ کے جاتے ہیں، وہ جانتے ہیں کہ یہ بہانہ کروں گا تو ہی چھٹی

ملے گی تو پہلے سے اس کی تیاری کر کے جاتے ہیں اسی طرح ہم لوگ جب اپنے بڑوں سے مشورہ چاہتے ہیں تو اس میں ہمارا یہی دماغ کام کرتا ہے۔ حقیقت میں یہ بزرگوں کا مشورہ نہیں ہوتا؛ کیوں کہ مشورہ تو یہ تھا کہ پوری امانت اور دیانت کے ساتھ پورے حالات بیان کر دئے جاتے، اپنی کمزوری اور کوتاہی بھی بتا دیتے اس کے بعد جو مشورہ دیا جاتا، اس پر عمل کیا جاتا، تب تو یہ صحیح ہے۔

حضرت فقیہ الامت علیہ الرحمۃ سے ایک صاحب کا مشورہ طلب کرنا

ہمارے حضرت مفتی صاحب نور اللہ مرقدہ سے ایک صاحب نے مشورہ چاہا، وہ ایک جگہ دین کی خدمت انجام دے رہے تھے، انھوں نے استعفاء دیا تھا اور ان کو باہر جانا تھا۔ اب جب استعفاء دیا تھا تو حضرت سے مشورہ نہیں لیا تھا تو حضرت نے ان کو یہی مشورہ دیا اور پھر فرمایا کہ وہ یہی چاہتے تھے کہ میں ان کو یہی مشورہ دوں یعنی انھوں نے ایسے انداز میں اپنے حالات میرے سامنے رکھے۔

آپ ہمارے اسلاف کی سوانح پڑھئے۔ وہ معمولی معمولی باتوں میں بھی اپنے بڑوں کا مشورہ لیتے تھے اور ان کے حکم سے سرِ مو تجاوز نہیں کرتے تھے۔

جن کے رتبے ہیں سوا، ان کی مشکل سوا ہوتی ہے

دین کی اس راہ میں خدمت انجام دینے کے دوران بڑے حالات آتے ہیں، نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: إِنَّ أَشَدَّ النَّاسِ بَلاءً الأَنْبِيَاءُ، ثُمَّ الأَمْثَلُ فَالأَمْثَلُ کہ: سب سے زیادہ آزمائش حضراتِ انبیاء کی ہوتی ہے پھر جو زیادہ ان کے مشابہ ہوگا،

ان کی راہ پر چلنے والا ہوگا، اسی مناسبت سے اس کی آزمائش ہوگی

جن کے رتبے ہیں سوا		ان کی مشکل سوا ہوتی ہے

جو جتنا بڑا ہوتا ہے، اتنی ہی اس کی آزمائش بھی ہوتی ہے، ہم بھی دین کی راہ میں لگے ہوئے ہیں، کام کررہے ہیں تو جو حالات ہمارے اسلاف کے اوپر آئے، وہ ہم پر آنے ہی آنے ہیں۔

تندیٔ بادِ مخالف سے نہ گھبرا اے عُقاب!

حضرت قاری صدیق صاحب نور اللہ مرقدہ فرمایا کرتے تھے، برطانیہ کے دورے میں وہاں کے مرکز ڈیوزبری میں طلبہ کے سامنے بیان کیا اور فرمایا کہ بھائی! دیکھو! جس راستے سے ہمارے اکابر گذرے ہیں، ہم وہی راستہ چل رہے ہیں؛ اس لیے جو حالات ان پر آئے، جن پریشانیوں سے ان کو دوچار ہونا پڑا، جو تکلیفیں انھوں نے اٹھائیں، جن آزمائشوں سے وہ گذرے، ان ہی سے ہمیں بھی گذرنا ہے۔

ہمارے اکابر کو پہنچنے والے حالات ہمیں بھی پہنچنے ہی چاہئیں

حضرت مفتی شفیع صاحب علیہ الرحمۃ فرمایا کرتے تھے کہ اگر کوئی آدمی کسی جگہ جانے کے لیے ٹرین میں سفر کرتا ہے، جیسے آپ بمبئی جانے کے لیے بھروچ سے ٹرین میں بیٹھے تو ٹرین میں بیٹھنے کے بعد جب وہ چلے گی اور اسٹیشن آئے گا تو آپ دیکھیں گے کہ کون سا آیا، دیکھا کہ انکلیشور آیا تو آپ کو اطمینان ہوگا کہ ہاں! ہم صحیح ٹرین کے اندر سفر کررہے ہیں اور اگر دیکھا کہ پالیج آیا تو آپ کہیں گے کہ یہ تو اس راستے کا اسٹیشن

نہیں ہے، میں تو کسی دوسری ہی گاڑی میں بیٹھ گیا۔

راہِ حق کے مسافر تھک کر بیٹھا نہیں کرتے

تو ہم اس راہ پر چل رہے ہیں، اس میں جو حالات ہمارے بڑوں کو آئے، جن مصائب کا وہ شکار ہوئے، جیسی تکلیفیں انھوں نے اٹھائیں، ہم پر بھی اگر وہی تکلیفیں آرہی ہیں تو یہ فکر کرنے کی بات نہیں ہے بلکہ خوش ہونے کی بات ہے کہ ہاں! ہم صحیح راستے پر چل رہے ہیں۔ ان حالات کے آنے سے بد دل نہیں ہونا ہے، مایوس نہیں ہونا ہے، ہمت نہیں ہارنا ہے بلکہ خوش ہونا ہے اور ایسے حالات میں ان حضرات نے جو طریقہ اختیار کیا، ہمیں بھی اسی طریقے کو اختیار کرنا ہے۔

اس کی امیدیں قلیل، اس کے مقاصد جلیل

ہماری فکر بدل گئی، سوچ بدل گئی، آج ہم نے تن خواہ کو اپنا مقصود بنالیا، اسی لیے باقاعدہ تن خواہ میں اضافے کے لیے لڑائیاں ہوتی ہیں، جھگڑے ہوتے ہیں، اللہ تبارک وتعالیٰ سے مانگو۔ تن خواہ کی زیادتی مقصود نہیں ہے، اصل تو برکت مقصود ہے، برکت کا مطلب کیا ہے؟ برکت کا مطلب ہے کہ ہماری ضرورتیں تھوڑے میں بھی پوری ہوجائیں اور بے برکتی کا مطلب یہ ہے کہ بہت کچھ ہو پھر بھی ضرورتیں پوری نہ ہوں۔ یہ اسکول کے جو ٹیچر ہوتے ہیں، ان کی کتنی تن خواہ ہوتی ہے؟ ''۱۵'' ہزار، ''۲۰'' ہزار لیکن آپ دیکھتے ہوں گے کہ جن مولویوں کے ساتھ ان کے تعلقات ہوتے ہیں تو وہ مہینے کے آخر میں مولویوں سے قرضہ مانگتے ہیں کہ مولوی صاحب! کچھ قرضہ دو! اب

مولوی کی تن خواہ ہے، دو ہزار، تین ہزار اور اس کی تن خواہ ہے "۲۰" ہزار لیکن وہاں برکت نہیں ہے، برکت کا مطلب یہ ہے کہ کم میں ہماری ضرورتیں پوری ہو جائیں۔

برکت اصل چیز ہے

آپ کی تن خواہ پانچ ہزار ہو گئی لیکن ابھی تن خواہ لیں اس سے پہلے ہی آپ کا بچہ بیمار ہو گیا، ہسپتال جانا پڑا، دو ہزار اس میں خرچ ہو گئے، بیوی بیمار ہو گئی، ایک ہزار اس میں چلے گئے، کوئی اور آفت آ گئی، اس میں ایک ہزار چلے گئے تو آخر میں تو ایک ہی ہزار رہ گئے جو اصل تن خواہ سے بھی کم ہیں، اس چیز کو سمجھنے کی ضرورت ہے۔

اے مولویو! کتاب الرقاق پڑھا کرو

حضرت شیخ علیہ الرحمہ کے یہاں بہت سارے رمضان گذارنے کی اللہ تبارک وتعالیٰ نے سعادت عطا فرمائی۔ حضرت کے یہاں مغرب کی نماز کے بعد مجلس ہوتی تھی تو ہم لوگ آگے جگہ ملے اس غرض سے کھانا بھی نہیں کھاتے تھے بلکہ نماز کے بعد آگے جا کے بیٹھ جاتے تھے؛ تاکہ حضرت کی زیارت ہو۔ کوئی لمبی چوڑی تقریر کرنے کی حضرت کی عادت نہیں تھی۔ حضرت بعض مرتبہ یہ جملہ فرمایا کرتے تھے کہ اے مولویو! کتاب الرقاق پڑھا کرو۔

اُدھر تو در نہ کھولے گا، اِدھر میں در نہ چھوڑوں گا

ہم اور آپ حدیث کی کتابیں پڑھ کر آئے ہیں۔ حدیث کی کتابوں میں محدثین احادیث کے لیے مختلف عنوانات قائم کرتے ہیں، ان میں ایک عنوان ہے

کتاب الرقاق کا یعنی نبیٔ کریم ﷺ کے وہ ارشادات جن کو سن کر کے دل میں نرمی آوے۔ حضرت فرمایا کرتے تھے کہ بھائی! دیکھو، کوئی کتا آپ کے گھر کے دروازے پہ آکر کے پڑ جائے، آپ اس کو مار کر بھگاویں تو بھی وہ جاتا نہیں ہے، آپ تو اس کو بھگا بھگا کر تھک گئے لیکن وہ نہیں مانتا، پڑا ہوا ہے۔ اب کوئی اجنبی آتا ہے تو وہ اس کو بھونک کر کے دور کر دیتا ہے اور آپ کے کہے بغیر آپ کے گھر کی حفاظت کرتا ہے تو جب آپ کھانے کے لیے بیٹھیں گے تو آپ کی غیرت گوارا نہیں کرے گی کہ وہ کتا بھوکا رہے، ایک ٹکڑا آپ اس کے سامنے بھی ڈال دیں گے۔

اسی پہ رکھا اپنی بس نظر تو، نگاہ نہ دوڑا اِدھر اُدھر تو

تو ہم جو حد درجہ محتاج ہیں، ایک کتے کو اس لیے بھوکا رکھنا گوارا نہیں کرتے کہ اگرچہ نہیں کہا ہے، وہ خود ہمارے گھر کی حفاظت کر رہا ہے تو اگر آپ اللہ کے دین کی حفاظت کر رہے ہیں تو اللہ تبارک وتعالیٰ جو ساری دنیا کے خزانوں کا مالک ہے اور ساری دنیا کو روزی دیتا ہے بھلا وہ ہمیں محروم رکھے گا؟؟ ہاں آزمائش ہوتی ہے، اخلاص کے ساتھ اگر ہم اللہ کے دین کا کام انجام دیں گے تو اصل تو دل کا خلوص ہے، یہ ظاہری دولت یا ظاہری عیش وآرام مقصود نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق پیدا کرنے کے لیے ضروری امور

ہماری جو دوسری کمی ہے، میں خصوصی طور پر اس کی طرف متوجہ کرنا چاہتا ہوں کہ ہمارے دلوں میں اللہ تبارک وتعالیٰ کی محبت زیادہ سے زیادہ پیدا ہو، تعلق مع اللہ

حاصل ہو، اس کے لیے ہمیں کچھ اسباب اختیار کرنے پڑیں گے: اہل اللہ کی صحبت، ذکر اللہ کی کثرت، طاعات کا اہتمام، معاصی سے اجتناب۔ ویسے دنیادار لوگ جن گناہوں میں مبتلا ہوتے ہیں، ہم ان میں مبتلا نہیں ہوتے لیکن ہمارا طبقہ جن کمزوریوں کا شکار ہے، اس سے اپنے آپ کو بچانے کی ضرورت ہے۔

سب چھوڑ خیالات، بس اِک یادِ خدا کر

اللہ تبارک وتعالیٰ کے ساتھ تعلق پیدا کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ کے ذکر کا اہتمام بہت ضروری ہے۔ بہت سے وہ لوگ ہیں جو پانچ وقت کی نمازوں کے علاوہ ان کو پوچھا جائے کہ آپ نے مہینے میں کتنا قرآن پڑھا؟ ان کے دل پر ہاتھ رکھ کر کے پوچھیں گے کہ پورے مہینے میں ایک پارے کی بھی تلاوت کی؟ نہیں! حالاں کہ ہم تو اہلِ علم ہیں، ہمیں تو قرآنِ پاک کی تلاوت کا اہتمام کرنا چاہیے۔ تسبیحات کا بھی ہمیں اہتمام کرنا چاہیے: تیسرا کلمہ ہے، درود شریف ہے، استغفار ہے، ان چیزوں کا ہمیں اہتمام کرنا چاہیے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کے ساتھ تعلق قائم کرنے کے لیے ہمارے ''۲۴'' گھنٹوں میں سے ایک دو گھنٹے فارغ کیجیے۔

فارغ اوقات میں ہماری فضول مشغولیات

اہلِ علم کا جو طبقہ دیہاتوں میں کام کرتا ہے، مکتب کی پڑھائی دو، تین گھنٹے کی ہوتی ہے تو وہاں کسی کی دوکان پر جا کر کے بیٹھ جاتے ہیں، ہوٹلوں میں جا کر کے بیٹھ گئے، وہیں دکانوں کے پاس سے ہماری ماں، بہنیں گذرتی ہیں، وہاں جیسے دوسرے

جاہل لوگ بیٹھے ہوئے ہیں، ہم بھی ان ہی کے ساتھ بیٹھ گئے۔ لوگ باقاعدہ اس پر اعتراضات کرتے ہیں کہ یہ اہلِ علم ہو کر ایسی فضولیات میں مشغول ہیں۔

ہم لوگوں کو اہلِ علم پر اعتراض کا موقع نہ دیں

ایک مرتبہ ایک صاحب کا خط آیا، بڑا سخت تھا کہ ہمارے یہاں ایک تو پردے کا رواج نہیں ہے اور لوگ باہر دکانوں میں بیٹھے رہتے ہیں اور بیٹھنے والوں میں اہلِ علم کا طبقہ بھی بڑی تعداد میں ہوتا ہے، ان کو کوئی کہنے والا نہیں ہے۔ آپ کیا کہتے ہیں؟ خیر! اس طرح لکھنے والے تو لکھتے رہتے ہیں لیکن بہر حال! یہ ہماری بھی کوتاہی ہے؛ اس لیے ہمارے مفتی حفظ الرحمٰن نے ایک مضمون اس سلسلے میں لکھا تھا، اس کو گجراتی میں ہم نے بڑے اہتمام سے شائع کروایا کہ اس طرح راستوں پر بیٹھنا شرعی اعتبار سے کیا حیثیت رکھتا ہے؟ اس کے اندر کیا قباحتیں ہیں؟

ہم اپنے مقام اور منصب کو مدِّ نظر رکھیں

امام مالک علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ جو اہلِ علم طبقہ ہے، ان کو تو ہر کس و ناکس کی دعوت بھی قبول نہیں کرنی چاہیے، اس طبقے کے مقام کا لحاظ کرتے ہوئے یہ حکم ہے۔ ہمیں اہلِ علم ہونے کی حیثیت سے اپنے وقار کو، اپنے منصب کو، اپنے مقام کو ملحوظ رکھتے ہوئے اپنا ایک نظام بنانا چاہیے: اپنا اخلاقی نظام، اپنی عبادات کا نظام، اپنے معاملات کا نظام۔ ہمارے معاملات بھی درست ہونے چاہئیں۔

ہم لوگوں کے ساتھ اپنے معاملات درست رکھیں

پڑھنے کے زمانے میں خرچ کی عادت پڑ گئی، قرض لینے کی عادت پڑ گئی، اب پڑھانے کے زمانے میں بھی یہ سلسلہ جاری ہے۔ اب قرضہ بہت بڑھ گیا اور ادا کرنے کی طاقت نہیں رہی تو اس جگہ کو ہی چھوڑ کر چلے جاتے ہیں۔ یہ شکایتیں بھی آتی ہیں۔ یہ ہماری کمزوری ہے، حالاں کہ اس طرح جگہ چھوڑ کر چلے جانے کی وجہ سے ہماری ذمہ داری تو ختم نہیں ہو جاتی؟

جس جا پہ تیرا ذکر ہو، ہو ذکرِ خیر ہی

ہمیں اپنے ''۲۴'' گھنٹے کا نظام بنانے کی ضرورت ہے: پڑھانے کا سلسلہ تو ہے ہی، اس کے علاوہ نمازوں کا اہتمام ہو، سنتوں کا اہتمام ہو، لباس میں، چال ڈھال میں، ہر چیز میں سنت کا اہتمام ہو ہم اگر سنت کا اہتمام نہیں کریں گے تو کون کرے گا؟ ہمیں تو لوگوں کے لیے نمونہ پیش کرنا ہے۔ آپ جس دیہات میں رہتے ہیں، وہاں کے رہنے والے آپ کے ہر قول و فعل کو، آپ کی ہر حرکت و سکون کو شریعت سمجھتے ہیں۔ حالاں کہ ہم اور آپ جانتے ہیں کہ اللہ کے نبی کے علاوہ کسی کا قول و فعل شریعت میں حجت نہیں ہے لیکن بہر حال! یہ بے چارے تو ناواقف ہیں، وہ تو دین کو نہیں جانتے، وہ تو آپ کی حرکت و سکون ہی کو دین سمجھتے ہیں۔

افسوس! اپنے منصب سے تو کتنا گر گیا

اب آپ گاؤں میں لوگوں کے گھروں میں ٹی وی کے سامنے بیٹھتے ہیں،

گاؤں میں کرکٹ کا سلسلہ اور راؤنڈ چلتا ہے، وہاں میدان میں جا کر کے آپ اس کا افتتاح کرتے ہیں، باقاعدہ اجلاس کرتے ہیں پھر لوگ فتوی پوچھتے ہیں کہ وہاں اجلاس ہوا، امام صاحب نے قرأت کی، دعا ہوئی۔ اس کے بعد راؤنڈ شروع ہوا۔ ہم گراؤنڈ کے اوپر دیکھتے ہیں کہ اس گراؤنڈ اور راؤنڈ کی زینت کون ہیں؟ طلبہ اور علماء! یہ اگر نہ ہوں تو کوئی ان کو دیکھنے والا نہیں۔ یہ سب کیا ہے؟ یہ ہماری کمزوریاں ہیں، ان کو محسوس کرنے کی ضرورت ہے۔

ہماری پستی کی انتہا

آج ہم اس کرکٹ کے متعلق کچھ بولتے ہیں نا تو بہت سے علماء کے دل بغض سے بھر جاتے ہیں۔ ایک صاحب مجھ سے کہنے لگے کہ آپ نے کرکٹ کے متعلق ایسا کہا تو لوگ آپ کو گالیاں دے رہے تھے۔ چاہے گالیاں دیتے رہیں لیکن جو حقیقت ہے، وہ تو بیان کرنی پڑے گی۔ اسی نے ہماری دین داری کا ستیاناس کر دیا، اسی نے ہمارے اہلِ علم طبقے کو تباہ کر کے رکھ دیا، کرکٹ کے شوق نے ہمیں دین سے بہت دور کر دیا ہے۔ ضرورت ہے کہ ہم اس سے بچیں۔ علماء نے اس کے ناجائز ہونے کا فتوی دے دیا ہے، کوئی گنجائش نہیں ہے لیکن پھر بھی یہ سلسلہ چل رہا ہے، کوئی بھی اس کو چھوڑنے کے لیے تیار نہیں، طلبہ بھی نہیں اور بہت سے اساتذہ بھی نہیں۔

ہمیں بننا مِفْتَاحًا لِلْخَیْرِ، مِغْلَاقًا لِلشَّرِّ چاہیے

میں یہ عرض کر رہا تھا کہ اپنے مکتب کا وقت ختم ہونے کے بعد آپ کے پاس

بہت سارا وقت رہتا ہے، اس میں سے ڈیڑھ دو گھنٹے معمولات کی ادائگی کے لیے ہونے چاہئیں، قرآنِ پاک کی تلاوت کے لیے، تسبیحات کے لیے، دعاؤں کے لیے اتنا وقت تو آپ فارغ کریں۔ آپ قوم کے مقتدا ہیں، دین کے رہنما ہیں۔ آپ کے دل کے اندر اللہ تبارک وتعالیٰ کی محبت ہوگی تو آپ کی بات لوگوں کے دل پر اثر کرے گی اور آپ کا عمل لوگوں کے لیے ہدایت کا ذریعہ بنے گا۔ نبیٔ کریم ﷺ فرماتے ہیں کہ بہت سے لوگ وہ ہیں جو مِفْتَاحًا لِلْخَيْرِ، مِغْلَاقًا لِلشَّرِّ ہوتے ہیں، خیر کی چابیاں ہوتے ہیں، ان کے ذریعہ سے خیر کے دروازے کھلتے ہیں اور برائی کا تالا ہوتے ہیں یعنی ان کی وجہ سے برائیاں ختم ہوتی ہیں۔ اور بعضوں کا معاملہ اس کے برعکس ہوتا ہے کہ مِفْتَاحًا لِلشَّرِّ، مِغْلَاقًا لِلْخَيْرِ ہوتے ہیں(۱)۔ ضرورت ہے کہ ہماری ذات مِفْتَاحًا لِلْخَيْرِ ہو، ہم اپنے اعمال کو درست کرنے کا اہتمام کریں۔

یہ خانقاہی سلسلہ جو یہاں بھی جاری ہے اور دوسری جگہوں پر بھی جاری ہے تو اہل اللہ سے تعلق قائم کر کے اپنا ایک نظام بنائیں اور فارغ اوقات میں تعلق مع اللہ پیدا کرنے کی کوشش کی جائے۔

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز

ساتھ میں کتابوں کا مطالعہ بھی کریں۔ ہم تو اخباروں میں اپنے آپ کو مشغول کر دیتے ہیں۔ ان اخباروں میں روزانہ یا دو چار دنوں کے بعد کوئی نہ کوئی ایسی چیز ہوتی

---

(۱) سنن ابن ماجة، عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ رضی اللہ عنہ، بَابُ مَنْ كَانَ مِفْتَاحًا لِلْخَيْرِ.

ہے جو مسلمانوں کے دل ودماغ میں شکوک وشبہات پیدا کرتی ہے۔ یہ جان بوجھ کر ہوتا ہے۔اس وقت کا پرنٹ میڈیا ہو یا الیکٹرونک میڈیا، یہ سب اسی فکر اور محنت میں لگے ہیں کہ مسلمانوں کے دل ودماغ میں شکوک وشبہات پیدا کریں۔اللہ تعالیٰ، نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضراتِ صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم أجمعین کی جو عظمت ان کے دلوں میں ہے، اس کو ختم کیا جائے۔اس کے لیے نئے نئے مسئلے کھڑے کرتے رہتے ہیں اور مسلمان نوجوانوں کے دلوں میں شکوک کا بیج بودیتے ہیں۔

سبق پڑھ پھر صداقت کا، عدالت کا، شجاعت کا

اب یہ عوام ان مسائل کو لے کر علماء کے پاس آتے ہیں اور ان کے پاس جواب نہیں ہوتا، ان کو ان مسائل کا علم ہی نہیں ہوتا، ہمیں تو اس کے لیے پہلے سے تیار رہنا تھا لیکن آپ نہیں جانتے تو آپ کے قریب بہت سے مدارس ہیں، جہاں بڑے بڑے علماء رہتے ہیں، دارالافتاء موجود ہے، وہاں مفتیان موجود ہیں، ان سے رابطہ کر لیجیے، ان کے پاس جایئے اور کہیے کہ آج کل اخبارات میں یہ مسئلہ چل رہا ہے، آپ اس کے بارے میں معلومات فراہم کیجیے۔

ابھی قربانی کے دنوں میں دیکھا ہوگا کہ اخبار والوں نے قربانی کے متعلق کیا چھیڑ دیا۔ایسے موقع پر ضرورت تھی کہ ہر بستی کے اندر علماء مسلمانوں کے ذہنوں کو درست کرنے کا اہتمام کرتے۔ یہ ہمارا فریضہ ہے، ایسا کوئی بھی موقع آجائے تو ہم عوام کی دینی اعتبار سے صحیح رہنمائی کریں۔

مسلمانوں کے دلوں سے غلط عقائد کا ازالہ

نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عادتِ شریفہ تھی

نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عادتِ شریفہ کیا تھی؟ آپ کی عادت یہ تھی ۔ بخاری شریف میں روایت موجود ہے کہ صلحِ حدیبیہ کے موقع پر حدیبیہ کے اندر قیام تھا، رات کو بارش ہوئی تو فجر کی نماز کے بعد نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لوگوں سے کہا کہ تمھیں معلوم ہے کہ باری تعالیٰ نے کیا فرمایا؟ باری تعالیٰ نے فرمایا کہ بعضے بندے وہ ہیں جنھوں نے ایسی حالت میں صبح کی کہ وہ میرے اوپر ایمان رکھتے ہیں اور بعضے بندے وہ ہیں جو میرے منکر ہیں- یعنی زمانۂ جاہلیت میں جب بارش ہوا کرتی تھی تو ''نکھشتر'' کی طرف منسوب کرتے تھے کہ فلانے نکھشتر کی وجہ سے بارش ہوئی - اور بعض وہ ہیں جنھوں نے اس حالت میں صبح کی کہ وہ نکھشتر پر ایمان رکھتے ہیں اور میرا انکار کرتے ہیں (۱)۔

تو دیکھیے! جب بارش ہوئی تو بارش کے متعلق زمانۂ جاہلیت کا جو ایک عقیدہ تھا، اس کو دفع کرنے کا نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اہتمام فرمایا۔

سورج گرہن کے موقع پر

لوگوں کے عقائد درست کرنے کا نبوی اہتمام

نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صاحبزادے حضرتِ ابراہیم کا انتقال ہوا تو اتفاقاً اسی دن

---

(۱) صحیح البخاری، عَنْ زَیْدِ بْنِ خَالِدٍ، رَضِيَ اللّٰہُ عَنْہُ، باب غَزْوَۃِ الْحُدَیْبِیَۃِ.

سورج گرہن ہو گیا۔ آپ نے سورج گرہن کی نماز پڑھائی اور نماز سے فارغ ہو کر آپ نے تقریر کی اور فرمایا: إِنَّ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ آيَتَانِ مِنْ آيَاتِ اللهِ کہ: یہ سورج اور چاند اللہ تبارک وتعالیٰ کی نشانیوں میں سے دو بڑی نشانیاں ہیں، ان کو کسی کی موت یا کسی کے پیدا ہونے کی وجہ سے گرہن نہیں لگتا۔

موقع کی مناسبت سے لوگوں کے نظریات درست کرنے کا اہتمام سنتِ نبوی ہے

زمانۂ جاہلیت کا ایک عقیدہ تھا، وہ یہ سمجھتے تھے کہ جب کوئی بڑا آدمی مر جائے یا کوئی بڑا آدمی پیدا ہو تو سورج کو گرہن لگتا ہے۔ جب حضرتِ ابراہیم کا انتقال ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے موقع غنیمت سمجھ کر کے اس موقع پر آپ نے یہ تقریر فرمائی۔ درحقیقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اہلِ علم کے لیے ایک سنت جاری کی کہ جیسا موقع ہو، اس موقع کی مناسبت سے لوگوں کے افکار کو، ان کے نظریات کو، ان کے عقائد کو درست کرنے کے لیے ہمیں فکر کرنی چاہیے۔

کر سکتے تھے جو اپنے زمانے کی امامت

عملی اعتبار سے بھی جو کمزوریاں پائی جاتی ہیں، انھیں دور کرنے کی کوشش کی جائے۔ شادی بیاہ کا موقع ہے تو شادی بیاہ میں جو رسم ورواج ہوتے ہیں، ان سے لوگوں کو آگاہ کیا جائے اور ان کو دور کرنے کی سعی کی جائے۔ لوگ تو نہیں جانتے کہ یہ غیر اسلامی طور طریق ہیں اور ان کو کرنے کی وجہ سے کیا نقصان ہے؟ لیکن ہمارے اندر

بھی یہ کمزوری آگئی کہ ان سارے رسم ورواج کو ہم خود کرنے لگے۔

وہ کہنہ دماغ ہیں اپنے زمانے کے پیرو

ایک صاحب نے مجھے بتایا کہ ایک جگہ نکاح تھا، وہاں موسالا نکلا تو ایک مولوی صاحب آکر اس میں شریک ہوگئے۔ یہ موسالا کیا ہے؟ زمانۂ جاہلیت کی ایک رسم ہے، حالاں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: أَبْغَضُ النَّاسِ إِلَى اللهِ ثَلاَثَةٌ، اس کے اندر ایک یہ بھی ہے: وَمُبْتَغٍ فِي الإِسْلاَمِ سُنَّةَ الْجَاهِلِيَّةِ: **مسلمان ہوتے ہوئے** زمانۂ جاہلیت کے رسم ورواج کو جو آدمی پسند کرے، جاری کرے، وہ بھی عنداللہ مبغوض ہے[1]۔ ایسے موقع پر ہمیں اپنا عمل تو بالکل صاف رکھنا ہی ہے، لوگوں کے اعمال کے درستگی کی فکر بھی کرنی ہے۔

یہی ہے رختِ سفر میرِ کارواں کے لیے

ہمیں ہر موقع پر اپنے اعمال کو درست رکھنا ہے، چاہے عبادات ہوں، معاملات ہوں، معاشرت ہو۔ معاشرت کے جتنے بھی کام ہیں، شادی بیاہ وغیرہ کے موقع پر ہمیں سنتوں کا اہتمام کرنا ہے اور ہم تحقیق کرتے رہیں، اگر ہمیں بتادیا جائے کہ فلاں کمزوری ہے تو اصلاح کی فکر کریں اور دوسرے لوگ جو کمزوری کے اندر مبتلا ہیں، ان کو محبت سے، حکمت سے آگاہ کر کے ان برائیوں کو دور کرنے کے لیے محنت کریں، اس میں بھی طریقہ حکمت وموعظت کا اختیار کیا جائے ایسا طریقہ اختیار نہ کریں کہ وہ

(۱) صحیح البخاری، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ تعالیٰ عنہما، باب من طلب دم امرئ بغیر حق.

ماننے کے بجائے الٹا ضد کے اوپر آجائیں۔

دعوت وتبلیغ کے مقامی کاموں میں بھی حصہ لیں

ہم جس گاؤں کے اندر رہ رہے ہیں، وہاں اپنے فارغ اوقات میں مقامی کاموں میں بھی حصہ لیں، دعوت وتبلیغ کے کام میں شرکت کریں۔ مسجد کے اندر کتاب کی تعلیم ہورہی ہے اور ایک عامی آدمی تعلیم کررہا ہے تو آپ آگے بڑھئے اور کہئے کہ میں یہ خدمت انجام دینے کے لیے تیار ہوں، آپ مجھے اس کا موقع دیجیے۔ اسی طرح دعوت وتبلیغ کے مقامی کام گشت وغیرہ میں بھی حصہ لیجیے۔ آپ کے لیے ضروری ہے کہ آپ لوگوں سے ملیں اور ان کو اللہ کی طرف بلائیں۔ ہمارے ''۲۴'' گھنٹے اس طرح گذرنے چاہئیں، فضولیات میں نہیں۔

وقتِ فرصت ہے کہاں، کام ابھی باقی ہے

آپ جن حالات میں رہ کر کے بچوں کی تعلیم وتربیت کا کام انجام دے رہے ہیں اور جن حالات میں رہ کر کے آپ نے علم حاصل کیا ہے، وہ قابلِ مبارک باد ہے، بڑی مشقتوں سے یہ علم حاصل کیا، بہت ساری قربانیاں دیں۔ اب جب دین کی خدمت کررہے ہیں تو وہاں بھی قربانیاں دے رہے ہیں، اس سے انکار نہیں ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ کو یہ سعادت عطا فرمائی ہے کہ اپنے دین کی نشرو اشاعت کے لیے قبول کیا لیکن ضرورت ہے کہ ہم اس میں مزید محنت کریں۔

جو ہر نفس سے کرے عمرِ جاوداں پیدا

نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: من استوی یوماہ فھو مغبون: جس کے دو دن برابر ہیں، یکساں ہوں، وہ مغبون ہے[۱]۔ ہمارا آنے والے کل کا دن آج کے دن سے بہتر ہو، آج اگر دو عملِ صالح کریں تو کل تین چار کریں، دین کے اعتبار سے ترقی ہو۔ بہرحال! ہمیں اپنا جائزہ لیتے رہنا چاہیے۔

امت کے دین کا فکر ہمارا اوڑھنا بچھونا ہو

ہمارے طبقے کا حال یہ ہونا چاہیے کہ جب ہماری آپس میں ملاقات ہو تو گفتگو کا موضوع یہی چیز ہو کہ آپ جہاں پڑھاتے ہیں، وہاں کے کیا حالات ہیں؟ لوگوں کا مزاج کیسا ہے؟ تم کس طرح کام کرتے ہو؟ تم نے اس کام کے دوران کن طریقوں کو اپنایا اور تمھیں کتنی کامیابی حاصل ہوئی؟ اس کے کیا فائدے نظر آئے؟ میں اس طرز پر کام کر رہا ہوں اور اس کے یہ نتائج سامنے آرہے ہیں۔ یہ نہیں کہ ملے اور تن خواہ پر بات شروع کردی کہ میری اتنی تن خواہ ہے، تمھاری تن خواہ کتنی ہے؟ ہم جب ملتے ہیں تو یہ تن خواہ ہی موضوعِ گفتگو ہوتی ہے، اس سے ہم اندازہ لگا سکتے ہیں کہ ہمارا فکر اور نظریہ کیسا بدل چکا ہے۔

تجھے آباء سے اپنے کوئی نسبت ہو نہیں سکتی

بخاری شریف میں روایت ہے، جب نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ

---

(۱) مسند الفردوس، عن علي بن أبي طالب رضی اللہ عنہ، رقم الحديث: ۵۹۱۰.

اورحضرت ابوموسی اشعری رضی اللہ عنہ کو یمن کی طرف دو الگ الگ جگہ کا ذمہ دار بنا کر بھیجا تھا تو جب یہ دونوں باہم ملتے تو پوچھتے۔ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوموسی اشعری رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ تم قرآنِ پاک کی کتنی تلاوت کرتے ہو؟ تو انھوں نے بتایا اور پھر انھوں نے ان سے پوچھا کہ تم کتنی تلاوت کرتے ہو؟ تو انھوں نے اپنی تلاوت کی مقدار بیان کی[(۱)]۔ ان میں سے کسی نے دوسرے سے نہیں پوچھا کہ تمھارے بچے کتنے ہیں؟ آپ کتنی تن خواہ پاتے ہیں؟ آپ کی آمدنی کتنی ہے؟

رہے دیکھتے اوروں کے عیب و ہنر

جو لوگ بستی کے اندر دین کی فکر رکھنے والے ہیں، یہ دعوت وتبلیغ کا جو سلسلہ ہے، اس میں اللہ تعالیٰ کے بہت سے بندے ایسے ہیں جو اخلاص کے ساتھ لوگوں کی فکر رکھتے ہیں، کچھ کمزوریاں اپنی جگہ پر ہیں، کمزوریاں تو ہمارے اندر بھی ہیں، ہم بھی کوئی دودھ کے دھلے نہیں ہیں؛ اس لیے ایسا نہیں ہونا چاہیے ان کی ان کمزوریوں کی وجہ سے ہم اپنے آپ کو اس کام سے الگ کردیں، ورنہ کل اللہ تبارک وتعالیٰ کے یہاں سوال ہوگا کہ دین کی فکر والے اس کام میں شرکت کیوں نہیں کی؟

تو کرے پورے یقیں کے ساتھ گر اس کام کو

میں تو کہا کرتا ہوں کہ ہمارے علماء کے اندر وہ دل سوزی اور وہ فکر آجائے جو

---

(۱) صحیح البخاری، عَنْ أَبِي بُرْدَةَ رضی اللہ عنہ، باب بَعْثِ أَبِي مُوسَى وَمُعَاذٍ إِلَى الْيَمَنِ قَبْلَ حَجَّةِ الْوَدَاعِ.

ان کے اندر ہے اور جس کو یہ حضرات لے کر چل رہے ہیں تو بیڑا پار ہے، یہی ایک کمزوری ہمارے اندر ہے، اگر یہ دور ہو جائے تو إن شاء اللہ دعوت وتبلیغ کے اندر اصل رنگ آ جائے گا۔ یہ بات آپ کو گراں گذر رہی ہوگی، میں جانتا ہوں لیکن ضرورت ہے کہ اپنے دل کے اندر اس فکر کو، اس دل سوزی کو، اس درد و گھٹن کو پیدا کر لیں تو میں تو سمجھتا ہوں کہ یہ سارے مسائل حل ہو جائیں گے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ ہمیں ان باتوں پر عمل کی توفیق اور سعادت عطا فرمائے۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔

رہنمائے معلمین

اقتباس

آپ اس وقت اپنے متعلق سوچیے کہ آپ کے دورِ طالبِ علمی میں جن اساتذہ کی طرف سے آپ کے ساتھ خصوصی شفقت کا معاملہ کیا گیا، آپ کے حال پر خصوصی توجہ کی، اس وقت آپ اپنے دل میں ان اساتذہ کے متعلق کن جذبات کو محسوس کر رہے ہیں؟ جب ان کا تصور آتا ہے تو آپ دل سے ان کے لیے دعائیں کرتے ہیں، ان کے مراتب کی بلندی کے لیے دعائیں کرتے ہیں اور آپ کی کوشش ہوتی ہے کہ کسی طرح اللہ تبارک وتعالیٰ ان کو اپنے خصوصی انعامات سے مالا مال فرمائے۔ اگر آپ چاہتے ہیں کہ وہی کیفیت آپ کے ان تمام طلبہ کے دلوں میں آپ کے لیے بھی پیدا ہو جو کیفیت آپ کے دل میں آپ کے ان اساتذہ کے حق میں محسوس کر رہے ہیں تو اس کا آسان طریقہ یہی ہے کہ آپ بھی ان بچوں کے ساتھ وہی معاملہ کریں جو آپ کے ساتھ آپ کے ان اساتذہ نے کیا تھا۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

الحمد لله رب العالمين، والصلوة والسلام على سيد المرسلين، سيدنا ونبيّنا وحبيبنا وشفيعنا محمد وآله وأصحابه أجمعين، أما بعد:

فقال النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: كُلُّكُمْ رَاعٍ وَكُلُّكُمْ مَسْؤُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ (۱).

یہ قدم اٹھتے نہیں، اٹھائے جاتے ہیں

محترم علماءِ کرام! اللہ تبارک وتعالیٰ نے درس وتدریس کا ایک موقع آپ حضرات کو عطا فرمایا ہے، یہ بھی اللہ تبارک وتعالیٰ کا ایک بہت بڑا انعام ہے، ورنہ آپ کے پڑھنے کے زمانے کے بہت سے رفقاء اور ساتھی جو حصولِ علم میں آپ کے ساتھ تھے اور ان میں بہت ایسے بھی تھے جو علمی صلاحیت اور استعداد کے اعتبار سے آپ سے بڑھے ہوئے تھے، اس چیز کو خود آپ نے محسوس کیا ہوگا لیکن اب جب کہ وہ حصولِ علم سے فارغ ہو چکے ہیں اور اپنے اپنے کام میں لگ چکے ہیں، آپ ان کو دیکھیں گے اور ان کے متعلق سوچیں گے تو پائیں گے کہ وہ دوسرے مشغلوں میں لگ چکے ہیں، کوئی کھیتی باڑی میں مصروف ہے، کوئی کسی تجارت میں لگا ہوا ہے، کوئی ہوٹل کھول کر بیٹھا ہے یا کسی اور کاروبار میں لگا ہوا ہے یا گھر پر ایسا ہی بے کار فارغ بیٹھا ہوا ہے، حالاں کہ ہوسکتا ہے کہ وہ علمی صلاحیت اور استعداد کے اعتبار سے آپ سے بڑھ کر ہو۔

مقامِ غور وفکر

اس موقع پر ضرورت تھی کہ ہم سوچتے کہ آخر اللہ تبارک وتعالیٰ نے مجھے جو یہ

---

(۱) صحيح البخاری، عَنِ ابْنِ عُمَرَ، رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا، باب الْعَبْدُ رَاعٍ فِي مَالِ سَيِّدِهِ، وَلاَ يَعْمَلُ إِلاَّ بِإِذْنِهِ.

موقع عطا فرمایا اور میرے ساتھی کو مجھ سے زیادہ باصلاحیت اور بڑا عالم ہونے کو باوجود اس سے محروم کر دیا گیا، آخر اس کی کیا وجہ ہے؟ کوئی تو وجہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہمیں اس کا موقع دیا اور ہم یہاں اپنے علم سے خود بھی فائدہ اٹھا رہے ہیں اور دوسروں کو بھی فائدہ پہنچا رہے ہیں؟ اسی کے لیے اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے اپنے علم کو پھیلانے، اپنے علم کو دوسروں تک پہنچانے، اپنے علم سے دوسروں کو فائدہ اٹھانے کا موقع فراہم کیا جا رہا ہے۔ یہ بھی اللہ تبارک وتعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے۔

اساتذہ کو طلبہ کا شکر گزار ہونا چاہیے

ہمارے حضرت مفتی صاحب علیہ الرحمۃ فرمایا کرتے تھے کہ اساتذہ کو چاہئے کہ وہ طلبہ کے شکر گزار رہوں کہ انھوں نے اپنے قلوب کی زمین کو آپ کے علم کی تخم ریزی کے لیے پیش کیا کہ آپ اپنے علوم کا بیج ان کے قلوب کی زمین میں بو رہے ہیں، یہ ان کا ہم پر احسان ہے اور ان کے اس احسان کا تقاضا یہ ہے کہ ہم ان کے ساتھ پوری ہم دردی اور بھلائی کے ساتھ پیش آئیں۔

طلبہ کے ساتھ حسنِ سلوک کی نبوی وصیت

حدیث میں بھی ہے، حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت ہے، اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ لوگ تمھارے پاس علم حاصل کرنے کے لیے آئیں گے، تم ان کے ساتھ بھلائی کا سلوک کرنا(۱)۔

---

(۱) سنن ابن ماجة، عن أَبِی سَعِیدٍ الْخُدْرِيّ رضی اللہ عنہ، بَابُ الْوَصَاةِ بِطَلَبَةِ الْعِلْمِ.

باپ اپنی اولاد کو کچھ بنانے کے لیے سب کچھ داؤ پر لگا دیتا ہے

اساتذہ کو بھی چاہیے کہ وہ اپنے طلبہ کے ساتھ پوری ہم دردی سے پیش آئیں، جیسے ایک آدمی اپنے بیٹے کی پوری خیر خواہی کرتا ہے اور اس کے لیے کوشش کرتا ہے کہ وہ ہر اعتبار سے کامل و مکمل بن جائے، اگر چہ ملتا اس کو وہی ہے جو اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے اس کے لیے مقدر ہے لیکن اس کے باوجود اس کی پوری کوشش یہی ہوتی ہے کہ وہ کامل و مکمل بنے اور وہ اس کے لیے اپنی ساری توانائیاں، اپنی ساری صلاحیتوں کو استعمال کر ڈالتا ہے۔

طلبہ ہماری روحانی اولاد ہیں

اسی طرح یہ بچے جو ہمارے پاس پڑھ رہے ہیں، ویسے بھی ہم ان کو اپنی روحانی اولاد سے تعبیر کرتے ہیں تو جیسے وہ جسمانی اولاد ہے، یہ روحانی اولاد ہے تو جسمانی اولاد کی جس طرح ہم خیر خواہی کرتے ہیں، ان کے لیے دل سے متمنی ہوتے ہیں، ان کے لیے زبان سے دعائیں کرتے ہیں، ان کے لیے کوششیں کرتے ہیں۔ اسی طرح ان کے لیے بھی ہماری پوری کوشش ہونی چاہیے۔

جسمانی اولاد کی بہ نسبت روحانی اولاد سے فائدہ زیادہ متوقع ہوتا ہے

بلکہ ہماری جسمانی اولاد ہم کو اتنا فائدہ نہیں پہنچائے گی، اگر چہ وہ دنیوی اعتبار

سے ہے لیکن یہ اگر کامیاب ہو گئے، انھوں نے اگر علم حاصل کر لیا اور آگے جا کر کے اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان کو بھی دین کی خدمت کا موقع دیا اور ان سے لوگوں کو فائدہ پہنچا تو جو کچھ بھی ان سے فیض پہنچے گا ان کے ان سارے فیوض میں آپ کا برابر کا حصہ رہے گا اور ان کی طرف سے فیض کے پہنچنے پر اللہ تبارک وتعالیٰ کے یہاں آپ کو جو ثواب ملے گا، جو اجر ملے گا اور اس کی وجہ سے آخرت میں آپ کے جو مراتب بلند ہوں گے، ظاہر ہے کہ اگر آپ کی جسمانی اولاد میں یہ صفت اور خوبی نہیں ہے تو ان سے آپ کو اتنا فائدہ نہیں پہنچے گا۔ ہوسکتا ہے کہ وہ دنیا میں کچھ کما کر کے آپ کے لیے کھانے پینے کے معاملے میں، رہائش کے معاملے میں، آپ کو مادّی ضرورتیں بہم پہنچانے کے معاملے میں آپ کے کچھ مددگار ثابت ہوں لیکن ظاہر ہے کہ یہ مادّی فوائد دنیا کی زندگی تک محدود ہیں، آخرت کے مراتب کی بلندی اور آخرت میں اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے جو نوازش ہوگی، اور جو اجر وثواب ملے گا، وہ تو روحانی اولاد ہی کے ذریعہ حاصل ہوگا۔ تو ایک اعتبار سے دیکھا جائے تو ان کا فائدہ جسمانی اولاد سے بھی زیادہ ہے۔ اگر جسمانی اولاد بھی اس صفت سے مالا مال ہے تو نُورٌ علی نور لیکن اگر وہ اس صفت سے آراستہ نہیں ہے تو یوں کہنا چاہیے کہ ہماری حقیقی اولاد کے مقابلے میں ان روحانی اولاد سے ہمیں زیادہ فائدہ پہنچتا ہے اور پہنچ سکتا ہے، ہم ان پر جتنی زیادہ محنت کریں گے اور جتنا بھی قابل بنائیں گے، اسی مناسبت سے ہمیں ان سے فائدہ پہنچے گا۔

اپنے ساتھ آپ کے اساتذہ کی خصوصی توجہ کا استحضار بھی کیجیے

آپ اس وقت اپنے متعلق سوچیے کہ آپ کے دورِ طالبِ علمی میں جن اساتذہ

کی طرف سے آپ کے ساتھ خصوصی شفقت کا معاملہ کیا گیا، آپ کے حال پر خصوصی توجہ کی، اس وقت آپ اپنے دل میں ان اساتذہ کے متعلق کن جذبات کو محسوس کر رہے ہیں؟ جب ان کا تصور آتا ہے تو آپ دل سے ان کے لیے دعائیں کرتے ہیں، ان کے مراتب کی بلندی کے لیے دعائیں کرتے ہیں اور آپ کی کوشش ہوتی ہے کہ کسی طرح اللہ تبارک وتعالیٰ ان کو اپنے خصوصی انعامات سے مالا مال فرمائے۔ اگر آپ چاہتے ہیں کہ وہی کیفیت آپ کے ان تمام طلبہ کے دلوں میں آپ کے لیے بھی پیدا ہو جو کیفیت آپ کے دل میں آپ کے ان اساتذہ کے حق میں محسوس کر رہے ہیں تو اس کا آسان طریقہ یہی ہے کہ آپ بھی ان بچوں کے ساتھ وہی معاملہ کریں جو آپ کے ساتھ آپ کے ان اساتذہ نے کیا تھا۔

صلبی اولاد والا جذبہ ہمارے دلوں میں طلبہ کے بارے میں بھی ہونا چاہیے

تو آپ ان کی طرف پوری توجہ دیجیے، ہماری طرف سے ان پر شفقت اور محنت میں کوئی کمی نہیں ہونی چاہیے اور میرا اپنا تجربہ یہ ہے کہ ہم اپنے جس ارادے سے ان کے ساتھ معاملہ کرتے ہیں، یعنی آپ کے دل میں یہ جذبہ ہوتا ہے کہ میں جس طرح چاہتا ہوں کہ میرا اپنا جسمانی بیٹا علم کے معاملے میں کامل ومکمل ہو، اسی طرح یہ جتنے بھی بچے میرے پاس پڑھتے ہیں، میں ان کے دلوں میں بھی علم کو اتار دوں، میری کوشش یہ ہے، بھلے اس کو ملے گا وہی جو اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے اس کے لیے مقدر ہے،

اگراس طرح کی نیت کے ساتھ محنتیں کی جائیں گی تو اس کی وجہ سے ان کو بہت زیادہ فائدہ پہنچے گا اور ان کو پہنچنے والا یہ فائدہ آگے جا کر کے ہمارے پاس ''اَضۡعَافًا مُّضٰعَفَةً'' ہوکر لوٹے گا۔ یہ پڑھانے کا اجر تو اپنی جگہ پر ہے پھر جب وہ پڑھائیں گے تو اس کی وجہ سے ہمیں اس سے بھی زیادہ اجر ملے گا؛ اس لیے اس کیفیت کو ہمارے دلوں کے اندر پیدا کرنا ضروری ہے۔

یہی ہے رختِ سفر میرِ کارواں کے لیے

یہی وہ محبت کی، دل سوزی کی، ہم دردی کی کیفیت ہے جو ایک استاذ اور طالبِ علم کے درمیان میں وہ رشتہ پیدا کرتی ہے جس کے نتیجے میں یہ سلسلہ آگے بڑھتا ہے؛ اس لیے بنیادی طور پر آپ کی کوشش یہی ہونی چاہیے کہ آپ کے دلوں میں یہی جذبات کارفرما ہوں۔

اسباق سے پہلے اس کی تیاریاں نہ کرنا خیانت اور قابلِ مواخذہ ہے

پھر آگے کے مراحل میں جو چیز پڑھائی جارہی ہے اور آپ جو چیز پڑھا رہے ہیں، اس کے طور وطریق کیا ہیں؟ تو وہ بھی ہمارے اساتذہ نے ہم کو بتلائے، کتابوں میں بھی لکھے ہوئے ہیں کہ بھائی! کسی بھی فن کو پڑھانے کے لیے جو پیشگی تیاریاں کرنی چاہئیں، ہماری طرف سے اس میں کوتاہی نہیں ہونی چاہیے۔ اگر ہماری طرف سے کوتاہی اور غفلت ہے تو یہ ایک طرح کی خیانت ہوگی اور اللہ تبارک وتعالیٰ کے یہاں ہمیں اس کا جواب دینا پڑے گا۔ طالبِ علم کو صحیح طریقے سے پڑھانا چاہیے۔

شروع میں اول نمبر لانے والے طلبہ آخری دور میں ناکام کیوں ہوتے ہیں؟

ہم دیکھتے ہیں کہ بچے جب شروع میں آتے ہیں تو آپ کو بھی تجربہ ہوگا کہ مدرسے میں ایسے بہت سے بچے ہوتے ہیں کہ فارسی، عربی اول میں اول نمبر لاتے ہیں اور وہی بچے جب آگے دورے تک پہنچتے ہیں تو بعضوں کی نوبت تو یہاں تک پہنچتی ہے کہ وہ ناکام ہوجاتے ہیں تو ایک طالبِ علم جس کا فارسی، عربی اول میں اول نمبر آتا تھا، آخر دورے میں پہنچ کر ناکام کیوں ہونے لگا؟ کیا وجہ ہے؟ ہم نے کبھی اس پر غور نہیں کیا۔ یہ طالبِ علم اتنا زیادہ پیچھے کیوں ہوگیا کہ اب کم از کم پاس بھی نہیں ہوتا؟

ابتدائی تعلیم کے اساتذہ کی ذمہ داریاں بہت بڑی اور زیادہ ہیں

پھر یہ بھی کہ بہت سے بچے ذہنی اعتبار سے بہت اچھے ہوتے ہیں یعنی سمجھنے اور یاد کرنے کی ان میں صلاحیت ہوتی ہے لیکن ابتدائی تعلیم میں ان کے اوپر جس نوع کی محنت ہونی چاہیے تھی اور ابتدائی دور میں اس فن سے اس کو مناسبت پیدا کرانے کے لیے جس انداز میں استاذ کی طرف سے اس کی تربیت ہونی چاہیے تھی، اس میں کمی ہوگئی، یہ جو ابتدائی تعلیم دینے والے اساتذہ ہیں، ان کی ذمہ داری بہت بڑی ہے، ان ہی کے طرزِ عمل پر اس پڑھنے والے طالبِ علم کی آئندہ زندگی اور اس کے مستقبل کا دارومدار ہوا کرتا ہے۔ اب اگر ابتدائی کتابیں آپ کے پاس پڑھیں اور وہ نحو نہیں سمجھ پایا، حالاں کہ اس کی ذہنی سطح اور صلاحیت سمجھنے بوجھنے کی ہے لیکن آپ نے اس کو سمجھانے کے لیے جیسا

انداز اختیار کرنا چاہیے، وہ نہیں کیا اور آپ کی طرف سے جو کوتاہی ہوئی، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ فنِّ نحو کو کما حقہ سمجھ نہیں پایا، صرف کما حقہ سیکھ نہیں پایا، اس کا اثر یہ ہوگا کہ آئندہ اس کی پوری علمی زندگی ضائع اور برباد ہوجائے گی تو ظاہر ہے کہ اس سب کی ذمہ داری ہمارے اوپر آئے گی، کل کو اللہ تبارک وتعالیٰ کے یہاں ہم کو جواب دینا پڑے گا کہ ان کی صلاحیت کو ضائع کرنے میں تمھاری غفلت کو اور تمھاری طرف سے محنت کی کمی کو بھی دخل ہے تو اللہ تبارک وتعالیٰ کے یہاں اس کی جواب دہی ہوگی، اس کا بھگتان ہم کو کرنا پڑے گا۔

اور نام تیرا لیں تو ادب سے لیا کریں

بہرحال! یہ بہت بڑی ذمہ داری ہے؛ اس لیے ہماری طرف سے پابندی اسباق اور وقت کی حاضری کی پابندیاں بھی ہونی چاہئیں اور پھر یہ ایک عقدِ اجارہ بھی ہے اور میں تو یوں کہا کرتا ہوں کہ ہمیں اپنا مزاج ہی اس انداز کا بنانا چاہیے اور ہمیں اپنی زندگی کے طور وطریق اس طرح سے وضع کرنے چاہئیں کہ کسی کو انگلی اٹھانے اور اعتراض کرنے کا موقع نہ ملے، ہم خود اس سلسلے میں اپنی ذات کے اوپر سختی کریں اور اپنے آپ کو اتنا پابند بنائیں کہ مثال دینے والے آپ کی مثال دیا کریں، کسی معاملے میں بھی ہماری طرف سے کوتاہی صادر نہ ہو: اوقات کی پابندی ایسی ہو کہ مہتمم صاحب کو یا کسی اور کو کہنے کی نوبت پیش نہ آئے، کسی کو اعتراض کرنے کا موقع نہ ملے کہ فلاں وقت پر حاضر نہیں ہوتا۔

ہمارے اسلاف اور وقت کی پابندی

ہمارے اساتذہ اور اسلاف کا یہی حال تھا۔ حضرت مولانا بدرِ عالم صاحب میرٹھیؒ

کے بارے میں ہمارے اساتذہ سناتے تھے کہ صبح جب درس گاہ میں قدم رکھتے تھے تو گھنٹی کی پہلی آواز آئی کہ ان کا قدم درس گاہ میں ہوتا تھا، ''۱۷'' سال تک ڈابھیل میں اس انداز سے پڑھایا کہ کسی دن وقت پر حاضری کی پابندی میں کوتاہی نہیں ہوئی۔

تجھے آباء سے اپنے کوئی نسبت ہو نہیں سکتی

اب ہمارے یہاں یہ ہوتا ہے کہ پانچ دس منٹ تو کہیں گئے ہی نہیں اور بہت سی مرتبہ تو پہلے گھنٹے کا آدھا حصہ بھی اِدھر اُدھر ہو جاتا ہے۔ اگر کسی عذر کی وجہ سے کبھی کبھار ایسی نوبت آ جائے تو ٹھیک ہے، قابلِ عفو ہے لیکن آدمی اپنا مزاج ہی ایسا بنا لے، عادت بنا لے تو یہ بہت بری بات ہے۔ ہمارے بزرگوں کے حالات ہم پڑھتے ہیں تو وہ اس کی اجازت نہیں دیتے اور پھر عقدِ اجارہ کا جو تقاضا ہے تو امانت کے طور پر، دیانت کے طور پر ویسے بھی اس کی پابندی ہمارے لیے ضروری ہے؛ اس لیے اس کا اہتمام کیا جائے۔

ہمارا طرزِ زندگی طلبہ کی صحیح تربیت کا باعث ہے

اور پھر آپ کی یہ پابندی آپ کے پاس پڑھنے والوں کی بھی تربیت کرتی ہے، آپ اگر اس انداز سے رہیں گے تو آپ کے پاس پڑھنے والے بچوں کا مزاج بھی ایسا ہی بنے گا۔ آپ نے دیکھا ہوگا کہ جو اساتذہ وقت کی پابندی کے ساتھ درس گاہ میں آتے ہیں، ان کی کلاس میں کوئی بھی طالبِ علم دیر نہیں کرے گا؛ اس لیے کہ وہ جانتے ہیں کہ جب استاذ خود پابندی کرتے ہیں تو میرے لیے بھی وقت پر حاضری ضروری ہے اور جہاں استاذ کی طرف سے اس طرح کی فروگذاشت ہوتی ہے، وہاں طلبہ کی طرف

سے بھی غفلت دیکھنے کو ملتی ہے، گویا ہمارا عمل ہی طلبہ کی صحیح تربیت کا ذریعہ بنتا ہے؛ اس لیے ہمیں اس کا اہتمام کرنا ہے۔

ذرا نم ہو تو یہ مٹی بڑی زرخیز ہے ساقی

اوقات کی پابندی کے علاوہ طلبہ کے سامنے سبق بہترین انداز میں دینا، پھر طلبہ میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے جو صلاحیتیں رکھی ہیں، آپ اپنے درس کے اندر ہر ایک کی صلاحیت کے مطابق اس کے ساتھ معاملہ کر کے ہر ایک کی صلاحیت کو اجاگر کرنے کی کوشش کریں۔ خاص کر کے ابتدائی درجوں کی تعلیم میں اس کا لحاظ کیا جائے، استاذ کو چاہیے کہ طالبِ علم کا سبق بھی سنے اور اس کی طرف سے کوتاہی ہو تو اس کو متنبہ کرے، اس کی نگرانی کرے اور اس کو سست بننے کا موقع نہ دے، اگر یہ ساری چیزیں آپ کی طرف سے عملی طور پر پائی جائیں گی تو اِن شاء اللہ ان کا علمی معیار بلند ہوگا، طالبِ علم بھی اچھی صلاحیتوں والے پیدا ہوں گے اور مدرسے کا نام بھی روشن ہوگا، یہ اساتذہ کی محنت پر، ان کی توجہ اور لگن کے اوپر موقوف ہے؛ اس لیے آپ کو چاہیے کہ آپ خصوصی طور پر اس کا اہتمام کریں۔

مشک آن است کہ خود ببوید

اور آپ کے اس طرح کرنے سے مدرسے کا علمی معیار بھی بلند ہوگا، مدرسے کی بھی نیک نامی ہوگی، جب محنتیں ہوتی ہیں نا تو کسی کو کہنے جانے کی ضرورت نہیں ہوتی، مشک آن است کہ خود ببوید، نہ آن است کہ عطار بگوید، کہ: مشک وہ جو خود مہکتا ہے، کسی

کو کہنے جانے کی ضرورت پیش نہیں آتی کہ یہ مشک ہے، لے لو، لے لو۔ مشک کے اندر سے تو خود ہی ایسی خوشبو مہکتی ہے کہ لوگ اس کو محسوس کر لیتے ہیں۔ ایسے ہی اگر آپ کے یہاں تعلیمی اعتبار سے محنت ہوگی، تربیتی انداز اچھا ہوگا تو آپ کے مہتمم صاحب کو اس کے لیے اشتہار دینے کی یا لوگوں کو کہنے کی ضرورت پیش نہیں آئے گی، لوگ خود دوڑے ہوئے آئیں گے۔ جہاں اس نوع کی محنت ہوتی ہے، وہاں مدرسے والوں کو ''نا'' کہنا پڑتا ہے کہ ہمارے یہاں جگہ نہیں، ہم نہیں لے سکتے تو لوگ خود آرہے ہیں اور جہاں یہ چیز نہیں ہے تو وہاں چاہے لوگ اپنی تعلیم کا ڈِھنڈورا پیٹتے رہیں لیکن لوگ اس کی طرف توجہ نہیں کرتے۔

ایک قدرتی نظام

یہ تو قدرت کا ایک نظام ہے اور ویسے بھی قدرت کا ایک نظام ہے: وَاَمَّا مَا يَنْفَعُ النَّاسَ فَيَمْكُثُ فِي الْاَرْضِ: جو چیز نافع ہوتی ہے، وہ باقی رہتی ہے تو آپ بھی مدرسے کے اندر جتنی نافعیت ثابت کریں گے، اتنا ہی مدرسے میں بقاء کے اسباب قدرت کی طرف سے آپ کے لیے مہیا کیے جائیں گے۔

جیسی کرنی ویسی بھرنی

بہت سی مرتبہ ہمارے لیے حالات پیدا ہو جاتے ہیں، مدرسہ چھوڑنا پڑتا ہے اور ایسی شکلیں پیدا ہو جاتی ہیں تو اس کی وجوہات اندرونی طور پر اور تکوینی طور پر یہ ہوتی ہیں کہ ہم نے اپنی ذمہ داریوں کو ادا کرنے میں کوتاہی برتی ہوتی ہے، جس کا قدرتی

نتیجہ ان حالات کی شکلوں میں ظاہر ہوتا ہے اور اس کی وجہ سے ہمارے لیے آگے کام کرنا، خدمات انجام دینا اور اپنی علمی خدمات کو باقی رکھنا ممکن نہیں ہوتا، یہ قدرت کا ایک نظام ہے اور اگر آپ اس طرح رہیں گے کہ آپ سے طلبہ کو، مدرسے کو اور اہلِ مدرسہ کو زیادہ سے زیادہ فائدہ پہنچتا ہے تو آپ کو کچھ کرنے کی ضرورت نہیں ہے، قدرت کی طرف سے ہی ایسا نظام ہوگا کہ آپ کے لیے یہاں رہنے کے، ٹھہرنے کے اور خدمات انجام دینے کے اسباب مہیا ہوں گے۔

دیکھو نہ بہم عیب، محبت ہے تو یہ ہے

ان چیزوں کے اہتمام کے ساتھ ساتھ اللہ تبارک وتعالیٰ سے دعا کا بھی اہتمام ہو۔ نیز اساتذہ آپس میں مل جل کر رہیں، ایک دوسرے کی بدگوئی اور ایک دوسرے کے حالات معلوم کر کے ایک دوسرے کو گرانے یا ایک دوسرے کو لوگوں کے سامنے کمی کے ساتھ پیش کرنے اور ایک دوسرے کی تنقید اور تنقیص سے پرہیز کریں، خاص کر کے سبق کے دوران اپنے ساتھی اساتذہ کے بارے میں ایک جملہ بھی نہ تو صراحۃً کہے اور نہ کنایۃً؛ کیوں کہ اگر کنایۃً بولتے ہیں تو ماحول میں رہ کر وہ کنایہ بھی کنایہ نہیں رہتا بلکہ تصریح کا درجہ اختیار کر لیتا ہے، سننے والے سمجھ جاتے ہیں کہ یہ کیا کہہ رہا ہے، باہر والے چاہے نہ سمجھیں لیکن اندر والے تو سمجھ جاتے ہیں کہ یہ کیا کہہ رہا ہے۔

.... تو آتی نہ بیڑے پے اپنے تباہی

اور ایسا کرنے کی وجہ سے آپ کے مقام میں کوئی زیادتی نہیں ہوتی۔ جو آدمی

دوسروں کو گرانے کے لیے ان کی برائیاں لوگوں کے سامنے کرتا ہے تو کبھی بھی ان برائیوں کی وجہ سے اس کے مقام میں کوئی اضافہ نہیں ہوتا بلکہ گھٹتا ہی ہے، طلبہ جب اپنے دوسرے اساتذہ کے متعلق آپ سے ایسا سنتے ہیں تو ان کے دلوں میں آپ کی قدر و وقعت بھی گھٹ جاتی ہے اور نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ پھر اساتذہ کے ساتھ ادب واحترام کا جو معاملہ ہونا چاہیے، وہ ہوتا نہیں ہے اور اس کی وجہ سے بے چارہ وہ طالبِ علم بھی علم سے محروم رہتا ہے لیکن اس کے لیے اس محرومی کا ذریعہ تو آپ بنے، آپ بھی محروم رہے اور اس کو بھی محروم کر دیا۔

عدو پر اس قدر احسان کرتا جا

تو یہ چیز بھی بہت بری اور بڑی خطرناک ہے؛ اس لیے کسی بھی حال میں اس میں مبتلا نہ ہوں، چاہے لوگ آپ کے متعلق کچھ بھی کہتے رہیں اور آپ کو معلوم بھی ہے کہ فلاں میرے بارے میں یہ کہتا ہے تو بھی آپ کی طرف سے جوابی کارروائی کے طور پر ایسی کوئی بات نہیں ہونی چاہیے۔ مدرسے کا ماحول بھی اسی طرح کا محبت والا، میل میلاپ والا، ایک دوسرے کے لیے خیر خواہی کے جذبے والا ہونا چاہیے۔

مدرسے کی فضا اور ماحول علمی بنانے کی کوشش کیجیے

ساتھ ہی ساتھ علمی ماحول بنے، طلبہ کے اندر حصولِ علم کا ذوق اور اس کے لیے زیادہ سے زیادہ محنت کرنے کا جذبہ پیدا ہو، ان میں اپنا زیادہ سے زیادہ وقت علم حاصل کرنے کے پیچھے لگانے کا ماحول ہو، ہر طالبِ علم میں ایسا شوق و ذوق پیدا ہو،

ایسی آپ کی طرف سے کوشش ہونی چاہیے اور جب آپ اس طرح کی محنت کریں گے تو إن شاء الله مدرسے کی علمی سطح بلند ہوگی، علمی معیار بلند ہوگا اور اس کی وجہ سے آپ کے مدرسے کی نیک نامی ہوگی، اس کے لیے بھی آپ بہت کچھ کر سکتے ہیں۔

عطا اسلاف کا جذبِ دروں کر

آپس میں بھی علمی مذاکرات ہوں، اب یہ چیزیں رخصت ہوتی جا رہی ہیں، اب ہمارے اساتذہ جب آپس میں مل جل کر بیٹھتے ہیں تو کبھی کوئی علمی بات تو مذاکرے میں آتی ہی نہیں، اِدھر اُدھر کی باتیں ہوتی رہتی ہیں اور آج کل تو اگر کوئی آدمی علمی ذوق وشوق والا ہوا اور کوئی علمی بات پیش کر دی تو دوسرے بدگمانی کرتے ہیں کہ یہ ہمارا امتحان لے رہا ہے، حالاں کہ اکثر ایسا ہوتا نہیں ہے تو بہر حال! ہمارے اسلاف کے اندر مدرسے کو جس طرح کا علمی ماحول فراہم کرنے کا جذبہ تھا، ہماری طرف سے بھی مدرسے میں علمی ماحول پیدا کرنے کے لیے اسی انداز کو اختیار کرنے کی کوشش ہونی چاہیے۔

تقریر سے ممکن ہے، نہ تحریر سے ممکن

اور اساتذہ اپنا عملی پہلو بھی مضبوط رکھیں، نماز با جماعت کا بلکہ صفِ اول کا، تکبیرِ اولی کا اہتمام کریں، سنتوں کا اہتمام کریں۔ جب آپ کے شاگرد دیکھیں گے کہ آپ تکبیرِ اولی کے ساتھ صفِ اول میں جماعت کے ساتھ نماز پڑھتے ہیں تو وہ بھی اس کی کوشش کریں گے اور اگر آپ کی طرف سے غفلت ہو رہی ہے تو وہ بھی اسی میں مبتلا ہو جائیں گے۔ مدرسوں میں دیکھا جاتا ہے کہ نماز با جماعت کا سلام پھرتا ہے تو مسبوقین

میں زیادہ تعداد اساتذہ کی ہوتی ہے، یہ چیز طلبہ بھی دیکھ رہے ہیں تو اس کا کیا اثر مرتب ہوگا؟ اب اگر آپ روزانہ ان کے سامنے نماز باجماعت کے اہتمام کی فضیلت بیان کریں تو اس سے کوئی فرق پڑنے والا نہیں، اس کے برخلاف آپ کچھ نہ کہیں اور آپ کا عملی کردار یہ ہے تو اس کی وجہ سے ان پر بڑا اچھا اثر مرتب ہوگا تو اساتذہ اپنا عملی پہلو بھی درست کرنے کی کوشش کریں۔

وہ کام جو آپ کا کردار کرے ہے

طلبہ کی تربیتی ذمہ داری بھی اساتذہ کی ہے اور اس کی ادائگی میں اپنے عمل سے زیادہ کوئی چیز مؤثر نہیں ہے۔ بزرگوں نے لکھا ہے کہ کہ تربیت کے باب میں بڑوں کی طرف سے قدوہ اور اسوہ ہو یعنی اپنے آپ کو عملی نمونہ بنا کر پیش کریں اور چھوٹوں کی طرف سے اس کی پیروی ہو، اتباع ہو۔ جب آپ اپنا عمل اس انداز کا بنائیں گے تو طلبہ میں بھی خود ہی یہ چیز بڑھے گی، سنتوں کا، جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کا، صفِ اول کا اہتمام ان کے اندر آئے گا۔ اسی طرح اپنے لباس، وضع قطع اور اپنے دوسرے معاملات کی درستگی کا بھی اپنی طرف سے اہتمام ہو۔

الٹی گنگا

آج کل تو مدارس میں معاملہ الٹ گیا ہے: اگر کوئی طالبِ علم مدرسے میں نماز باجماعت کا اہتمام کرتا ہے۔ پہلی صف میں آکر بیٹھتا ہے، سنتوں کا اہتمام کرتا ہے تو دوسرے طلبہ اس کو ستاتے ہیں کہ تو بڑا صوفی ہو گیا اور ایسا ہو گیا اور افسوس تو یہ ہے کہ

اساتذہ بھی اس میں مبتلا ہوتے ہیں۔اساتذہ اپنے سبق کے اندر اس طالبِ علم کو نشانہ بناتے ہیں، ایسے لوگ جو بدمعاش ہیں، سارے مدرسے والوں کے لیے دردِ سر بنے ہوئے ہیں، منتظمین کے لیے بھی، اساتذہ کے لیے بھی کسی میں ان لوگوں کو ایک جملہ کہنے کی ہمت نہیں ہے اور وہ بے چارہ بچہ جو نیک ہے اور جس کا وجود مدرسے کے لیے باعثِ افتخار ہے، اس کو سب کوس رہے ہیں اور طعن و تشنیع کر رہے ہیں اور اس کو برا بھلا کہہ رہے ہیں اور بہت سی مرتبہ ایسا ہوتا ہے کہ اس طرح کے رویے کی وجہ سے وہ طالبِ علم مدرسہ چھوڑ دیتا ہے تو گویا اب ہمارا مدرسہ اس قابل نہیں رہا کہ اچھے لڑکے یہاں رہیں! بروں کا ٹھکانہ بنتا جا رہا ہے، یہ ہمارے لیے بہت زیادہ سوچنے کی بات ہے۔

مدرسوں سے فاسد مواد کو خارج کرنے کے لیے آپریشن ضروری ہے

ایسے غلط قسم کے لڑکے ہوں جن سے ماحول بگڑ رہا ہے، ان کے حق میں مدرسہ، انتظامیہ، اساتذہ سب کی طرف سے ایسا سخت رویہ ہونا چاہیے کہ یا تو وہ سُدھر جائیں یا پھر مدرسہ چھوڑ کر چلے جائیں، ان کے لیے تیسری کوئی شکل نہیں ہے، ورنہ ایسے لوگوں کے رہنے کی وجہ سے ہمارے مدرسے خراب ہو رہے ہیں اور پھر یہی لوگ ایسی گروپ بندی کرتے ہیں اور اساتذہ کے ساتھ بھی ایسا معاملہ کرتے ہیں کہ اساتذہ بھی ان کے معاملے میں مجبور ہو جاتے ہیں اور انتظامیہ کو بھی ان کے سامنے گھٹنے ٹیک دینے پڑتے ہیں، یہ ہماری کوتاہیوں کی وجہ سے ہے، ایسی نوبت آنے ہی نہیں دینی چاہیے، پہلے ہی سے ایسا رویہ رکھنا چاہیے۔مدرسے میں ماحول کو درست رکھنے کے لیے

اس نوع کے بچوں پر کڑی نگرانی بہت ضروری ہے۔

نیک اور محنتی طلبہ کی حوصلہ افزائی کیجیے

اور جو اچھے بچے ہیں ان کی حوصلہ افزائی بھی ضروری ہے، علانیہ ان کی حوصلہ افزائی کی جائے، بطورِ مثال کہا جائے کہ فلاں کتنا اچھا طالبِ علم ہے، نماز با جماعت کی پابندی کرتا ہے، اسباق کی پابندی کرتا ہے تو ان کے لیے تو حوصلہ افزائی کا نظام ہونا چاہیے، چہ جائیکہ ان کو طعن و تشنیع کا نشانہ بنایا جائے، یہ بہت غلط ہے جو ہو رہا ہے اور اسی کا نتیجہ ہے کہ یہ ساری مصیبتیں ہمارے مدارس میں آ رہی ہیں؛ اس لیے اس کی طرف بھی خاص طور پر توجہ کریں۔

تعلیمی و اخلاقی معیار کو بلند کرنے کے لیے باہمی مشورہ ناگزیر ہے

مشورہ ہونا چاہیے، جیسے دعوت و تبلیغ کے جو احباب ہیں، وہ روزانہ مشورے کرتے ہیں، یہ ہمارے یہاں بھی ہونا چاہیے، ہمارے مدرسوں سے یہ سلسلہ ختم ہو گیا، جب تک کہ انتظامی امور کے لیے، طلبہ کے اخلاقی اور تعلیمی معیار کو بلند کرنے کے لیے آپس کے مشورے نہیں ہوں گے، وہاں تک ترقی نہیں آ سکتی۔ اس سلسلے میں کسی کو کوئی فرو گذاشت نظر آئی ہو: کسی طالبِ علم کو دیکھا کہ وہ بلا وجہ سے سبق سے غیر حاضر تھا، ایک طالبِ علم کو دیکھا، اس کے لباس میں یہ کمزوری تھی، ایک طالبِ علم کو دیکھا کہ نماز کے معاملے میں اس کی طرف سے کوتاہی پائی جا رہی ہے، ان کو مشورے کے ذریعہ سے سامنے لائی جائے اور سوچا جائے کہ اس کو کس طرح درست کرنا ہے۔

مشورہ سنتِ نبوی ہے

خود نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا اپنا معمول یہ تھا کہ روزانہ عشاء کی نماز کے بعد حضراتِ شیخین کے ساتھ مسلمانوں کے معاملے میں مشورہ کرتے تھے، یہی بنیاد ہے، آج یہ چیزیں بھی ختم ہوگئیں۔ آپس میں مل جل کر ہم جہاں کام کر رہے ہیں، وہاں کام کو اور اُجاگر کرنے کے لیے جو تدبیریں سوچی جانی چاہئیں، وہ ہوتی نہیں ہیں، بس سب مہتمم پر ڈالے رہتے ہیں کہ مہتمم جانے اور مہتمم بے چارہ مالی سرمایہ فراہم کرنے میں ایسا لگا ہوا ہے کہ اس کو اپنی ذات کے بھی ہوش وحواس نہیں رہتے۔ مدرسے اسی طرح اُجڑ رہے ہیں۔ اساتذہ یوں کہیں کہ ہمارا کام تو پڑھانا ہے تو وہ جو بول رہے ہیں اس میں بھی کوتاہی کمی ہی ہے، پڑھانے کا بھی پورے طور پر حق ادا نہیں کیا جاتا اور ایسا کہہ کر طلبہ کی تربیت اور دوسرے امور سے غفلت برتتے ہیں، یہ درست نہیں ہے۔ اوپر سے لے کر نیچے تک ہر ایک کی ذمہ داری ہے، مدرسے کے علمی، اخلاقی، تربیتی، تعلیمی اور انتظامی معیار کو درست رکھنے کے لیے آپ سے جو ہوسکتا ہے، آپ کو کرنا ضروری ہے، سب اس طرح کریں گے تو اِن شاء اللہ مدرسہ ترقی کرے گا۔

اللہ تبارک وتعالیٰ ہم سب کو اس کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔

اہلِ علم اپنا مقام ومرتبہ پہچانیں

اقتباس

ہمارے وہ اکابر اور اسلاف جن کی طرف نسبت کو ہم اپنے لیے فخر اور سعادت کی چیز سمجھتے ہیں، ماضی قریب میں حضرت نانوتوی علیہ الرحمۃ، حضرت گنگوہی علیہ الرحمۃ، حضرت شیخ الہند علیہ الرحمۃ، حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری علیہ الرحمۃ، حضرت مولانا اشرف علی تھانوی علیہ الرحمۃ، دونوں حضرت رائپوری رحمہما اللہ، حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا علیہ الرحمۃ، شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی علیہ الرحمۃ، یہ تمام ہمارے اکابر ہیں، ان کی زندگیوں کا مطالعہ کریں، ہم تو ان کی زندگیوں میں سے فقط درس وتدریس لیے ہوئے ہیں اور وہ بھی جیسا حق ہے، ویسا ادا نہیں کر پاتے۔ درس وتدریس کے معاملے میں بھی امانت ودیانت کے جو تقاضے وہ حضرات پورے کرتے تھے، ان تقاضوں پر بھی ہم تو پورے نہیں اتر رہے ہیں لیکن اسی ایک پہلو کو ہم تو لیے ہوئے ہیں، ان کی زندگی کے جو دوسرے پہلو ہیں کہ: مخلوق کے ساتھ ان کا معاملہ کس طرح تواضع کا تھا، ان کے ساتھ وہ کس طرح پیش آتے تھے، ان کے حالات پر وہ کس طرح شفقت کا معاملہ کرتے تھے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

الحمد لله نحمده ونستعينه ونستغفره ونؤمن به ونتوكل عليه ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا، ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا، ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا، من يهده الله فلا مضل له، ومن يضلله فلا هادي له، ونشهد أن لا إله إلا الله وحده لا شريك له ونشهد أن سيدنا ومولانا محمدا عبده ورسوله، أرسله إلى كافّة الناس بشيرا ونذيرا، وداعيا إلى اللّٰه بإذنه وسراجا منيرا، صلى اللّٰه تعالىٰ عليه وعلى آله وأصحابه وبارك وسلّم تسليما كثيرا كثيرا، أما بعد:

فَاَعُوْذُ بِاللهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ: ﴿مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ وَمَا بَدَّلُوْا تَبْدِيْلًا﴾ [الأحزاب: ۲۳] وقال تعالىٰ: ﴿وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ اَئِمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا لَمَّا صَبَرُوْا وَكَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يُوْقِنُوْنَ﴾ [السجدة: ۲٤] وقال تعالىٰ: ﴿قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَالَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ﴾ [الزمر: ۹] وقال تعالىٰ: بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ: ﴿وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِيْنَ الَّذِيْنَ اِذَا اكْتَالُوْا عَلَى النَّاسِ يَسْتَوْفُوْنَ وَاِذَا كَالُوْهُمْ اَوْ وَّزَنُوْهُمْ يُخْسِرُوْنَ اَلَا يَظُنُّ اُولٰٓئِكَ اَنَّهُمْ مَّبْعُوْثُوْنَ لِيَوْمٍ عَظِيْمٍ يَّوْمَ يَقُوْمُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾

حضراتِ علماءِ کرام اور مشائخِ عظام! میں اس قابل نہیں کہ آپ حضرات کو خطاب کروں، اس طرح کے جتنے پروگرام اور نظام بنتے ہیں، حقیقت تو یہ ہے کہ اس موقع پر طبیعت میں بار بار یہ خیال آتا ہے کہ ’’آں کہ خود گم است، کرا رہبری کند‘‘ یہاں

ہم خود ہی علم کے تقاضوں کو پورا کرنے سے عاجز ہیں، بھلا دوسروں کے سامنے کیا بات رکھیں لیکن پھر یہ سوچ کر کہ یہ کوئی نصیحت یا وعظ وتذکیر نہیں بلکہ ایک طرح کا مذاکرہ ہے، اپنے ہم جنسوں کے ساتھ بیٹھ کر ہم اپنے حالات کو سامنے رکھ کر غور وفکر اور یہ سوچیں کہ دورِ حاضر میں علماء سے جو مطالبے ہیں، ہم ان کو کس طرح پورا کر سکتے ہیں۔

جن کے رتبے ہیں سِوا، ان کی مشکل سِوا ہوتی ہے

اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہم سب کو علم کی دولت سے نوازا ہے، ہر ایک نے اپنے اپنے ظرف کے مطابق اس دولت کو حاصل کیا ہے اور یہ حضراتِ انبیاءِ کرام علیہم الصلوۃ والسلام کی میراث ہے، إِنَّ الْعُلَمَاءَ وَرَثَةُ الأَنْبِيَاءِ وَإِنَّ الأَنْبِيَاءَ لَمْ يُوَرِّثُوا دِينَارًا وَلاَ دِرْهَمًا وَرَّثُوا الْعِلْمَ فَمَنْ أَخَذَهُ أَخَذَ بِحَظٍّ وَافِرٍ (۱) یہ بہت بڑی دولت ہے، حظِّ وافر ہے جو اللہ تبارک وتعالیٰ نے محض اپنے فضل سے بلا استحقاق ہم کو عطا فرمائی اور اس کی نسبت سے آدمی کا جیسا مقام اور مرتبہ ہوا کرتا ہے، ویسی ہی اس کی ذمہ داریاں بھی ہوا کرتی ہیں، ع

جن کے رتبے ہیں سِوا، ان کی مشکل سِوا ہوتی ہے

قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَالَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ کے متعلق بعض حضراتِ علماء فرماتے ہیں کہ: کیا جاننے والے اور نہ جاننے والے برابر ہو سکتے ہیں، یعنی دونوں کی ذمہ داریوں میں بڑا فرق ہے، زمین وآسمان کا فرق ہے، جو نہیں جانتے، ان کے مقابلے

(۱) سنن أبي داود، عن أَبِی الدَّرْدَاءِ رضی اللہ عنہ، باب الْحَثِّ عَلَى طَلَبِ الْعِلْمِ.

میں جاننے والوں کی ذمہ داریاں ان کے فرائض بہت زیادہ ہیں۔

پرواز تو ہے دونوں کی ایک ہی فضا میں لیکن

اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہمیں جس نسبت سے نوازا ہے، وہ بہت اونچی نسبت ہے اور یہ نسبت ہی اصل چیز ہے جو آدمی کے لیے فخر اور نجات کا ذریعہ بن سکتی ہے اور نسبت ہی کی وجہ سے چیزوں کی قدر وقیمت میں بہت بڑا، زمین اور آسمان کا فرق آجاتا ہے۔ دو اینٹیں ہیں جو ایک ہی جگہ میں تیار ہوئیں، ایک اینٹ کسی کے مکان کے اندر لگ گئی اور دوسری اینٹ مسجد کے اندر لگ گئی۔ دونوں کا مادّہ ایک ہے، اس کو بنانے والے، اس کو فرمے کے اندر ڈال کر اس میں سے نکالنے والے کاریگر ایک، مٹی ایک ہے، ساری چیزیں ایک ہیں، اس کے باوجود جب ان کا استعمال الگ الگ ہوا اور نسبتیں بدلیں تو دونوں کی قدر وقیمت میں زمین وآسمان کا فرق ہو گیا، مسجد میں لگنے والی اینٹ اتنی قیمتی ہو گئی کہ وہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے گھر کا ایسا حصہ بن گئی کہ - خدا نہ کرے، خدا نہ کرے - کوئی اس کو ترچھی نظر سے دیکھے گا تو ایک مسلمان اس کے لیے اپنی جان قربان کرنا سعادت سمجھتا ہے۔

کرگس کا جہاں اور ہے، شاہین کا جہاں اور

گتّہ ہے، گتّے کی فیکٹری میں تیار ہوتا ہے، اس کے بعد اسی گتّے کو کسی کاپی کی جلد کے اندر استعمال کیا گیا اور اسی کو قرآنِ پاک کی جلد میں استعمال کیا گیا، ایک ہی مادّہ ہے جس سے دونوں تیار ہوئے ہیں، ایک ہی فیکٹری میں تیار ہوئے ہیں، تیار کرنے

والے کاریگر بھی ایک ہیں، اس کے باوجود استعمال کے بعد جب دونوں کی نسبتوں میں فرق آ گیا تو دونوں کی قدر وقیمت میں زمین وآسمان کا فرق آ گیا۔ اب یہ جو قرآنِ پاک کے ساتھ لگ گیا، وہ قرآن کا ایک حصہ بن گیا، اب جس طرح ایک مسلمان بغیر وضو کے قرآن کے اوراق کو ہاتھ نہیں لگائے گا، اس کو بھی ہاتھ نہیں لگاتا، جو احترام اور جو ادب قرآنِ پاک کا ہے، وہی اس گتّے کا ہے۔

علماء معاشرے میں مثلِ قلب ہیں

بہرحال! نسبتوں کی وجہ سے قدر وقیمت میں بھی اور ذمہ داریوں میں بھی بڑا فرق آجاتا ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہمیں جو نسبت عطا فرمائی ہے، وہ بڑی اونچی ہے، بقول حضرت مولانا علی میاں صاحب نور اللہ مرقدہ کے کہ: ان خواص اور علماء کو معاشرے میں وہی مقام حاصل ہے جو آدمی کے جسم کے اندر دل کو حاصل ہے۔ إِنَّ فِي الْجَسَدِ مُضْغَةً إِذَا صَلَحَتْ صَلَحَ الْجَسَدُ كُلُّهُ، وَإِذَا فَسَدَتْ فَسَدَ الْجَسَدُ كُلُّهُ أَلَا وَهِيَ الْقَلْبُ (۱)۔ گویا جس طرح جسم کا صلاح وفساد قلب کے اوپر موقوف ہے، اسی طرح معاشرے کا صلاح وفساد اسی طبقے کے اوپر موقوف ہے اور جو حال قلب کا ہے، وہی حال مِلّت کے اندر اور معاشرے کے اندر اہلِ علم کا ہے۔

مجھے ڈر ہے دلِ زندہ تو نہ مرجائے

قلب کے متعلق حضرت علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ اس میں تین چیزیں ہونی

(۱) صحيح البخاری، عن النُّعْمَانِ بْنَ بَشِيرٍ رضي الله عنه، باب فَضْلِ مَنِ اسْتَبْرَأَ لِدِينِهِ.

چاہئیں: (۱) حیات (۲) حرکت اور (۳) حرارت۔ حیات بھی ضروری ہے؛ اس لیے کہ اگر حیات ہی نہ ہوتو

مجھے ڈر ہے دلِ زندہ تو نہ مرجائے		کہ زندگانی عبارت ہے تیرے جینے سے

ادائے فرض ہے مطلوب، مرنا ہو کہ جینا ہو

اس کے بغیر تو کام بنتا نہیں اور ساتھ ہی ساتھ حرکت بھی ہونی چاہیے۔ حرکت کا مطلب یہ ہے کہ وہ اپنا کام کرتا ہو۔ علماء کا کام کیا ہے؟ امر بالمعروف، نہی عن المنکر، مِلّت کا احتساب، اپنا احتساب اور حق و باطل کے درمیان تمیز، جہاں حق کے اظہار کی ضرورت پیش آئے تو بلاخوف لو مۃ لائم اس کا اظہار کرے اور اس کے لیے جس نوع کی بھی قربانی مطلوب ہو، اس کو پیش کرنا، یہ ہے حرکت۔

دھرتی بنجر ہو تو برسات سے کیا ہوتا ہے

اور حرارت کا مطلب یہ ہے کہ اس کا تعلق اللہ تبارک وتعالیٰ کے ساتھ ہو، تعلق مع اللہ، اِنابت اِلی اللہ، عشقِ رسول، آخرت کا شوق، دنیا سے بے رغبتی، یہ دراصل قلب کی حرارتیں ہیں، جس کے اوپر اس کا سارا کاروبار رہتا ہے۔ اہلِ علم کے لیے یہ بنیادی چیزیں ہیں؛ اس لیے کہ اگر ان میں کمی آجائے گی تو اہلِ علم ہونے کی حیثیت سے جو فرائضِ منصبی ہم پر عائد ہیں، ان فرائضِ منصبی کی ادائگی کے اندر بھی کوتاہی آنا شروع ہو جائے گی۔

جب عالم ہی عاشقِ دنیا ہو پھر کون بتائے راہِ خدا

لوگ اگر دیکھیں گے کہ ہم جس طرح مال ودولت کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں، یہ علماء بھی اسی کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں، ہم جس طرح عہدے اور منصب کے خواہش مند ہیں، یہ بھی اسی طرح اس کے خواہش مند ہیں، ہم جس طرح ان چیزوں کے لیے آپس میں لڑتے جھگڑتے ہیں، یہ بھی اس کے لیے آپس میں لڑتے جھگڑتے ہیں تو پھر وہ یوں سمجھتے ہیں کہ ہمارے اور ان کے درمیان کیا فرق ہے؟ ان کا معیار اور ان کی سطح ہم سے کہاں اونچی ہے۔ وہ تو اس بات کے خواہش مند ہوتے ہیں کہ جو چیزیں آپ کے اندر مطلوب ہیں، وہ چیزیں آپ کے اندر پائی جائیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ ہمیں یہ چیز عطا فرمائے۔

اپنی ذات کا محاسبہ کرنے کی ضرورت

اللہ تبارک وتعالیٰ نے جب ہمیں یہ نسبت عطا فرمائی ہے تو میں اپنے آپ کی برأت ظاہر نہیں کرتا، ﴿وَمَا أُبَرِّئُ نَفْسِي إِنَّ النَّفْسَ لَأَمَّارَةٌ بِالسُّوءِ إِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّي﴾ [یوسف:۵۳] میں نے جیسا کہ شروع میں عرض کیا کہ یہ ایک مذاکرہ ہے، اس مجلسِ مذاکرہ میں بیٹھ کر ہمیں اپنا محاسبہ کرنے کی ضرورت ہے کہ ہم پر اہلِ علم ہونے کی حیثیت سے اللہ تبارک وتعالیٰ نے جو ذمہ داریاں ڈالی ہیں، کیا ہم ان ذمہ داریوں کو ادا کر رہے ہیں اور ان ذمہ داریوں کی ادائگی کے لیے اپنے آپ کو جن صفات کے ساتھ متصف کرنے کی ضرورت ہے اور اپنے اندر جن کیفیات کو پیدا کرنے کی ضرورت ہے، کیا ان

کیفیات کے حصول کے لیے ہم کچھ کوشش کر رہے ہیں؟

تھے تو وہ آباء تمھارے ہی، مگر تم کیا ہو؟

ہمارے وہ اکابر اور اسلاف جن کی طرف نسبت کو ہم اپنے لیے فخر اور سعادت کی چیز سمجھتے ہیں، ماضی قریب میں حضرت نانوتوی علیہ الرحمۃ، حضرت گنگوہی علیہ الرحمۃ، حضرت شیخ الہند علیہ الرحمۃ، حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری علیہ الرحمۃ، حضرت مولانا اشرف علی تھانوی علیہ الرحمۃ، دونوں حضرت رائپوری رحمہما اللہ، حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریاؒ، شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی علیہ الرحمۃ، یہ تمام ہمارے اکابر ہیں، ان کی زندگیوں کا مطالعہ کریں، ہم تو ان کی زندگیوں میں سے فقط درس وتدریس لیے ہوئے ہیں اور وہ بھی جیسا حق ہے، ویسا ادا نہیں کر پاتے۔ درس وتدریس کے معاملے میں بھی امانت ودیانت کے جو تقاضے وہ حضرات پورے کرتے تھے، ان تقاضوں پر بھی ہم تو پورے نہیں اتر رہے ہیں لیکن اسی ایک پہلو کو ہم تو لیے ہوئے ہیں، ان کی زندگی کے جو دوسرے پہلو ہیں کہ: مخلوق کے ساتھ ان کا معاملہ کس طرح تواضع کا تھا، ان کے ساتھ وہ کس طرح پیش آتے تھے، ان کے حالات پر وہ کس طرح شفقت کا معاملہ کرتے تھے۔

عمل بالسنہ کا حسینی جذبہ

نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جو کیفیت شمائل میں بیان کی گئی ہے، حضرتِ حسن رضی اللہ عنہ کی روایت ہے، فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے ماموں حضرت ہند بن ابی ہالہؓ سے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حلیے کے متعلق دریافت کیا؛ تاکہ میں بھی اس کو کچھ اختیار کرنے کی

کوشش کروں، وہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حلیے کو بڑے اچھے انداز میں بیان کرتے تھے۔ ان سے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حلیہ معلوم کرنے کے بعد ایک زمانے تک میں نے اپنے بھائی حضرت حسین رضی اللہ عنہ سے اس کو چھپایا پھر میں نے اس کا اظہار کیا تو پتہ چلا کہ وہ تو مجھ سے پہلے ہی پوچھ چکے ہیں اور مزید براں ہمارے والد بزرگ وار حضرت علی رضی اللہ عنہ سے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب باہر تشریف فرما ہوتے تھے تو آپ کے کیا معمولات اور کیا کیفیت ہوتی تھی، گھر میں تشریف فرما ہوتے تھے تو آپ کیا کرتے تھے، آپ کی مجلس کا کیا حال ہوا کرتا تھا، وہ بھی پوچھ چکے تھے۔

معاشرے کے حالات سے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمیشہ باخبر رہتے تھے

پھر انھوں نے اپنے بھائی حضرت حسین رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حال کیا تھا؟ فرماتے ہیں: وَيُؤَلِّفُهُمْ وَلَا يُنَفِّرُهُمْ: آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لوگوں کو مانوس کرتے تھے یعنی ان کو اپنے ساتھ جوڑنے کی کوشش کرتے تھے اور ایسی کوئی بات جس سے دوری ہو، نفرت کا باعث ہو، اس سے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم احتراز فرماتے تھے۔ وَيَسْأَلُ النَّاسَ عَمَّا فِي النَّاسِ وَيُحَسِّنُ الْحَسَنَ وَيُقَوِّيهِ، وَيُقَبِّحُ الْقَبِيحَ وَيُوَهِّيهِ کہ: نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لوگوں کے اندرونی معاملات دریافت کرتے تھے کہ اندرونی حالات کیا ہیں؟ معاشرت کیسی چل رہی ہے؟ معاملات کیسے ہیں؟ اخلاق کیسے ہیں؟ یہ نہیں کہ فلانا کیا کرتا ہے؟ ہم بھی اس کے اندر لگے ہوئے ہیں لیکن ہماری نوعیت دوسری ہے اور نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب پوچھتے تھے تو معاشرے کی اصلاح کے لیے پوچھتے

تھے۔ جب پتہ چلتا تھا اور کوئی اچھی بات علم میں آتی تھی تو یُحَسِّنُ الْحَسَنَ: آپ اس کی تحسین فرماتے تھے، شاباشی دیتے تھے، اور اس کو تقویت دیتے، اس کو سپوٹ کرتے تھے، وَيُقَبِّحُ الْقَبِيحَ وَيُوَهِّيهِ: اور اگر کسی بری بات کا علم ہوتا کہ یہ بری بات معاشرے میں ہے تو آپ اس کی قباحت کو واضح فرماتے تھے اور اس کو مٹانے کی کوشش کرتے تھے۔ کیا ہم ان چیزوں میں لگے ہوئے ہیں؟ اپنے فرائضِ منصبی کو ادا کر رہے ہیں؟

غبارِ راہ کو بخشا فروغِ وادیٔ سینا

لوگوں کے متعلق کا معمول بتلایا: لَا يَغْفُلُ مَخَافَةَ أَنْ يَغْفُلُوا أَوْ يَمِيلُوا: کہ آپ لوگوں کے حالات سے بے خبر نہیں رہتے تھے، کہیں ایسا نہ ہو کہ آپ کے ان کی طرف سے بے خبری برتنے کے نتیجے میں وہ دین کے معاملے میں غافل بن جائیں یا غلو کا شکار ہو کر کے ملال میں اور بے رغبتی میں مبتلا ہو جائیں (۱)۔ گویا نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نگاہِ مبارک لوگوں کے حالات پر برابر رہتی تھی اور اس کے مطابق جو تقاضے ہوتے تھے، نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کو پورا فرماتے تھے۔

جس لیے بھیجا گیا ہے تو یہاں وہ کام کر

اہلِ علم ہونے کے ناطے ہماری ذمہ داریاں ہیں کہ ان چیزوں کی طرف ہم توجہ کریں، جس بستی میں ہم رہتے ہیں اور جہاں ہمارا قیام ہے، اس کے آس پاس کے لوگوں کا اخلاقی اعتبار سے معاملات کے اعتبار سے، معاشرت کے اعتبار سے کیا حال؟

---

(۱) شمائلِ ترمذی، رقم الحدیث: ۳۳۶.

یہ چیزیں پوچھے بغیر بھی اہلِ علم کی معلومات میں لائی جاتی ہیں، لوگ آکر بتلاتے ہیں کہ مولوی صاحب! ایسا ہو رہا ہے اور اس کو جاننے کے بعد ہمارا جو فریضہ بنتا ہے، ضرورت ہے کہ ہم اپنے اس فریضے کو ادا کرنے کا اہتمام کریں، یہ ہماری ذمہ داری ہے، كُلُّكُمْ رَاعٍ وَكُلُّكُمْ مَسْؤُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ (۱)۔

بنتی ہے بیاباں میں فاروقی وسلمانی

لیکن ان ذمہ داریوں کو ادا کرنے کے لیے سب سے زیادہ ضروری یہ ہے کہ اپنا حال درست کرے: اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف رجوع، اللہ تبارک وتعالیٰ کے ساتھ تعلق، اپنے اخلاق کی درستگی، اپنے آپ کو گناہوں سے پاک صاف کرنا، اپنا تزکیہ، یہ پہلے نمبر پر ہے، اس کے بعد اس کی باری آتی ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پہلے خوب مجاہدات کروائے، آپ نے اپنا بڑا وقت عبادتوں میں گذارا، اس کے بعد آپ کو میدان میں لایا گیا تو اہلِ علم کے لیے بھی ضرورت ہے کہ پہلے تنہائیوں میں رہ کر کے اللہ تبارک وتعالیٰ کے ساتھ اپنے تعلق کو استوار کریں۔

عبادات کی دو قسمیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ: يٰٓاَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ قُمِ الَّيْلَ اِلَّا قَلِيْلًا نِّصْفَهٗٓ اَوِ انْقُصْ مِنْهُ قَلِيْلًا۔ حالاں کہ نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مشغولیات دن بھر کیا تھیں؟ ہم لوگ تو آج کل اپنی درسی اور تعلیمی مشغولیات کو کافی سمجھتے ہیں اور یوں سمجھتے ہیں کہ یہی ہمارے لیے اللہ

(۱) صحيح البخاري، عَنِ ابْنِ عُمَرَ، رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا، باب الجمعة في القرى والمدن.

تبارک وتعالیٰ کے قرب کا ذریعہ ہے،یقیناً ہے، یہ نیکی کے کام ہیں لیکن ایک بات یاد رکھیے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے ساتھ تعلق پیدا کرنے والی چیزیں ایک تو بلا واسطہ ہیں اور ایک بالواسطہ ہیں، لوگوں کے ساتھ مل کر کام کرنے کے جتنے بھی دینی راستے ہیں، چاہے وہ درس وتدریس ہو، وعظ وتذکیر ہو، دعوت وتبلیغ ہو، تصنیف وتالیف ہو، یہ سب بالواسطہ ہیں اور اللہ تبارک وتعالیٰ کے سامنے کھڑا ہونا، عبادتوں میں اپنے آپ کو تھکانا، اللہ تبارک وتعالیٰ کو یاد کرنا، ذکر میں مشغول ہونا، یہ بلا واسطہ ہیں۔

نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو راتوں میں عبادت کا حکم

نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو باری تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿إِنَّ لَكَ فِي النَّهَارِ سَبْحًا طَوِيلًا﴾ [المزمل:۷] اے نبی! آپ کو دن میں بڑی مشغولیتیں ہیں؛ اس لیے آپ رات میں اللہ کے سامنے کھڑے ہو جیے۔ فَإِذَا فَرَغْتَ فَانْصَبْ وَإِلَى رَبِّكَ فَارْغَبْ: اے نبی! جب آپ اپنے دن بھر کے کاموں سے فارغ ہو جائیں تو اللہ کے سامنے کھڑے ہو کر کے اپنے آپ کو تھکائیں اور اللہ کی طرف رجوع کریں، حالاں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کام جس اخلاص سے ہوتے تھے، اس میں شک کی کوئی گنجائش ہی نہیں، اخلاص کا جو اعلیٰ مقام آپ کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے عطا فرمایا تھا، اس کا تو کوئی تصور بھی نہیں کر سکتا، اس کے باوجود حضورِ پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مکلف کیا جا رہا ہے کہ آپ راتوں کو اللہ کے سامنے کھڑے ہوں۔

اِنابت اِلی اللہ اور تعلق مع اللہ دینی کاموں کے لیے روح ہے

یہ إنابت إلی اللہ، تعلق مع اللہ، یہ اصل بنیادی چیزیں ہیں، یہ ہمارے

سارے کاموں کی جڑ اور بنیاد ہے، جب تک کہ یہ چیز حاصل نہیں ہوگی، وہاں تک یہ جتنے بھی کام ہیں، یہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے قرب کے ذرائع ہیں کہ آپ درس وتدریس کے ذریعہ سے، وعظ وتذکیر کے ذریعہ سے، دعوت وتبلیغ کے ذریعہ سے، تصنیف وتالیف کے ذریعہ سے اللہ کا قرب حاصل کر سکتے ہیں لیکن ان سارے کاموں میں جان اسی وقت آئے گی، جب کہ ہمارا تعلق اللہ تبارک وتعالیٰ کے ساتھ مضبوط ہوگا۔

تیری محفل بھی گئی، چاہنے والے بھی گئے

ہمارے اکابر کی جو مشغولیتیں تھیں، وہ خالی درس وتدریس نہیں بلکہ آپ اندر جھانک کر کے دیکھیں گے تو معلوم ہوگا کہ ان کی مشغولیتیں کس نوعیت کی تھیں۔ حضرت قاری محمد طیب صاحب نور اللہ مرقدہ فرمایا کرتے تھے، میں نے خود بھی ان کی زبان سے سنا ہے، ان کے خطبات میں بھی ہے اور حضرت مفتی محمد شفیع صاحب نور اللہ مرقدہ کے ملفوظات میں بھی ہے کہ دار العلوم دیوبند کا ایک دور وہ تھا کہ وہاں چپراسی سے لے کر شیخ الحدیث تک سب صاحبِ نسبت ہوا کرتے تھے، رات کو تہجد کے وقت دار العلوم کے حجروں سے ذکر اللہ کی آوازیں آیا کرتی تھیں۔

بے اشکِ سحر گاہی تقویمِ خودی مشکل

کیا یہ چیزیں ہم میں ہیں؟ جب تک کہ یہ نہیں ہوگا، وہاں تک ہمارے کاموں میں جان پیدا نہیں ہوگی، روح نہیں آئے گی، ساری کائنات کی روح اللہ کا ذکر ہے۔ مَثَلُ الَّذِي يَذْكُرُ رَبَّهُ وَالَّذِي لاَيَذْكُرُ مَثَلُ الْحَيِّ وَالْمَيِّتِ: جو آدمی اللہ کو یاد کرتا ہے اور

جو یاد نہیں کرتا، دونوں کو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مثال دے کر سمجھاتے ہیں کہ ایسا ہے جیسے کہ زندہ اور مردہ[1]۔ یہ اللہ کا ذکر دین کے سارے کاموں کی جڑ اور بنیاد ہے، اس کے اہتمام کی بہت زیادہ ضرورت ہے۔

بالواسطہ اور بلاواسطہ عبادات کی تفہیم ایک مثال سے

ہم جو یہ کام کرتے ہیں تو مثال دیا کرتا ہوں کہ بھائی! دیکھو، آپ کی اولاد پیدا ہوگئی اور آپ کی بیوی اولاد کی خدمت کر رہی ہے، وہ بھی آپ کی نسبت کی وجہ سے ہی کر رہی ہے نا؟ آپ کی اولاد کی ساخت، پرداخت، اس کا نشو نما، اس کی تربیت، اس کے پیچھے لگے رہنا لیکن اگر اس کے باوجود وہ ''۲۴'' گھنٹے اسی کے پیچھے لگی رہے اور آپ کی طرف دھیان نہ دے تو آپ اس کو گوارا کریں گے؟ نہیں۔ حالاں کہ وہ کہہ سکتی ہے کہ یہ تو آپ کا ہی ہے، میں آپ ہی کے لیے کر رہی ہوں، اپنے آپ کو مٹا رہی ہوں لیکن نہیں، آپ کے دل کا تقاضا رہتا ہے کہ وہ میری طرف بھی توجہ کرے اور میرا حق بھی ادا کرے، حالاں کہ یہ بھی جو کچھ ہو رہا ہے، وہ آپ کے حق کی نسبت سے ہو رہا ہے، بس ایک مثال سمجھانے کے لیے دی ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کے ساتھ براہِ راست تعلق قائم کرنے کے لیے عبادات کے پہلو کو مضبوط کرنے کی ضرورت ہے، راتوں کو اللہ تبارک وتعالیٰ کے سامنے کھڑے ہو کر رونا، عبادت کرنا، یہ ہمارے اسلاف کا طرۂ امتیاز رہا ہے اور اس میں کمی یہ سارے کاموں کو ختم کر کے رکھ دیتی ہے، اس کی روح نکال دیتی ہے۔

---

(۱) صحیح البخاری، عَنْ أَبِي مُوسَى، رَضِيَ اللہُ عَنْهُ، باب فَضْلِ ذِكْرِ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ.

کہ بے ادب ہوگئی محفل تیرے اٹھ جانے سے

حضرت مولانا علی میاں صاحب نور اللہ مرقدہ اپنے ایک بیان میں فرماتے ہیں کہ حیدر آباد میں ایک بزرگ تھے، بیمار تھے، گھٹنوں میں کچھ درد تھا، مجلس میں بیٹھے ہوئے ہیں، ان کے خادم دوائی مل رہے ہیں، اسی دوران دیکھا کہ مجلس میں لوگ آپس میں بات چیت کررہے ہیں اور ایک شور کی سی کیفیت پیدا ہورہی ہے۔ اب جو خادم ان بزرگ کو دوا مل رہے تھے، انھوں نے دیکھا اور سوچا کہ آج تک حضرت کی مجلس میں یہ کیفیت: شور، ہنگامے اور بے ادبی کی کبھی نظر نہیں آئی، وہ بار بار اِدھر اُدھر دیکھ رہے ہیں، تعجب کررہے ہیں اور وہ بزرگ محسوس کررہے ہیں کہ ان کو کیا چیز تعجب میں ڈال رہی ہے تو ان بزرگ نے ہاتھ سے گھٹنے کی طرف اشارہ کیا۔ وہ یہ سمجھے کہ درد ذرا اِدھر ہے تو اُدھر دوا ملنا شروع کیا پھر شور ہورہا ہے اور یہ اُدھر دیکھ رہے ہیں تو ان بزرگ نے کہا کہ اس گھٹنے کے درد کی وجہ سے میں آج رات کے معمولات ادا نہیں کرسکا ہوں، اس کا یہ نتیجہ ہے جو تم مجلس میں دیکھ رہے ہو۔ مولانا علی میاں صاحب نور اللہ مرقدہ نے اس موقع پر ایک شعر بڑا عمدہ استعمال فرمایا ہے:ـــــ

رحم کر قوم کی حالت پر اے ذکرِ خدا
کہ بے ادب ہوگئی محفل تیرے اٹھ جانے سے

فرماتے ہیں کہ ایک بزرگ کے اپنے ایک رات کے معمولات کے چھٹنے کا یہ اثر محفل پر مرتب ہوسکتا ہے تو تمام مشائخ، تمام علماء اپنے ان معمولات کو چھوڑ دیں گے تو

قوم کا کیا حال ہوگا! یہ تو بنیاد اور روح ہے، اگر ہم نے ان چیزوں کی طرف توجہ نہیں کی تو قوم کا کیا حال ہوگا!

کچھ ہاتھ نہیں آتا بے آہِ سحر گاہی

ہمارے تمام اسلاف کا، اکابر کے حالات کا مطالعہ کر لیجئے: حضرت نانوتوی علیہ الرحمۃ کا، حضرت گنگوہی علیہ الرحمۃ کا، حضرت شیخ الہند علیہ الرحمۃ کا، حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری علیہ الرحمۃ کا، ان تمام کے حالات میں آپ دیکھیں گے کہ ان کی خلوت کا ایک مخصوص وقت ہوتا تھا جس میں وہ اللہ کی یاد میں، عبادت میں مشغول ہوتے تھے، یہ ہے ہر ایک کی جان، اس کی ضرورت ہے، اس کے بغیر کچھ حاصل ہونے والا نہیں ہے۔

عطار ہو، رومی ہو، رازی ہو، غزالی ہو

ہم نے کیا سوچ لیا؟ درس وتدریس سے اور ان دوسرے علمی کاموں سے فرصت ملے گی تو تسبیح پڑھیں گے، ورنہ نہیں۔ ہم نے اس کو اپنی ضرورت نہیں سمجھا، ان چیزوں سے فرصت ملے گی تو قرآنِ پاک کی تلاوت کریں گے۔ بڑے بڑے علماء جو علمی خدمات کے اندر مشغول ہیں، ان سے آپ پوچھئے کہ آپ کی تلاوت کا کیا معمول ہے؟ کچھ نہیں، آپ کی تسبیحات کا کیا معمول ہے؟ نہیں، حالاں کہ یہ تو ہمارے سارے کاموں کی روح ہے، ان ہی چیزوں کے ذریعہ سے ہم اپنی چارجنگ کر سکتے ہیں۔

لوگوں کے ساتھ اختلاط کی وجہ سے قلب میں میل آجاتا ہے

دیکھو! جانور کو جس چھری سے ذبح کرتے ہیں تو آپ نے جانور ذبح کرنے

والے کو دیکھا ہوگا کہ ایک جانور کو ذبح کرنے کے بعد وہ دوبارہ چھری کو تیز کرتا ہے پھر تیز کرتا ہے؛ اس لیے کہ اگر اس کو تیز نہ کیا جائے تو چھری بے اثر ہو جائے گی، کاٹنے کا کام نہیں کرے گی۔ ہم دن بھر جو لوگوں کے ساتھ مشغول رہتے ہیں، اگر چہ یہ اخلاص کے ساتھ ہو تو سب دین کے واسطے ہے، سب اللہ کے واسطے ہے لیکن اس کے باوجود لوگوں کے ساتھ خلط ملط کی وجہ سے قلب پر ایک اثر ہوتا ہے، اس سے دل کے اوپر کچھ میل سا آجاتا ہے، إِنَّهُ لَيُغَانُ عَلَى قَلْبِي وَإِنِّي لَأَسْتَغْفِرُ اللهَ فِي الْيَوْمِ مِائَةَ مَرَّةٍ، (۱) یہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے، اس کی ایک تشریح علماء نے یہ بھی کی ہے کہ خلقِ خدا کے ساتھ مخالطت کے نتیجے میں قلب میں جو کدورت آتی ہے، اس کو دور کرنے کے لیے استغفار کرتا ہوں۔

کہ اس محفل سے خوش تر ہے، کسی صحرا کی تنہائی

ہمارے حضرت مفتی صاحب نور اللہ مرقدہ حضرت مولانا الیاس صاحب نور اللہ مرقدہ کا مقولہ نقل کرتے تھے کہ جب کسی اجتماع میں دو تین دن شرکت کر کے آتا ہوں تو اس کی وجہ سے قلب میں جو کدورتیں آجاتی ہیں، اس کو دور کرنے کے لیے میں حضرت رائپوری رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں چلا جاتا ہوں یا اس کا موقع نہیں ہوتا تو اپنے یہاں نظام الدین میں رہ کر کے اعتکاف میں بیٹھ جاتا ہوں اور اس خلوت کی برکت سے ان کدورتوں سے نجات حاصل کرتا ہوں۔

---

(۱) صحیح مسلم، عَنِ الأَغَرِّ الْمُزَنِيِّ رضی اللہ عنہ، باب اسْتِحبَابِ الاِسْتِغْفَارِ وَالاِسْتِكْثَارِ مِنْهُ.

اب ہم تو ''۲۴'' گھنٹے اس طرح لگے رہتے ہیں اور اپنے دل کی صفائی اور ان کدورتوں کو دور کرنے کا کوئی اہتمام نہیں کرتے، میں آپ حضرات کو خاص طور پر اس کی طرف متوجہ کرنا چاہتا ہوں، یہی جان ہے۔

حضرت مولانا علی میاں صاحبؒ کی معروف کتاب ''تاریخِ دعوت وعزیمت'' کا پس منظر

حضرت مولانا علی میاں صاحب نور اللہ مرقدہ کی ایک سوانح ہے، وہاں دمشق میں ایک ادارہ ہے: دارِابنِ کثیر، وہ ہر سال مشاہیرِ علماء کی ایک ایک سوانح شائع کرتا ہے، شیخ عبدالماجد غوری نے عربی میں حضرت مولانا علی میاں صاحب نور اللہ مرقدہ کی سوانح لکھی تھی، اس کو اس نے شائع کیا اور اس کا مقدمہ ڈاکٹر مصطفی سعید الحق نے لکھا ہے جو دمشق یونیورسٹی کے شعبۂ دینیات کے ذمہ دار ہیں، انھوں نے لکھا ہے کہ ۱۹۵۶ء میں حضرت مولانا علی میاں صاحب نور اللہ مرقدہ کو شام کی حکومت نے دمشق یونیورسٹی کی طرف سے ''رجال الفکر وا لدعوۃ'' کے عنوان پر محاضرات کے لیے دعوت پیش کی، یہی محاضرات بعد میں اردو میں ''تاریخِ دعوت وعزیمت'' کے نام سے کتابی شکل میں شائع ہوئے۔

حضرت مولانا علی میاں صاحبؒ کی سادگی اور تواضع

کہتے ہیں کہ حضرت جب وہاں آئے ہیں اور مقالہ پیش کیا ہے تو اس وقت حضرت کی عمر زیادہ نہ تھی۔ حکومت نے حضرت علیہ الرحمۃ کے قیام کے لیے فائیو اسٹار ہوٹل

میں انتظام کیا۔ حضرت علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ میں تو ایک مولوی اور فقیر آدمی ہوں، فائیو اسٹار ہوٹل میں میرا کیا کام! مجھے تو مسجد کا کوئی حجرہ دے دو وہیں قیام کیا۔ کہتے ہیں کہ جب آپ محاضرات کے لیے ہال کے اندر آتے تھے تو شام کے بڑے بڑے علماء پہلے سے آکر بیٹھے ہوئے ہوتے تھے۔

ساتھ چلتی ہے ان کے یوں دنیا

اس میں انھوں نے لکھا ہے کہ اس کے اندر اصل دخل علمی کمال کا اتنا زیادہ نہیں تھا بلکہ مولانا کی مقبولیت میں اصل دخل رجوع اور إنابت إلی اللہ کا تھا، بزرگوں کی صحبت کے نتیجے میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے جو کیفیت ان کو عطا فرمائی تھی، اس کے نتیجے میں تھا، ورنہ ہمیں اور آپ کو معلوم ہے کہ عرب کے علماء کا علمی مقام کتنا اونچا ہے، وہ کوئی بھی مسئلہ پیش کرتے ہیں تو ایسا منقّح انداز میں پیش کرتے ہیں کہ ہم اور آپ لوگوں کو تعجب ہوتا ہے، ہم اور آپ اس سے واقف ہیں۔

شیخ علی الدقر کی مجلسِ تفسیرِ قرآن کا دل کش منظر

اسی کتاب میں انھوں نے ایک واقعہ لکھا ہے کہ دمشق میں ایک بزرگ شیخ علی الدقر نامی تھے، وہ دمشق کی ایک چھوٹی سی مسجد میں فجر کی نماز کے بعد قرآنِ پاک کا درس دیا کرتے تھے تو ان کے اس درس میں شرکت کے لیے دور دور سے لوگ آتے تھے، مسجد بھر جاتی تھی اور آگے سڑک اور راستوں کے اوپر چٹائیاں بچھی ہوئی ہوتی تھیں، لوگ بیٹھے ہوئے ہوتے تھے، آواز وہاں نہیں پہنچ رہی ہے، اس کے باوجود لوگوں

کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے ہیں اور ان کی داڑھیاں تر ہیں روزانہ کا یہ منظر تھا۔

اسی سے ہے تیرے نخلِ کُہن کی شادابی

ایک مرتبہ ان کے ایک شاگرد نے کہا کہ حضرت! ہم بھی قرآنِ پاک کا مطالعہ کرتے ہیں اور مطالعہ کرنے کے بعد عجیب وغریب نکات لوگوں کے سامنے پیش کرتے ہیں، اس کے باوجود ہمارے درس کے اندر وہ تاثیر نہیں جو ہم آپ کے درس میں دیکھ رہے ہیں تو انھوں نے کہا: بیٹا! تمھاری تربیت کے لیے کہتا ہوں کہ میں اپنے اس درس میں تاثیر پیدا کرنے کے لیے روزانہ تہجد میں دس پاروں کی تلاوت اس نیت سے کرتا ہوں کہ یا اللہ! میرے اس درس کو تو اپنی مخلوق کے لیے فائدے کا ذریعہ بنا۔ یہ وہ چیز ہے جو یہاں اثر کر رہی ہے۔

اب ہم اپنے آپ کو ان چیزوں سے خالی رکھ کر کے چاہتے ہیں کہ ہمارے درس میں تاثیر آئے تو یہ ممکن نہیں ہے، ہمارے بزرگوں کی سیرت اور سوانح کا مطالعہ کیجیے، وہاں یہ چیز خاص طور پر دیکھنے کو ملتی ہے۔

اُدھر تو در نہ کھولے گا، اِدھر میں در نہ چھوڑوں گا

ہمارے حضرت علیہ الرحمہ واقعہ بیان کرتے تھے: اس زمانے میں دارالعلوم میں غلّہ اسکیم کا جلسہ ہوا کرتا تھا اور یہ جلسہ قدیم زمانے سے دارالعلوم دیوبند میں ہوتا چلا آرہا ہے۔ فرماتے ہیں کہ: جب حضرت شیخ الہند علیہ الرحمہ کے زمانے میں غلّہ اسکیم کا جلسہ تھا، بڑی تعداد میں لوگ حاضر تھے، وہاں چھتہ مسجد میں مخصوص حضرات کو اعتکاف اور دعا

کے لیے بٹھایا گیا تھا، لوگ بڑی تعداد میں آ گئے تو حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ نے ان کو کہلوایا کہ دعاؤں کا اہتمام کریں، جو کھانا تیار کیا گیا تھا، اس کے بارے میں اندیشہ تھا کہ وہ کافی نہ ہو- حضرت یہ واقعہ حضرت علّامہ کے حوالے سے سناتے تھے کہ حضرت علّامہ فرماتے تھے کہ مجھے حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ نے بھیجا کہ وہاں مسجد کے اندر جو حضرات ہیں، ان سے جا کر کے کہہ دو کہ الحمد للہ! کام عافیت سے ہو گیا۔

مجاہدو! اس کو یاد رکھنا، یہ اک نکتہ ہے عارفانہ

تو کوئی بھی کام، کوئی بھی چیز، کوئی بھی مسئلہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف رجوع اور انابت کے بغیر حل نہیں ہوتا؛ اس لیے آج ہم نے اپنا جو ذہن بنا رکھا ہے، اس کو بدلنے کی ضرورت ہے۔ ہم یہ سمجھتے ہیں کہ یہ ہمارا کام نہیں ہے، خانقاہ میں بیٹھنے والے بوریا نشین یہ کام کریں گے۔ نہیں، جب تک ہم ان چیزوں کو نہیں اپنائیں گے، ہمارے علمی کاموں میں جان پڑنے والی نہیں ہے اور اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے ان ہی بندوں سے اپنی مخلوق کو فائدہ پہنچاتے ہیں جن کا اللہ تبارک وتعالیٰ کے ساتھ خصوصی تعلق ہو۔

خالص اللہ تبارک وتعالیٰ کے لیے اپنے کچھ اوقات فارغ کیجیے

اس لیے ضرورت ہے کہ ہم اپنے دلوں میں رجوع اور إنابت إلی اللہ کی کیفیت پیدا کریں اور اس کو پیدا کرنے کے لیے عبادات کی جن شکلوں کی ضرورت ہے، ان کا اہتمام کریں، اس میں اپنے آپ کو لگائیں، اپنے ''۲۴'' گھنٹوں کے اوقات میں سے بعض اوقات کو خالص اللہ تبارک وتعالیٰ کے لیے فارغ کیا جائے، یہ

نہیں کہ مطالعے سے وقت ملے گا، اپنے کاموں سے فرصت ملے گی تو ہم یہ کریں گے۔ بہت سے اہلِ علم بیعت ہوتے ہیں تو یہی شکایت کرتے ہیں کہ مولانا! وقت نہیں ملتا۔ میں کہتا ہوں کہ آپ نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ میں یہ کام تب کروں جب وقت ملے۔ نہیں، یہ کام ضروری ہے۔ جب ہماری زندگی میں کوئی ضروری کام آجاتا ہے تو سارے ضروری کاموں سے بھی وقت نکال کر کے ہم اس کو کر لیتے ہیں تو یہ بھی ضروری ہے، اس کی طرف خاص طور پر توجہ کی جائے۔

یہ چیز جب آئے گی تو اسی کے فوائد میں سے یہ ہوگا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ دین کی خدمت کی طرف متوجہ کریں گے، آپ کے کاموں میں خیر وبرکت ہوگی، لوگوں کو فائدہ پہنچے گا، دنیا سے بے رغبتی کی کیفیت بھی اسی کے نتیجے میں پیدا ہوگی کہ آج بھلے آپ کے پاس مال ہے، کاروبار ہے لیکن اس کاروبار کے باوجود آپ اس کاروبار کے غلام، عبدالدینار اور عبدالدرہم بن کر نہیں رہیں گے بلکہ اس سے بے نیاز ہو کر اللہ کے دین کے کام میں مشغول ہوں گے۔

حضرت شاہ عبدالقادر جیلانی علیہ الرحمۃ کے استغناء کا ایک واقعہ

حضرت شاہ عبدالقادر جیلانی علیہ الرحمۃ، پیرانِ پیر، غوثِ پاک، ان کا واقعہ ہے کہ سلطان سنجران کا بڑا عقیدت مند تھا، اس کی حکومت بڑی پھیلی ہوئی تھی، اس نے دیکھا کہ حضرت کے یہاں اتنے سارے مہمان آتے ہیں، لنگر چل رہا ہے اور اتنا سارا خرچ! حالاں کہ حضرت کی نہ کوئی کھیتی باڑی ہے، نہ کوئی تجارت ہے، نہ کوئی فیکٹری ہے، کہاں

سے سب چلتا ہوگا! اس نے اپنا ایک پورا اسٹیٹ (state) صوبہ جس کا نام تھا نیمروز۔

زانگاہ کہ یافتم خبر ز ملکِ نیم شب

تو سلطان سنجر نے جاگیر کے طور پر لکھ کر کے حضرت کو بھیج دیا کہ آپ کو یہ صوبہ جاگیر کے طور پر پیش کرتا ہوں، اس کی پوری آمدنی آپ کی نذر کرتا ہوں تو حضرت شاہ عبدالقادر جیلانی علیہ الرحمۃ نے اس کے پیچھے جواب میں دو شعر لکھ کر کے بھیجے، بڑے عجیب وغریب ہیں:ـ

چوں چترِ سنجری رخِ بختم سیاہ باد		در دلم بود گر ہوس ملک سنجرم
زانگہ کہ یافتم خبر ز ملکِ نیم شب		من ملکِ نیمروز بیک جو نمی خرم

کہ سلطان سنجر کے چترِ شاہی کی طرح، پہلے زمانے میں بادشاہ ہوتے تھے، وہ جب دربار لگاتے تھے تو اوپر ایک بڑا سا ئبان سا ہوتا تھا کالے رنگ کا، وہ چتر کہلاتا ہے۔ یہ کالے رنگ کا اس لیے رکھا جاتا تھا؛ تاکہ اس سیاہ رنگ کی وجہ سے اس کے اندر ان کا حسین وجمیل چہرہ اور بھی زیادہ بارعب معلوم ہو تو فرمایا: سلطان سنجر کے چترِ شاہی کی طرح میرا نصیبہ بھی کالا ہو جائے، گر در دل بود ہوس ملک سنجرم: اگر میرے دل میں سنجر بادشاہ کے ملک کی ذرا برابر بھی خواہش ہو، زانگاہ کہ یافتم خبر ز ملکِ نیم شب: یہاں آپ نے صنعتِ جناس استعمال کی ہے کہ اُدھر نیمروز تھا تو آپ نے اس کے مقابلے میں نیم شب فرمایا تو فرماتے ہیں: جب سے آدھی رات کے ملک کا پتہ چلا ہے، آدھی رات کو اللہ کے سامنے کھڑے رہ کر راز و نیاز کرنا، اللہ سے مانگنا، جب سے یہ ملک

میرے ہاتھ میں آیا ہے، من ملکِ نیمروز بیک جونمی خرم: یہ نیمروز کا ملک ایک جو کے بدلے میں بھی خریدنے کے لیے تیار نہیں ہوں۔ واقعہ یہی ہے کہ آدمی کی نگاہ صرف اللہ کی طرف جانی چاہیے۔

جب آدمی راتوں کو اللہ کی عبادت میں مشغول ہوگا، اس کے ساتھ راز و نیاز میں مشغول ہوگا تو اللہ تبارک وتعالیٰ اس کو یہ چیز عطا فرمائیں گے، یہی وہ چیز ہے جس کے نتیجے میں آدمی بلاخوف لومۃ لائم، جرأت کے ساتھ دین کی خدمات کو انجام دیا کرتا ہے۔

حضرت شاہ غلام علی صاحب دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت

حضرت شاہ غلام علی صاحب دہلوی رحمۃ اللہ علیہ جو حضرت مرزا مظہر جانِ جاناں رحمۃ اللہ علیہ کے مرید تھے اور صاحبِ تفسیرِ مظہری حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ کے ہم درس تھے، بہت بڑے بزرگ تھے، ان کی خدمت میں عرب ممالک سے بھی لوگ آیا کرتے تھے، سلسلۂ نقشبندیہ عرب کے علاقوں میں ان ہی کی برکت سے پھیلا ہے، بہت سارے لوگ آتے تھے، ویسے ”۵۰۰“ سالکین تو مستقل ان کی خانقاہ میں ذکر واذکار کے اندر مشغول رہتے تھے اور دوسرے مہمانوں کی تعداد الگ ہوتی تھی، اللہ تبارک وتعالیٰ نے انھیں بڑا اونچا مقام عطا فرمایا تھا۔ حضرت مولانا علی میاں صاحب نور اللہ مرقدہ نے ”تاریخِ دعوت وعزیمت“ میں بڑے عجیب وغریب انداز میں ان کا مختصر سا تذکرہ کیا ہے۔

ما آبروئے فقر وقناعت نمی بریم

ٹونک کے اس وقت کے نواب میر خان حضرت شاہ غلام علی صاحب دہلویؒ کے عقیدت مند تھے انھوں نے دیکھا کہ حضرت کے یہاں کثرت سے مہمان ہوتے ہیں انھوں نے ایک جاگیر دینا چاہی تو اس کے جواب میں حضرت علیہ الرحمۃ نے ایک شعر لکھ کر کے بھیجا: ؎

ما آبروئے فقر وقناعت نمی بریم		با میر خان بگو کہ روزی مقدر است

کہ: ہم تمھاری یہ جاگیر قبول کر کے فقر وقناعت کی عزت کو ڈبونا نہیں چاہتے، میر خان سے کہہ دو کہ روزی تو مقدر ہے، وہ آ کر کے رہے گی۔

آج ہم نے اپنے آپ کو ان چیزوں کے اندر ایسا لگا دیا ہے کہ ہم اپنے مقام کو پہچانے بغیر اس سطح سے نیچے اترتے چلے جا رہے ہیں اور ہر چھوٹا بڑا اس چیز کو محسوس کر رہا ہے اور خود ہمیں بھی اس چیز کا احساس ہے، تنہائیوں میں ہم ان چیزوں کو محسوس کرتے ہیں لیکن اس کی اصلاح کی فکر نہیں کرتے، اس کی اصلاح کی ضرورت ہے، اس کی طرف خاص توجہ کی جائے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ مجھے اور آپ کو ان چیزوں کو محسوس کر کے اور ہمارے اسلاف کے نقشِ قدم پر چل کر کے اور اسی روِش اور طریقے کو اختیار کر کے دین کی خدمت میں لگنے کی توفیق عطا فرمائے۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔

رہنمائے طلبہ (۱)

اقتباس

ابھی تو آپ خوش ہو رہے ہیں لیکن کل آپ کو اس کا وبال بھگتنا پڑے گا اور اس کی تلافی کی کوئی صورت بھی آپ کے پاس نہیں ہوگی، یہاں اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ کو موقع دیا ہے، حالتِ غرغرہ سے پہلے ایمان لانا مقبول ہوتا ہے، اسی طرح یہاں اس کی توبہ کرنے سے اس کی تلافی ہوسکتی ہے؛ اس لیے میں آپ سے درخواست کروں گا کہ ابھی بھی موقع ہے، ابھی چار مہینے باقی ہیں، جو کچھ کر سکتے ہو، کرلو۔ صبح کا بھولا شام کو واپس آ جائے تو اس کو بھولا نہیں کہتے۔ ایک آدمی صبح کو کہیں جانے کے لیے گھر سے نکلا ہے، اب درمیان میں اِدھر اُدھر کہیں بھٹک گیا لیکن شام کو واپس گھر آ گیا تو کسی کو پتہ نہیں چلے گا کہ یہ درمیان میں کہیں بھٹک گیا تھا لیکن رات ہوگئی اور نہیں آیا تو پتہ چل جائے گا، گھر والے رات کو تلاش کریں گے۔ اسی طرح طالبِ علمی کے زمانے میں کی ہوئی کوتاہی کی تلافی آپ یہیں مدرسے میں کرلیں گے تو موقع ہے لیکن اس کے بعد موقع نہیں ہے؛ اس لیے میں آپ حضرات سے یہی عاجزانہ درخواست کروں گا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہ موقع دیا ہے، اس سے آپ فائدہ اٹھائیں۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

الحمد لله نحمده ونستعينه ونستغفره و نؤمن به ونتوكل عليه ،ونعوذ بالله من شرور انفسنا و من سيئات اعمالنا ،ونعوذ بالله من شرور انفسنا و من سيئات اعمالنا ،ونعوذ بالله من شرور انفسنا و من سيئات اعمالنا ،من يهده الله فلا مضل له ،ومن يضلله فلا هادي له ،ونشهد أن لا إله إلا الله وحده لا شريک له ونشهد أن سيدنا ومولا نا محمدا عبده ورسوله ،أرسله إلى كافّة الناس بشيرا ونذيرا ،وداعيا إلى اللّٰه بإذنه وسراجا منيرا ،صلى اللّٰه تعالىٰ عليه وعلى آله وأصحابه وبارک وسلّم تسليما كثيرا كثيرا ،أما بعد:

فَاَعُوۡذُ بِاللهِ مِنَ الشَّيۡطٰنِ الرَّجِيۡمِ بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ: ﴿لَئِنۡ شَكَرۡتُمۡ لَاَزِيۡدَنَّكُمۡ وَلَئِنۡ كَفَرۡتُمۡ اِنَّ عَذَابِيۡ لَشَدِيۡدٌ﴾ [ابراهيم:۷] وقال تعالىٰ: ﴿ثُمَّ لَتُسۡـَٔلُنَّ يَوۡمَئِذٍ عَنِ النَّعِيۡمِ﴾ [التكاثر: ۸] وقال تعالىٰ: ﴿وَرَبُّكَ يَخۡلُقُ مَا يَشَآءُ وَيَخۡتَارُ مَا كَانَ لَهُمُ الۡخِيَرَةُ سُبۡحٰنَ اللّٰهِ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشۡرِكُوۡنَ﴾ [القصص:۶۸]

اللہ تبارک وتعالیٰ کی نعمتوں کی کوئی انتہاء اور شمار نہیں ہے

حضراتِ اساتذۂ کرام اور عزیز طلبہ! اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہم کو اپنی بے شمار نعمتوں سے نواز رکھا ہے اور اللہ تبارک وتعالیٰ کی یہ نعمتیں ہم پر دن رات، ہر لمحہ، ہر گھڑی بارش کی طرح جاری وساری ہیں، اللہ تبارک وتعالیٰ نے جو نعمتیں ہمیں دے رکھی ہیں، ان کا شمار ہمارے بس میں نہیں ہے، باری تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿وَاِنۡ تَعُدُّوۡا نِعۡمَتَ اللّٰهِ

لَا تُحْصُوْهَا﴾ [ابراهیم:۳٤]

اللہ تبارک وتعالیٰ کی دنیوی نعمتیں بلا امتیاز وتفریق تقسیم ہوتی ہیں

ویسے اللہ تبارک وتعالیٰ نے جو مختلف نعمتیں عطا فرمائی ہیں، ان کو حضراتِ علماء نے دو قسموں میں منقسم کر رکھا ہے: (۱) مادی، اور (۲) روحانی۔ ان روحانی نعمتوں میں بھی اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہمیں علم کے ساتھ جو نسبت اور تعلق عطا فرمایا، یہ اس کا محض فضل اور احسان ہے۔ ویسے اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے تمام ہی بندوں کو نعمتوں سے نوازتے ہیں اور ان کی ضرورتوں کو پورا فرماتے ہیں، خاص کر کے ان کی دنیا کی نعمتوں اور ضرورتوں کی تقسیم کے سلسلے میں اللہ تبارک وتعالیٰ کے یہاں کوئی تفریق نہیں: ﴿كُلًّا نُّمِدُّ هٰؤُلَاءِ وَهٰؤُلَاءِ مِنْ عَطَاءِ رَبِّكَ وَمَا كَانَ عَطَاءُ رَبِّكَ مَحْظُوْرًا﴾ [الإسراء:۲۰]: یہ اور وہ، ایمان والوں کو بھی اور کافروں کو بھی، ہر ایک کو ہم دیتے ہیں اور اللہ تبارک وتعالیٰ کی بخشش کی کسی پر بندش نہیں ہے، رُکی ہوئی نہیں ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے باغی بندوں کو دنیوی نعمتوں سے زیادہ ہی نوازتے ہیں

بلکہ خود اللہ تبارک وتعالیٰ قرآنِ پاک میں فرماتے ہیں کہ دنیا کی نعمتوں کا حال تو یہ ہے کہ: ﴿وَلَوْلَآ اَنْ يَّكُوْنَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً لَّجَعَلْنَا لِمَنْ يَّكْفُرُ بِالرَّحْمٰنِ لِبُيُوْتِهِمْ سُقُفًا مِّنْ فِضَّةٍ وَّمَعَارِجَ عَلَيْهَا يَظْهَرُوْنَ، وَلِبُيُوْتِهِمْ اَبْوَابًا وَّسُرُرًا عَلَيْهَا يَتَّكِئُوْنَ﴾ [الزخرف:۳۳، ۳۴] کہ: اگر یہ اندیشہ نہ ہوتا کہ لوگ ایک ہی طرف چل پڑیں گے، یہ

کمزور ایمان والے اپنے ایمان کی کمزوری کی وجہ سے کافروں کو اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے دنیا کی جو نعمتیں دی جارہی ہیں، ان کو دیکھ کر شاید یہ سوچنے لگیں کہ ان کو اللہ تبارک وتعالیٰ کی نعمتوں کا ملنا ان کے اللہ کے یہاں مقبول ہونے کی اور عند اللہ محبوب ہونے کی علامت ہے، یہ سوچ کر وہ بھی ان کے پیچھے چل پڑیں، یہ اندیشہ نہ ہوتا تو ان کافروں کو ہم اتنا دیتے کہ ان کے گھروں کی چھتیں اور ان کے مکانات کے زینے اور سیڑھیاں اور ان کے گھروں کے دروازے اور ان کی مسہریاں اور پلنگ جس پر وہ آرام کرتے ہیں، یہ سب سونے اور چاندی کے ہوتے لیکن ہماری ایمانی کمزوری کی وجہ سے ان کے ساتھ اس قدر زیادہ داد و دہش کا معاملہ نہیں کیا گیا، اللہ کے خزانے تو بھرے ہوئے ہیں۔

اللہ تبارک وتعالیٰ کے نزدیک دنیا کی وقعت مچھر کے پر کے برابر بھی نہیں ہے

اور یہ اس لیے کہا گیا کہ دنیا کے مال ومتاع کی اللہ تبارک وتعالیٰ کے یہاں کوئی قدر و قیمت نہیں ہے۔ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ دنیا کی قدر و قیمت اللہ تبارک وتعالیٰ کے یہاں مچھر کے پر کے برابر ہوتی تو کسی کافر کو پینے کے لیے پانی کا ایک گھونٹ بھی عطا نہ فرماتے (۱)۔ یہ جو دے رہے ہیں، اس کی وجہ یہی ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے یہاں اس کی کوئی قدر نہیں ہے، جیسے ہمارے گھر کے سامنے گٹر کا پانی

(۱) سنن الترمذی، عن سهل بن سعد، باب مَا جَاءَ فِی هَوَانِ الدُّنْیَا عَلَی اللهِ عَزَّ وَجَلَّ.

بہہ رہا ہو، ہمارا کوئی دشمن اس میں سے پانی بھر کر لے جائے تو ہم خوش ہوں گے کہ سب بھر کر کے لے جاؤ، ہمارا کیا بگڑتا ہے، اسی طرح اللہ تبارک وتعالیٰ کے یہاں اس کی کوئی قدر و قیمت نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ علمِ دین کی دولت صرف محبوبین کو عطا فرماتے ہیں

اسی لیے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ دنیا تو دوست کو بھی دیتے ہیں، دشمن کو بھی دیتے ہیں، مؤمن کو بھی دیتے ہیں اور کافر کو بھی دیتے ہیں لیکن دین کی نعمت اللہ تبارک وتعالیٰ اسی کو دیتے ہیں جس سے وہ راضی اور خوش ہوتے ہیں۔ اگر اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہمیں دین کی کوئی نعمت عطا کر رکھی ہے تو یہ اس بات کی علامت ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ ہم سے راضی اور خوش ہیں بلکہ خاص طور پر یہ علم والی دولت! اس کے متعلق خود نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے: مَنْ يُرِدِ اللَّهُ بِهِ خَيْرًا يُفَقِّهْهُ فِي الدِّينِ [1]: کہ اللہ تبارک وتعالیٰ جس کے ساتھ بھلائی کا ارادہ فرماتے ہیں تو اللہ تبارک وتعالیٰ اس کو دین کی سمجھ عطا فرماتے ہیں، فقہ فی الدین کی نعمت سے مالا مال فرماتے ہیں۔

قدم یہ اٹھتے نہیں، اٹھائے جاتے ہیں

تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے مجھے اور آپ کو یہ جو علم کے ساتھ نسبت اور تعلق عطا فرمایا ہے، اس لائن میں ہمیں لگایا اور اس کام کے لیے اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہمارا انتخاب

(۱) صحیح البخاری، عَنْ مُعَاوِيَةَ رضی اللہ عنہ، باب قَوْلِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم: لاَ تَزَالُ طَائِفَةٌ مِنْ أُمَّتِي ظَاهِرِينَ عَلَى الْحَقِّ يُقَاتِلُونَ وَهُمْ أَهْلُ الْعِلْمِ.

فرمایا، یہ اس کا بہت بڑا انعام ہے۔ دیکھو! ہم اپنے اختیار سے نہیں آئے ہیں، ؎

میری طلب بھی کسی کے کرم کا صدقہ ہے	قدم یہ اٹھتے نہیں، اٹھائے جاتے ہیں

وہی ہوتا ہے، جو منظورِ خدا ہوتا ہے

اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہی ہمیں بھیجا ہے، اس میں ہمارے قصد وارادے کو کوئی دخل نہیں ہے، رَبُّكَ يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ وَيَخْتَارُ مَا كَانَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ: تیرا رب جو چاہتا ہے پیدا کرتا اور جس کے لیے جو چاہتا ہے، فیصلہ کرتا ہے، مَا كَانَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ: مخلوق کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے اختیار نہیں دیا ہے، مجھے اور آپ کو کوئی اختیار نہیں ہے، میرے اور آپ کے اختیار میں کچھ بھی نہیں ہے۔ اگر ہم چاہیں کہ یہ نہیں کریں گے تو ایسا نہیں ہوسکتا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے میرے اور آپ کے لیے جو پسند کیا، وہی ہم کر رہے ہیں۔ وَمَا تَشَاءُونَ إِلَّا أَنْ يَشَاءَ اللَّهُ: ہمارے چاہنے سے کچھ نہیں ہوتا، اللہ تبارک وتعالیٰ جو چاہتے ہیں، وہی ہوتا ہے۔ گویا ہم جو یہاں جو آئے ہیں تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہمارے بارے میں یہاں آنے کا فیصلہ کیا، اسی کے نتیجے میں ہم یہاں آئے ہیں۔ اب اس کے لیے جو اسباب ناگہانی طور پر وجود میں آئے ہوں: ماں باپ کے دل میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے ڈالا، یا خود کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ماں باپ نہیں چاہتے لیکن اس کے باوجود بیٹا زبردستی آجاتا ہے تو جو بھی ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہمیں یہاں پہنچایا ہے۔

ادائے شکر نعمتوں میں اضافے کا باعث ہے

خاص طور پر میں طلبہ سے درخواست کرتا ہوں کہ ذرا یہ سوچو! اللہ تبارک

وتعالیٰ کے اس انعام کو بار بار سوچنے کی اور اللہ تبارک وتعالیٰ کی اس نعمت کا دل سے بار بار شکر ادا کرنے کی ضرورت ہے؛ اس لیے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی نعمتوں کا جتنا زیادہ شکر ادا کیا جائے گا، اتنا ہی اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے نعمتوں میں اضافہ ہوگا۔ تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہمارے یہاں آنے کے جو اسباب پیدا فرمائے، دنیوی اعتبار سے، ظاہری اعتبار سے جو بھی شکلیں ہوں، یہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا بہت بڑا انعام ہے۔

حصولِ علمِ دین کے لیے ہمارا انتخاب باری تعالیٰ کا احسانِ عظیم ہے

ذرا آپ سوچو تو سہی! آپ جس ماحول سے آرہے ہیں، جس گھرانے سے آپ کا تعلق ہے، جس برادری سے آپ کا تعلق ہے، جس محلے اور بستی سے آپ کا تعلق ہے، وہاں آپ جیسے، آپ کے ہم عمر اور بھی بہت سارے بچے تھے اور بہت سے تو آپ سے زیادہ ہوشیار، آپ سے زیادہ ذہین، آپ سے زیادہ دولت مند، آپ سے زیادہ دنیوی اسباب والے تھے، اس کے باوجود اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان سب میں سے چن کر کے آپ کو یہاں پر پہنچایا۔ وہ وہاں ہیں: کوئی کھیتی باڑی میں لگا ہوا ہے، کوئی جانور چرا رہا ہے، کوئی دکان چلا رہا ہے، کوئی کاروبار کر رہا ہے، وہ چاہے جو بھی کر رہا ہو اپنی بلا سے لیکن بہر حال! انھیں وہاں اور ہم کو یہاں پہنچا دیا، یہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا کتنا بڑا انعام ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ کا ہم جتنا بھی شکر ادا کریں کم ہے۔

ہدایت کی دولت باری تعالیٰ نے اپنے قبضۂ تصرف میں رکھی ہے

حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو کسی نے ایک مرتبہ دیکھا کہ خوشی سے ناچ رہے ہیں، بڑی

مسرت کا اظہار کررہے ہیں، پوچھا کہ کیا بات ہے؟ تو حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ میں سوچ رہا ہوں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ایمان کی دولت مجھے عطا فرمائی، اللہ تبارک وتعالیٰ نے ایمان اور ہدایت کی دولت اپنے ہاتھ میں رکھی ہے، اگر یہ دولت دنیا کے انسانوں کے ہاتھ میں دی گئی ہوتی کہ تم تقسیم کرو، تم جس کو چاہو، دو تو کہاں میرا نمبر لگتا۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا تعلق بھی ویسے سیاہ فام قوم سے ہے اور اس زمانے میں بھی اور آج اس ترقی یافتہ دور میں بھی جب کہ حقوقِ انسانی کی آوازیں بڑے زور وشور سے بلند کی جارہی ہیں، اس سیاہ فام قوم کے ساتھ جو سلوک روا رکھا جارہا ہے، ساری دنیا اس کو دیکھ رہی ہے۔ اور اس سیاہ فام قوم میں بھی مَیں تو غلام تھا، مجھے کہاں ایمان نصیب ہوتا، یہ تو خود اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہ نعمت اپنے ہاتھ میں رکھی ہے اور اسی نے مجھے دی؛ اس لیے یہ دولت مجھے حاصل ہوئی ہے۔

طلبہ اور علماء اس گراں قدر نعمت کا برابر استحضار کرتے رہیں

ایسے ہی علم کی دولت کے بارے میں سوچو! اس مدرسے میں جو بچے ہیں، کہاں کہاں سے آئے ہیں، اساتذہ اور مدرسہ کے منتظمین جانتے ہیں، جن گھرانوں سے آئے ہیں، جن علاقوں سے آئے ہیں، جن بستیوں سے آئے ہیں، اگر علم کی یہ دولت دنیا والوں کے ہاتھ میں دی جاتی اور ان کو کہا جاتا کہ تقسیم کرو تو وہ تو بڑے بڑے گھرانوں کو تلاش کرتے اور ان کے بچوں کو دیتے کہ یہ علم کی دولت لے لو۔ اونچے اونچے خاندانوں کو منتخب کیا جاتا۔ یہ تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے محض اپنے

فضل سے انتخاب فرمایا، مَا کَانَ لَھُمُ الْخِیَرَۃُ: لوگوں کے ہاتھ میں نہیں ہے، ہمارے، آپ کے ہاتھ میں بھی نہیں ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ سب کو چن کر کے یہاں پہنچایا۔ اس بات کو بار بار سوچیں اور اپنے دماغ میں اس کو تازہ کریں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا کتنا بڑا انعام ہے، میں کہاں اس کا مستحق تھا، میں جس خاندان سے تعلق رکھتا ہوں، میرا جہاں گھر ہے، جس بستی کا رہنے والا ہوں، وہاں سے حصولِ علم کے لیے یہاں کیسے آ سکتا، وہ تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہاں مجھے پہنچایا۔ یہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا بہت بڑا انعام ہے کہ اس نے ہم کو اور آپ کو اس کام میں لگایا۔

حصولِ علمِ دین کے لیے ہمارے اسلاف کی جدوجہد

آپ اندازہ لگائیے کہ پہلے زمانے میں ہمارے اکابر اور اسلاف جنھوں نے علمِ دین کی خدمات انجام دیں، انھوں نے بڑے بڑے کارنامے انجام دئے، نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے سے لے کر آج تک جن حضرات کا تعلق علمی سلسلے سے رہا اور جنھوں نے علم حاصل کرنے کے لیے اپنے اوقات کو فارغ کیا، انھوں نے کیسی کیسی تکلیفیں اٹھائیں، تاریخ کی کتابوں میں اس کی تفصیلات لکھی ہوئی ہیں۔ ہم اور آپ ان کے حالات کا مطالعہ کرتے ہیں تو پتہ چلتا ہے کہ انھوں نے علم حاصل کرنے کے لیے کیسی کیسی مشقتیں اور تکلیفیں اٹھائیں، اس زمانے میں سواریاں اور وسائل ویسے نہیں تھے جیسے اس زمانے میں ہیں۔ اس زمانے میں نہ یہ سڑکیں بنی ہوئی تھیں، نہ ٹرینیں تھیں، نہ ہوائی جہاز تھے، نہ بسیں تھیں، نہ کاریں تھیں، پھر بھی اس زمانے میں لوگ کتنا طویل سفر

کرتے تھے۔

چلی ہے لے کے وطن کے نگار خانے سے

آج نیا دور آیا ہے، آج ایک نیا سلسلہ شروع ہوا ہے کہ ہمارے محدثین اور علماء نے جو علمی دورے کیے، ان کو نقشے کے ذریعہ بتایا جاتا ہے۔ باقاعدہ دنیا کا نقشہ بنایا جاتا ہے اور علماء بتاتے ہیں کہ امام بخاری علیہ الرحمۃ یہاں پیدا ہوئے پھر یہاں سے فلاں علاقے میں حدیث حاصل کرنے کے لیے گئے، فلاں علاقے میں گئے، فلاں ملک کے فلاں شہر میں گئے، انھوں نے علم حاصل کرنے کے لیے کتنے طویل اسفار کیے، باقاعدہ نشان لگا کر بتایا جاتا ہے اور پھر یہ کہ حصولِ علم کے لیے انھوں نے کتنے اساتذہ کے سامنے زانوئے ادب تہہ کیا، آج تو اللہ تبارک وتعالیٰ کے اتنے انعامات ہیں کہ مختصر وقت میں، مختصر زمانے میں ساری چیزیں حاصل کر سکتے ہیں جس کے لیے لمبا زمانہ درکار ہوتا تھا، زندگی کا بیشتر حصہ ان کا اسی کے اندر صرف ہوجاتا تھا۔

شرابِ علم کی لذت کشاں کشاں مجھ کو

اور پھر یہ کہ ایک علم حدیث ہی حاصل کرنے کے لیے ایک دو استاذ سے کام نہیں چلتا تھا، سینکڑوں اساتذہ کے پاس جانا پڑتا تھا۔ جب ہم ان حضرات کے حالات کا مطالعہ کرتے ہیں تو پاتے ہیں کہ ان حضرات کے حدیث کے اساتذہ فلاں، فلاں، فلاں ہیں، کسی کے ''۲۰۰'' کسی کے ''۴۰۰'' کسی کے ''۵۰۰'' اساتذہ ہیں پھر یہ تو خالی سفر کی مشقتوں کی باتیں ہیں، اس کے علاوہ کھانے، پینے، رہنے، سہنے وغیرہ کے

انتظامات اور اس کے لیے اٹھائی جانے والی مشقتیں، ہم اندازہ بھی نہیں لگا سکتے!

حصولِ علم کی راہ میں من جانب اللہ

ہمارے لیے فراہم کردہ سہولتوں کا مختصر سا نقشہ

ہمیں اور آپ کو ان میں سے کوئی مشقت زیادہ نہیں برداشت کرنی پڑتی، کوئی انتظام نہیں کرنا پڑتا، ابھی تو مدرسے میں آئے اور ابھی تو داخلہ بھی ہوا نہیں کہ کھانا تیار ملتا ہے، ایسی کوئی شرط نہیں ہوتی کہ مدرسے میں آنے کے بعد داخلہ ہونے ہی پر آپ کو کھانا ملے گا، اس سے پہلے آپ کو کھانا نہیں ملے گا بلکہ آتے ہی کھانے کا اور دوسری سہولتوں کا انتظام موجود ہوتا ہے، طعام کا انتظام ہے، قیام کا انتظام ہے اور وہ بھی ایسا عجیب وغریب انتظام! کھانے، پینے کا انتظام اور رہنے سہنے کا انتظام، یہ بچے جہاں سے آرہے ہیں، کیا وہاں اس طرح آرسی سی کے مکانات ہیں؟ کچے مکانات، جھونپڑے ہوتے ہیں اور کیا استنجے کے لیے اس طرح عمدہ اور پختہ بیت الخلاء گھروں میں بنے ہوئے ہوتے ہے؟ اور غسل کرنے کے لیے ایسے غسل خانے گھروں میں بنے ہوئے ہوتے ہیں؟ نہیں۔ پانی کا اس طرح انتظام ہے کہ ''۲۴'' گھنٹے بلا روک ٹوک کے آتا رہتا ہو؟ پانی لینے کے لیے دور دور جانا پڑتا ہے اور غسل کرنے کے لیے گھر والوں کو پانی میسر نہیں ہوتا، یہاں وافر مقدار میں ''۲۴'' گھنٹے دست یاب ہے اور اس کو وضو اور غسل میں بے تحاشا استعمال کرتے ہیں۔

ان نعمتوں کے ساتھ ہمارے طلبہ کا ناروا کا سلوک

درمختار میں جہاں وضو کے مکروہات شمار کرائے ہیں، وہاں ''الإ سراف فی الوضوء'' کو بھی شمار کرایا ہے،اس میں لکھتے ہیں کہ اگر وہ ماء مدارس اور ماء مساجد ہوتب تو حرام ہے،اپنے پانی میں اسراف مکروہ ہے لیکن وقف کے پانی میں اسراف حرام ہے اور ہمارے طلبہ کا حال کیا ہے؟ وضو کے لیے بیٹھے ہیں اور باتیں کررہے ہیں،نل چالو ہے اوراس میں سے بے حساب پانی بہہ کر کے ضائع ہو رہا ہے لیکن ان کو یہ احساس بھی نہیں ہے کہ ہم کس طرح پانی ضائع کررہے ہیں، حالاں کہ پانی میں اسراف کرنے والے ان لڑکوں سے پوچھا جائے کہ تم کہاں کے رہنے والے ہو؟ تو جواب ملے گا کہ راجستھان کے فلاں علاقے کا۔ان سے پوچھو کہ کیا وہاں پانی اتنی وافر مقدار میں ملتا ہے؟ نہیں، پھر کیوں ایسا اسراف کررہے ہو؟

گدائی میں بھی وہ اللہ والے تھے غیّور اتنے

بہرحال! میں تو یہ عرض کررہا تھا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہمیں اس قدر زیادہ سہولتیں عطا فرمائی ہیں، یہ تو محض کھانے پینے اور رہائش کی سہولتوں کی بات تھی۔ کپڑوں کا انتظام بھی ہوتا ہے۔ ہمارے محدثین کا حال یہ تھا کہ ان بے چاروں کے پاس اتنے کپڑے بھی نہیں تھے، دو تین دن تک اسباق میں غیر حاضری ہوئی تو استاذوں نے پوچھا کہ فلاں صاحب کہاں ہیں، کیا بات ہے، اتنے دنوں سے حاضری نہیں دے رہے ہیں، تحقیق کی، ان کے رہنے کے مقام پر گئے، کمرے کا دروازہ اندر سے بند

ہے، پوچھا تو کہتے ہیں کہ ستر چھپانے کے واسطے میرے پاس کپڑے ہی نہیں ہیں کہ میں باہر نکل سکوں اور آج غریب سے غریب طالب علم بھی ہوتو اس کے پاس پانچ سات جوڑے کپڑے تو ہوتے ہی ہیں، جو اپنے آپ کو سب سے زیادہ غریب کہتا ہے، ان کا یہ حال ہے، جو اپنے آپ کو خوش حال کہتا ہے، اس کی بات تو چھوڑ یئے۔

چھو لینا آسماں کو آسان نہیں ہوتا

اور پھر یہاں تو سارے ہی انتظامات ہیں، کتابیں تو خریدنی نہیں پڑتی، روشنی کا بھی انتظام ہے۔ اس زمانے میں روشنی کے لیے کیسے پاپڑ بیلنے پڑتے تھے۔ جیسے ہمارے بعض بزرگوں کے حالات میں لکھا ہے کہ وہ دکان داروں کے یہاں چوکی دے رہے ہیں اور یہ شرط مقرر کی جاتی ہے کہ رات بھر دکان میں چراغ جلتا رہے، ہم آپ کی دکان کی چوکی داری کریں گے، آپ ہمیں آپ کے چراغ کی روشنی میں پڑھنے کی اجازت دے دیں۔ اس طرح کا سودا ہوا کرتا تھا اور ہمارے یہاں روشنی کا انتظام دیکھیے کہ جہاں بھی پڑھنا چاہتے ہیں، وہاں روشنی کا انتظام ہے اور پھر کتابوں، کاغذات کا انتظام بھی ان کو خود کو کرنا پڑتا تھا۔

آج کل طالبِ علمی کی زندگی قابلِ رشک ہوتی ہے

اور ہمارے یہاں دیکھیے کہ ہر چیز کا کیسا انتظام ہے! مجھے تو اس پر رشک آتا ہے، میں بھی ایک زمانے میں طلبہ کی نگرانی کے لیے مطبخ اور دارالاقامہ وغیرہ میں جایا کرتا تھا کہ نماز پڑھ رہے ہیں یا نہیں؟ تو فجر کی اذان سے پہلے دارالاقامہ میں جانا ہوتا

تھا، ہمارے یہاں دارالاقامہ کے نیچے "ڈائننگ ہال" (dining-hall) تھا تو جب اوپر والے دارالاقامہ میں اوپر جا رہا ہوتا تو دیکھتا کہ "ڈائننگ ہال" میں خوانچے رکھے جا رہے ہیں، پیالے رکھے جا رہے ہیں، کا ہے کے واسطے؟ چائے کے واسطے، حالاں کہ طلبہ تو ابھی سوئے ہوئے ہیں! جن کے لیے خوانچے رکھے جا رہے ہیں، جن کی چائے کے واسطے پیالے رکھے جا رہے ہیں، وہ تو سوئے ہیں اور یہاں اللہ تبارک وتعالیٰ کا انتظام دیکھو۔ یہ اکرام کس نسبت پر ہو رہا ہے؟ علم کی نسبت پر اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہ اعزاز واکرام عطا فرمایا ہے۔

قیامت کے دن ان نعمتوں کا جواب دینا ہے

آپ اندازہ لگائیے! یہ اعزاز ہمیں جس نسبت پر ملا ہے، کیا اس نسبت کی ہمیں لاج نہیں رکھنی ہے؟ اسی نسبت پر تو ہم جی رہے ہیں، اسی نسبت پر تو ہم کھا پی رہے ہیں، اسی نسبت پر تو ہم فائدے اٹھا رہے ہیں۔ اب اگر ہم اس کا لحاظ نہ کریں تو کل کو اللہ تبارک وتعالیٰ کے یہاں کیا جواب دیں گے؟

خلقِ خدا علم کی نسبت پر ہی ہمارے لیے یہ سہولتیں فراہم کر رہی ہے

آپ سوچیے کہ مدرسے کے اندر امداد کرنے والے کہاں کہاں کے لوگ ہیں، خود ہندوستان ہی کے اندر مختلف شہروں کے ہیں، کوئی ممبئی میں ہے، کوئی کلکتہ میں ہے، کوئی بنگلور میں ہے، کوئی دلی میں ہے، کوئی پونہ میں ہے اور کچھ ملک کے باہر کے ہیں کہ کوئی لندن میں ہے، کوئی افریقہ میں ہے، کوئی زامبیا میں ہے، کوئی امریکہ میں ہے، کوئی

کنا ڈا میں ہے۔ دینے والے اپنی محنت کی کمائی اس لیے دے رہے ہیں کہ اللہ کے بندے دین کا علم حاصل کر رہے ہیں، ہم ان کی ضرورتوں کو پورا کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ کیا یہ دینے والے آپ کو پہچانتے ہیں؟ آپ میں سے کسی کو بھی نہیں جانتے۔ وہ تو اس نسبت پر دے رہے ہیں کہ اللہ کے جن بندوں نے اپنے آپ کو دین کا علم حاصل کرنے کے لیے فارغ کر رکھا ہے، ہمارا فریضہ ہے کہ ہم ان کی ضرورتوں کو پورا کرنے کا انتظام کریں۔ نہ وہ آپ کو پہچانتے ہیں، نہ آپ ان کو جانتے ہیں، نہ آپ ان کے نام سے واقف ہیں، نہ وہ آپ کے نام سے واقف ہیں، یہ ایک سلسلہ ہے جو جاری ہے، یہ سب اسی علم کی نسبت پر ہو رہا ہے۔

حصولِ علم سے ہماری غفلت بہت بڑی خیانت ہے

تو یہ ساری نعمتیں جو اللہ تبارک وتعالیٰ نے عطا فرمارکھی ہیں، کاہے کے واسطے ہے؟ اسی علمِ دین کو حاصل کرنے کے واسطے دی ہیں، اب ان ساری نعمتوں کو تو ہم استعمال کریں: اپنے وقت پر تازہ کھانا کھا رہے ہیں، مدرسے کی ساری چیزوں سے فائدہ اٹھا رہے ہیں لیکن سبق میں حاضری نہیں دیتے۔ سبق میں حاضری دے رہے ہیں لیکن موبائل سے کھیل رہے ہیں۔ میچ کا مشاہدہ کر رہے ہیں کہ فلانے کے کتنے رن ہوئے، کون جیتا، کون ہارا، اسی میں ہمارا دل لگا ہوا ہے، استاذ کیا تقریر کر رہے ہیں، اس کی طرف ہمارا کوئی دھیان ہی نہیں ہے، کیا یہ خیانت نہیں ہے؟ قرآنِ پاک میں ایک سورت مستقل اللہ تبارک وتعالیٰ نے اتاری ہے۔

منہ خدا کو ہے دکھانا ایک دن

کہتے ہیں کہ جب نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہجرت کر کے مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ تشریف لے گئے تو سب سے پہلے یہ سورت نازل ہوئی اور بعض حضرات تو کہتے ہیں کہ راستے میں نازل ہوئی: ﴿وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِيْنَ الَّذِيْنَ اِذَا اكْتَالُوْا عَلَى النَّاسِ يَسْتَوْفُوْنَ وَاِذَا كَالُوْهُمْ اَوْ وَّزَنُوْهُمْ يُخْسِرُوْنَ﴾ [المطففین ۱-۳] کہ جو لوگ ناپ تول میں کمی کرتے ہیں، ان کے لیے ہلاکت اور بربادی ہے، اَلَّذِيْنَ اِذَا اكْتَالُوْا عَلَى النَّاسِ يَسْتَوْفُوْنَ جب لوگوں سے وصول کرنے کا وقت آتا ہے تو پورے پورا وصول کرتے ہیں۔ وَاِذَا كَالُوْهُمْ اَوْ وَّزَنُوْهُمْ يُخْسِرُوْنَ: اور جب ناپ تول کر دینے کا وقت آتا ہے تو کم دیتے ہیں۔ اَلَا يَظُنُّ اُولٰٓئِكَ اَنَّهُمْ مَّبْعُوْثُوْنَ لِيَوْمٍ عَظِيْمٍ يَّوْمَ يَقُوْمُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ: کیا ان کو یہ خیال نہیں، ان کو اس کا تصور نہیں ہے کہ ان کو اللہ تبارک تعالیٰ کے حضور میں کھڑا کیا جائے گا اور جواب دینا ہوگا؟

تمھیں کہہ دو! یہی آئینِ وفاداری ہے

امام مالکؒ- جو ائمۂ مجتہدین میں سے ہیں- فرماتے ہیں کہ تطفیف ہر چیز میں ہے۔ یہاں علم کی نسبت پر آئے، مدرسے میں داخلہ لیا اور اسی نسبت پر ساری چیزوں سے فائدہ اٹھا رہے ہیں، ہم تو اپنا پورا حق وصول کر رہے ہیں: کھانے میں، پینے میں، رہائش میں، ہر چیز میں لیکن ہم پر جو حق لاگو پڑتا ہے، وہ ہم ادا نہیں کرتے: سبق میں حاضری نہیں دیتے، سبق یاد نہیں کرتے، مطالعہ نہیں کرتے، تکرار نہیں کرتے، نماز باجماعت

کی پابندی نہیں کرتے، بااخلاق بن کر کے نہیں رہتے۔ یہ سب کیا ہے؟ اتنی زیادہ سہولتوں اورنعمتوں کے جواب میں ہم کو یہ دینا چاہیے؟ وَإِذَا كَالُوْهُمْ أَوْ وَّزَنُوْهُمْ يُخْسِرُوْنَ: جب دینے کا وقت آتا ہے تو گھٹا کر کے دیتے ہیں، پورا نہیں دیتے، وصول پورا کرتے ہیں اور اس میں بھی شکایتیں ہیں کہ روٹیاں کچی بنتی ہیں، سالن بدمزہ ہوتا ہے!

ان نعمتوں کی قدر کیجیے

میں طلبہ سے کہا کرتا ہوں کہ دیکھو! آپ کے کھانے کا حال تو یہ ہے کہ جب ساڑھے گیارہ بجے یہاں آپ کی چھٹی ہوتی ہے تو گھنٹی بجتے ہی سیدھا کھانے کے لیے ڈائننگ ہال میں پہنچ جاتے ہیں، ہاتھ دھو کے بیٹھ جاؤ۔ یہ آپ کے اساتذہ، مہتمم صاحب، ناظم صاحب جو آپ کے لیے یہ انتظامات کر رہے ہیں، وہ جب گھر جائیں گے نا تو گھر والے کہیں گے کہ کھانا تیار نہیں ہے، انتظار کرو۔ آپ کے لیے تو بالکل تیار ہے، ایک منٹ کی بھی تاخیر نہیں تو آپ اندازہ لگائیے کہ آپ کے لیے اللہ تبارک وتعالیٰ نے کتنی سہولتیں مہیا کر دی ہیں؛ اس لیے ضرورت ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہمیں جو یہ نعمتیں عطا فرمائی ہیں، اللہ تبارک وتعالیٰ کی ان نعمتوں کو قدر کی نگاہ سے دیکھیں اور اس کا حق ادا کرنے کی کوشش کریں۔

شکرِ حقیقی

لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيْدَنَّكُمْ وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ إِنَّ عَذَابِيْ لَشَدِيْدٌ: **شکر کا مطلب کیا ہے؟** شکر کا مطلب صرف یہ نہیں کہ زبان سے کہہ دیا کہ اے اللہ! تیرا بے انتہا شکر اور

احسان ہے کہ تو نے یہ نعمتیں ہمیں عطا فرمائیں، اگرچہ شکر یہ بھی ہے لیکن حقیقی شکر یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے جو نعمت جس مقصد کے لیے ہمیں عطا فرمائی ہے، اس مقصد میں اس کو استعمال کیا جائے، اس کا حق ادا کیا جائے، وہ مقصد اس سے حاصل کیا جائے: زبان جس مقصد کے لیے دی گئی ہے، زبان کو اسی میں استعمال کریں، آنکھیں جن کاموں کے لیے ہمیں دی ہیں، ان کو ان ہی کاموں میں استعمال کریں۔ اسی طرح اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہ سہولتیں ہمیں جس مقصد کے لیے دی ہیں، ہم ان کو اس مقصد کو حاصل کرنے کے لیے استعمال کریں، اس مقصد کو حاصل کرنے میں جی جان سے لگ جائیں، اپنی ساری صلاحیتوں کو اس کے پیچھے لگائیں۔

مدرسے میں قیام کے دو مقصود

اللہ تعالیٰ نے ہمیں بہت ساری صلاحیتیں بھی عطا فرمائی ہیں، آنکھیں دی ہیں، کان دئے ہیں، زبان دی ہے، دل دیا ہے، دماغ دیا ہے، یہ سب صلاحیتیں ہمیں اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس لیے دی ہیں؛ تاکہ ہم دین کے علم کو حاصل کریں؛ اس لیے اپنے آپ کو پورے طور پر اس میں لگانے کی ضرورت ہے۔ یہاں آ کر آپ کو دو کام کرنے ہیں: علم بھی حاصل کرنا ہے اور عملی اعتبار سے بھی اپنے آپ کو ٹھیک کرنا ہے تو گویا علم اور عمل، ان دونوں کی درستگی یہاں کے قیام کا مقصود ہے، دونوں کی طرف توجہ دیجیے۔

حصولِ علم کی راہ بہت پرانی ہے

اب علم حاصل کرنے کے لیے کیا کرنا ہے، یہ بھی کوئی نئی چیز نہیں ہے، کوئی نیا

راستہ نہیں ہے، ہم سے پہلے جو علماء اس راستے پر چلے اور منزلِ مقصود پر پہنچے، وہ کیسے چلے اور کس طرح منزلِ مقصود پر پہنچے؟ یہ سب کتابوں میں لکھا ہوا ہے، اس موضوع پر با قاعدہ کتابیں لکھی گئی ہیں، "**التعليم و المتعلم**" تصنیف کا ایک موضوع ہے جس میں یہ بیان کیا جاتا ہے کہ ایک علم حاصل کرنے والا کس طرح علم حاصل کرے، جیسے علمِ صرف، علمِ نحو، علمِ فقہ، علمِ اصولِ فقہ مستقل علوم ہیں، اسی طرح "**التعليم و المتعلم**" بھی ایک مستقل علم ہے کہ علم حاصل کرنے والے کو علم حاصل کرنے کے لیے کیا طریقہ اختیار کرنا چاہیے، اس موضوع پر مستقل کتابیں لکھی گئی ہیں، اس میں سب بتا دیا گیا ہے کہ آپ کو کیا کرنا ہے، کیا نہیں کرنا ہے، ان کتابوں کو پڑھنا اور حصولِ علم کے طریقوں اور آداب کو جاننا بھی ایک طالبِ علم کے لیے ضروری ہے۔

رہے پیشِ نظر منزل، تمنا گر ہے منزل کی

جیسے آپ ممبئی جانے والے ہیں، اسٹیشن پر گئے اور آپ کو معلوم نہیں کہ ممبئی جانے والی گاڑی کِدھر سے آتی ہے اور کدھر کو جاتی ہے، کون سے پلیٹ فارم پر رکتی ہے تو آپ کے لیے منزلِ مقصود تک آسانی سے پہنچنے کے لیے ضروری ہے کہ اس سلسلے میں لوگوں سے معلومات حاصل کریں۔ اسی طرح علم حاصل کرنے کے لیے اس کے حصول کے طریقوں کو بھی پہلے ہی معلوم کرنا ضروری ہے۔ کتابوں میں حصولِ علم کے سارے طریقوں کو بیان کر دیا گیا ہے، لکھے ہوئے بھی ہیں اور عملی طور پر بھی کر کے دکھا دیا کہ علم کیسے حاصل کیا جاتا ہے۔

ہماری غفلت کی انتہا کیا، ہماری پستی کا کیا ٹھکانہ

میں ان طلبہ سے سوال کرتا ہوں جو ہدایہ، مشکوۃ، دورے میں ہیں: آپ اتنے سالوں سے پڑھ رہے ہیں، کیا آپ نے اس فن کی، اس لائن کی کوئی ایک کتاب بھی خریدی؟ اس فن کی کوئی ایک کتاب بھی آپ کے پاس ہے؟ علامہ زرنوجی علیہ الرحمۃ کی **''تعلیم المتعلم''** ہے اور دوسری ہمارے اکابر کی کتابیں ہیں: حضرت قاری صدیق صاحب **نور اللہ مرقدہ** کا رسالہ **''آداب المتعلمین''** ہے اور بھی بہت ساری کتابیں ہیں۔ کتنے طلبہ ہیں جو میرے اس سوال کا جواب دیں گے؟ کتنوں نے یہ کتابیں خریدیں اور کتنے اس کا مطالعہ کرتے ہیں اور اس کی باتوں کو ذہن نشین کر کے اس پر عمل کرتے ہیں؟ اس میں علم حاصل کرنے کی جو تدبیریں، جو طریقے، جو ہدایتیں، جو آداب بیان کیے گئے، ان کا لحاظ کرتے ہیں، کبھی دھیان دیا؟ اخبار ضرور خریدتے ہیں، کرکٹ کے رسائل، فلمی میگزین اور دوسرے رسالے ضرور خریدیں گے، جو ہمیں مقصد سے ہٹانے والے ہیں، ان کے پیچھے پیسے برباد کرتے ہیں۔

آج پرانے وقت کی ساری قدریں درہم برہم ہیں

یہ ہمارے لیے بڑے شرم کی بات ہے اور سوچنے کی بات ہے کہ حصولِ علم کے سلسلے میں معاون چیزوں کے لیے ہمارے پاس پیسے نہیں ہیں اور فضولیات کے لیے پیسے ہیں پھر ایسا بھی نہیں کہ آپ کو خالی یہ باتیں بتائی جاتی ہیں اور آپ کو کتابوں کے حوالے کر دیا ہے بلکہ آپ کے انتظامیہ کی طرف سے باقاعدہ اس کا اہتمام کیا جاتا ہے

اور یہاں مسجدوں کے اندر عصر کی نماز کے بعد، فجر کی نماز کے بعد اس سلسلے میں بہت سی باتیں آپ کو بتائی جاتی ہیں۔ اسی طرح اساتذہ جب پڑھاتے ہیں تو دورانِ درس اس سلسلے میں بہت ساری ہدایتیں آپ کو دیتے ہیں، آپ کی رہنمائی کرتے ہیں، آپ نے اس کو کبھی سنجیدگی کے ساتھ لیا؟ اس کو کتنا نوٹ کیا؟ آپ کے پاس گویا اس کے لیے وقت ہی نہیں ہے، اس سے آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ علم حاصل کرنے کے معاملے میں ہم کتنے سنجیدہ ہیں، ہمارے اندر کتنا شوق ہے۔

کیا یہ اندازِ طالبِ علمی ہے؟

جو چیزیں غیر ضروری ہیں، غیر ضروری ہی نہیں بلکہ لغویات بلکہ علم کی راہ میں رکاوٹ پیدا کرنے والی ہیں، ان کے ساتھ ہمیں محبت ہے، لگاؤ ہے، ان کے ساتھ ہماری ساری دل چسپیاں وابستہ ہیں، ''۲۴'' گھنٹے اسی میں اپنے دل و دماغ کو، اپنے کان، زبان اور آنکھوں سے لگائے رکھتے ہیں۔ آج کل میچ ہوتے ہیں، اس کو کتنا دیکھتے ہیں، اس کے کتنے چرچے کرتے ہیں، اس کے بارے میں اخبار میں کتنا دیکھتے ہیں، یہ سب کیا ہے؟ اور یہ سب ہو رہا ہے تو اس کے نتیجے میں اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے ہمارے ساتھ کیا معاملہ کیا جائے گا؟ یہ لَئِنْ شَكَرْتُمْ ہے یا پھر وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ میں داخل ہے، بتاؤ! کس میں داخل ہے؟ شکر گزاری ہے یا ناشکری ہے؟ اگر ناشکری ہے تو باری تعالیٰ کا یہ فرمان بھی ذہن میں رکھئے: وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ إِنَّ عَذَابِي لَشَدِيدٌ: اللہ تبارک وتعالیٰ کا عذاب، اس کی پکڑ بہت سخت ہے، پتہ نہیں چلتا، دوسروں کو پتہ نہیں چلتا بلکہ جس

کے ساتھ ہو رہا ہے، اس کو بھی پتہ نہیں چلتا۔

ورنہ پھر شرمندگی ہے یاد رکھ!

یہ تو ابھی پڑھنے کا زمانہ ہے، اس دور میں جتنی بھی غفلتیں ہو رہی ہیں، اس کا حساب، اس کی سزا، اس کا احساس یہاں نہیں ہوگا بلکہ جب طالبِ علمی کا یہ دور ختم ہوگا اور جب آپ مدرسہ چھوڑ کر جائیں گے، چاہے فارغ ہو کر جائیں یا ادھورا چھوڑ کر جاویں، تب یہاں جو غفلتیں ہوئی ہیں، اس کا احساس ہوگا، آخرت کی سزا اور وہاں کی ندامت تو ہے ہی لیکن دنیا میں بھی اس کا انجام دیکھ لیں گے؛ اس لیے کہ آدمی جب آزمائش اور عمل کے دور سے گذرتا ہے اور وہ اپنی ڈیوٹی بجاتا ہے تو ڈیوٹی چاہے اچھی بجاوے یا بری۔ مہینہ جب پورا ہوگا، تب اس کا حساب کتاب ہوگا، اگر ڈیوٹی مکمل طور پر بجائی ہے تو پوری تن خواہ ملے گی اور اگر کمی کی ہے تو تن خواہ کاٹ لی جائے گی۔ دنیا میں ایسا ہوتا ہے، آخرت میں بھی ایسا ہی ہوگا۔

جیسی کرنی ویسی بھرنی ہے ضرور

آپ یہ سوچتے ہوں گے کہ ہم تو سب کچھ کر رہے ہیں لیکن ہم کو تو کچھ پتہ ہی نہیں چلتا! تو یہاں تو کیسے پتہ چلے گا! یہاں سے نکل کر جب باہر کی دنیا میں جائیں گے، تب پتہ چلے گا، آخرت کا معاملہ تو اپنی جگہ پر ہے، مؤمن کا اصل حساب کتاب تو وہیں پر ہونے والا ہے لیکن دنیا میں بھی اللہ تبارک وتعالیٰ انسان کو اس کی غفلتوں کا کچھ مزا چکھاتے ہیں، یہاں جو غفلتیں کی ہیں، جو کوتاہیاں کی ہیں، اس کی وجہ سے بہت کچھ

بھگتنا پڑتا ہے۔ یہاں نماز کے سلسلے میں کوئی غفلت ہوگئی، نماز میں ٹھیک طریقے سے کھڑے نہیں تھے تو استاذ نے آکر ٹوک دیا۔ اوپر کی جماعت کا طالبِ علم جو نگرانی کررہا ہے، اس نے ٹوک دیا لیکن وہ چھوٹا طالبِ علم اس کے سامنے تن کر کھڑا ہوجاتا ہے اور اس کی بات ماننے کو تیار نہیں ہوتا تو اس سے ان طلبہ کو سبق حاصل کرنا چاہیے کہ ہم نے اپنے اساتذہ کے ساتھ کیا معاملہ کیا اور کررہے ہیں!

مقامِ عبرت

جس وقت اس بڑے طالبِ علم کے ساتھ چھوٹے طالبِ علم کی طرف سے یہ سلوک کیا جاتا ہے تو اس کے دل ودماغ پر کیا اثر ہوتا ہے! تو میں ان بڑوں کو سمجھانے کے لیے کہتا ہوں کہ جب تم اپنے اساتذہ کے ساتھ اس طرح کا معاملہ کررہے تھے، اس وقت تم نے نہیں سوچا کہ اساتذہ پر کیا گذر رہی ہوگی اور اب تمھارے ساتھ یہ معاملہ ہو رہا ہے، تب تمھیں یہ خیال آرہا ہے اور ابھی بھی یہ خیال پختگی کے ساتھ تو آہی نہیں رہا ہے۔ اس کو چھوٹے طالبِ علم کی طرف سے ہونے والے برتاؤ سے ناراضگی اور تکلیف تو ہورہی ہے لیکن ابھی بھی اس کو عبرت تو ہو ہی نہیں رہی ہے کہ یہ میرے ساتھ جو برتاؤ کررہا ہے، ایسا ہی برتاؤ تو میں اپنے استاذ کے ساتھ بھی کرچکا ہوں تو میرے استاذ کے دل پر کیا گذری ہوگی، یہ کبھی سوچا آپ نے؟

عیوب پر مطلع کرنے والا ہمارا محسن ہے

یہاں نماز کے معاملے میں تنبیہ کردی، پڑھائی کے معاملے میں تنبیہ کردی،

اٹھنے بیٹھنے کے معاملے میں تنبیہ کردی تو کیا ہوگیا؟ان تنبیہوں کی وجہ سے آپ ناراض ہوجاتے ہیں، حالاں کہ اس پر تو خوش ہونا چاہیے کہ یہ حضرات ہمیں اپنے عیوب اور خرابیوں سے آ گاہ کر کے انھیں دور کرنے کا موقع دے رہے ہیں۔ ہمارے اکابر تو اس پر تنبیہ کرنے والوں کا احسان مانتے تھے اور یہاں ہمارا معاملہ برعکس ہے کہ ان تنبیہات پر ہم ناراض ہوجاتے ہیں اور ناراضگی بھی ایسی کہ کسی استاذ کا لڑکا ہے یا خادمِ خاص ہے تو استاذ کے بھی کان بھر دے گا کہ ہمارے ساتھ فلاں استاذ نے ایسا معاملہ کیا۔

تم ہو آپس میں غضب ناک، وہ آپس میں رحیم

اساتذہ کو بھی اللہ بخشے، یہاں سے اس استاذ کے ساتھ دشمنی شروع کر دیتے ہیں، ارے بھائی! تمھیں اس معاملے میں پڑنے کی کیا ضرورت تھی؟ اس استاذ نے تو اپنا کام کیا تھا، پہلی بات تو یہ تھی کہ اس طالبِ علم کی یہ ہمت ہی نہیں ہونی چاہیے تھی کہ وہ آپ کے سامنے اس طرح کی شکایت کرتا، آپ پہلے اس کو دو طمانچے مارتے اور کہتے کہ تم نے ایسا کیا ہی کیوں کہ تیرے ساتھ ایسا معاملہ ہوا؟ تا کہ کل کو دوبارہ ایسا کہنے کی اس کو جرأت نہ ہو۔ اس کے بجائے آپ نے اس کی حمایت کی، اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اساتذہ کے آپسی تعلقات خراب ہوتے ہیں، انتظامیہ اور اساتذہ کے باہمی تعلقات میں فرق آ جاتا ہے، یہ چیز ہمارے مدرسوں کو برباد کردے گی۔ ایسا ہو رہا ہے، ہو رہا ہے، اچھے اچھے استاذوں میں ایسا ہو رہا ہے، وہ ایسی باتوں میں پڑتے ہیں اور بچوں میں یہ مزاج ہوتا ہے کہ اِس کی بات اُدھر اور اُس کی بات اِدھر کرتے رہتے ہیں اور پھر

دونوں ایک دوسرے کے سامنے آستینیں چڑھا لیتے ہیں، یہ میں غلط کہہ رہا ہوں؟ اس کی بھی اصلاح کی ضرورت ہے۔

ہمارا رویّہ یہ ہونا چاہیے

ہمارے بچے کو اگر اس کی غلطی پر کوئی مارے تو میں تو کہتا ہوں کہ جا کر اس کا شکریہ ادا کرو اور کہو کہ نماز چھوڑنے پر آپ نے میرے بچے کو مارا، اگر آئندہ وہ نماز چھوڑے تو میں اجازت دیتا ہوں کہ آج ایک طمانچہ مارا ہے، آئندہ دو طمانچے مارنا، وہ بعد میں آپ سے کسی کی شکایت بھی نہیں کرے گا۔ اگر آپ اپنے بچوں کی حقیقی خیر خواہی کرنا چاہتے ہیں، ان کی صحیح تربیت کرنا چاہتے ہیں تو اس کا طریقہ یہی ہے، یہ نہیں کہ آپ اس کی حمایت کریں۔

مؤمن ایک سوراخ سے دو مرتبہ ڈسا نہیں جاتا

میں یہ عرض کر رہا تھا کہ اساتذہ یا انتظامیہ یا بڑے طلبہ کی طرف سے تنبیہ کی جاتی ہے اس پر تو آپ کو ناراض نہیں ہونا چاہیے اور آپ اپنے آپ کو سُدھارنے کی کوشش کرتے رہیں۔ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے: لَا يُلْدَغُ الْمُؤْمِنُ مِنْ جُحْرٍ وَاحِدٍ مَرَّتَيْنِ (۱) کہ: ایمان والا ایک سوراخ سے دو مرتبہ ڈسا نہیں جاتا۔ اس کی تشریح میں حضرت علامہ انور شاہ کشمیری نور اللہ مرقدہ فرماتے ہیں کہ مؤمن کا حال یہ ہے کہ جب اس کی غلطی پر اس کو تنبیہ کی جاتی ہے، سزا دی جاتی ہے تو دوسری مرتبہ اس سزا اور تنبیہ کی

---

(۱) صحیح البخاری، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، رَضِيَ اللّٰہُ عَنْہُ، باب لَا يُلْدَغُ الْمُؤْمِنُ مِنْ جُحْرٍ مَرَّتَيْنِ.

نوبت آنے نہیں دیتا[۱]۔ ایسا سُدھر جاتا ہے، اس کا ایسا اثر لے لیتا ہے کہ آئندہ کبھی لوگوں کو تنقید دوبارہ موقع نہیں دیتا۔ وہ تو منافق، بے حیا اور ڈھیٹ قسم کا آدمی ہو تو اس کو بار بار تنبیہ کی ضرورت پڑتی ہے، اس کی پٹائی کی جارہی ہے، اس کا نام بار بار اعلان میں آرہا ہے، اس کے باوجود وہ اپنے آپ کو سُدھارنے کا نام ہی نہیں لیتا۔ مؤمن کا حال تو یہ ہے کہ صرف ایک مرتبہ استاذ نے ٹیڑھی نگاہ سے دیکھ لیا تو دوبارہ اس کی نوبت نہیں آنے دیتا۔

شریعت میں تعزیر کی حد مقرر نہیں ہے

ہمارے فقہاء نے تعزیر کی کوئی تحدید نہیں کی، تعزیر یعنی شریعت کی مقرر کردہ سزاؤں کے علاوہ جب کسی جرم پر سزا دی جاتی ہے تو اس کو حاکم کے حوالے کیا کہ حاکم جیسی سزا مناسب سمجھے، دے سکتا ہے؛ اس لیے کہ لوگوں کے مزاج مختلف ہوتے ہیں۔ ہمارے حضرت علیہ الرحمۃ قصہ بیان کیا کرتے تھے کہ حضرت عالم گیر علیہ الرحمۃ کے پاس ایک مرتبہ ایک شکایت آئی کہ فلاں آدمی نے یہ کیا ہے تو انھوں نے اس کو بلا کر کے صرف یہ کہا کہ بھائی! ایسا سنا ہے، دوسرے آدمی کے بارے میں ایسے ہی کام کے بارے میں شکایت آئی تو اس بلا کر کے ذرا سخت الفاظ میں تنبیہ کی کہ آئندہ ایسا نہیں ہونا چاہیے اور تیسرے آدمی کی اسی طرح کی شکایت آئی تو اس کو بلا کر کوڑے لگوائے۔ کسی نے کہا کہ حضرت! جرم تو ایک ہی طرح کا تھا!

---

(۲) فالمؤمن يكون فَطِناً متيقظاً، يتقي مواضع التُهم، وإذا ابتُلي مرةً بشر لا يأتِ يه ثانياً، حتى لا يكون مطعناً للناس. (فيض الباري شرح البخاري، ج۷ ص ۱۷۲)

طلبہ کی ایک عام شکایت

طلبہ کو ایک شکایت یہ بھی ہوتی ہے کہ میں نے یہ حرکت کی تو میرے ساتھ یوں کیا اور فلاں نے بھی یہی حرکت کی تو اس کے ساتھ یوں کیا تو میں نے کیا بگاڑا تھا کہ میرے ساتھ ایسا سلوک روا رکھا گیا۔ میں بھی اس دور سے گذر چکا ہوں۔

جرم کی سزا مجرم کے مزاج اور ذہنیت کے اعتبار سے طے کی جاتی ہے

بہر حال! لوگوں نے کہا کہ حضرت! آپ نے ایک ہی طرح کے کام پر ان کے ساتھ الگ الگ معاملہ کیا؟ حالاں کہ جرم تو تینوں کا ایک ہی تھا! تو حضرت عالم گیر علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ ذرا ان تینوں کو جا کر کے دیکھو کہ ان کا کیا حال ہے؟ چنانچہ لوگوں نے ان تینوں کے احوال کی تحقیق کی تو وہ پہلا آدمی جس کو صرف بلایا تھا، اس کو دیکھا تو اس کی بولتی ہی بند ہے اور دوسرے کو دیکھا تو معلوم ہوا کہ اس کو تو دست لگ گئے، حکیم بلایا، اس کا علاج معالجہ ہوا اور تیسرا بازار میں گھوم رہا ہے، جیسے کچھ ہوا ہی نہ ہو۔

تو بات یہ ہے کہ تعزیر کے سلسلے میں ہمارے فقہاء نے اسی لیے کوئی حد مقرر نہیں کی اور حُکّام کے حوالے کیا کہ لوگوں کا مزاج دیکھ کر جیسی سزا مناسب سمجھیں اور جیسا سلوک مناسب سمجھیں، وہ روا رکھیں۔

یہ بھی ایک سزا ہے

میں تو یہ عرض کر رہا تھا کہ جب آپ کے اساتذہ، آپ کے منتظمین، مربیین، آپ کے نگران آپ کو تنبیہ کرتے ہیں تو آپ کو ناگوار گذرتا ہے، یہ نہیں ہونا چاہیے۔

اب اس ناگواری کی وجہ سے کبھی تو آپ ان کے سامنے گستاخی کر بیٹھتے ہیں، اَڑ جاتے ہیں تو جب آپ اس طرح کی ذمہ داریاں، نگرانی وغیرہ سنبھالتے ہیں تو آپ کو بھی یہ سب بھگتنا پڑتا ہے۔ اگر یہاں آپ نے اپنے آپ کو نہیں سُدھارا اور یہاں سے جانے کے بعد یہی بات وہاں آپ کے ساتھ بھی پیش آتی ہے گاؤں میں جہاں آپ پڑھا رہے ہیں۔ یہاں تو آپ کا پائنچہ ٹخنے سے نیچے تھا، منتظمین نے، استاذ نے کہا تو آپ کو برا معلوم ہوا، وہاں جاہل لوگوں نے کہا کہ مولوی صاحب! پائنچہ اوپر کرو۔ یہ بات ساری دنیا سن رہی ہے۔ یہ بھی ایک سزا ہے۔

کارواں کے دل سے احساسِ زیاں جاتا رہا

ایک عالم کو ایک جاہل ایسی بات کہے اور وہ بھی دوسرے جاہلوں کے سامنے۔ اب آپ اس کو سزا نہ سمجھیں، اللہ تبارک وتعالیٰ کی گرفت نہ سمجھیں تو یہ دوہری سزا ہے۔ علامہ ابنِ جوزی علیہ الرحمۃ نے لکھا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کسی کو اس کے گناہوں کی وجہ سے کسی مصیبت میں گرفتار کرتے ہیں اور اس کو اس کا احساس بھی نہیں ہوتا کہ مجھے اپنے گناہوں کی وجہ سے اس مصیبت میں گرفتار کیا گیا ہے تو احساس نہ ہونا، یہ اس سے بھی بڑی سزا ہے، ؎

وائے ناکامی متاعِ کارواں جاتا رہا
کارواں کے دل سے احساسِ زیاں جاتا رہا

ارے بھائی! مال ومتاع تو لوٹ لیا گیا، یہ تو ہے ہی نقصان کی بات لیکن جن کا

مال لوٹا گیا، ان کو یہ بھی احساس نہیں ہے کہ ہم لوٹ لیے گئے تو یہ اس سے بھی بڑا نقصان ہے؛ کیوں کہ جس کو یہ احساس ہوگا کہ مجھے لوٹ لیا گیا تو وہ اس لوٹے ہوئے مال کو حاصل کرنے کی کوشش کرے گا، اسی طرح جس کو احساس ہوگا مجھے اپنے گناہ کے سبب اس مصیبت میں گرفتار کیا گیا ہے تو وہ اس گناہ سے توبہ کرے گا لیکن جس کو اس کا احساس ہی نہیں تو وہ نہ توبہ کرے گا اور نہ اس مصیبت کا مداوا تلاش کرے گا۔

بدعملی کا خمیازہ بھگتنا ہی پڑتا ہے

تو بات اللہ تبارک وتعالیٰ کی گرفت کی چل رہی تھی، طالبِ علمی کے زمانے میں تو کچھ نہیں ہوگا، طالبِ علمی کا یہ دورانیہ جب تک کہ پورا نہیں ہوگا، وہاں تک آپ کو کوئی سزا نہیں ہوگی، جب آپ طالبِ علمی کے اس مرحلے کو پورا کر کے دوسرے مرحلے میں جائیں گے تو اس دوسرے مرحلے میں آپ کو ان سب کرتوتوں کی سزا بھگتنی پڑے گی۔

فراغت کے بعد کا دور عالم کے لیے جزا وسزا کا دور ہے

ہر طالبِ علم کو ہر شعبے میں کی ہوئی کوتاہیوں کی سزا بھگتنی پڑتی ہیں، حصولِ علم میں جو کوتاہیاں کی ہیں، کتابیں کچی رہ گئی ہیں، نہ نحو پختہ ہے، نہ صرف مضبوط ہے، کتابیں یاد نہیں ہیں، ابھی تو کچھ پتہ نہیں چلے گا لیکن آپ دوسرے مرحلے میں جا پہنچے، آپ طالبِ علم نہیں رہے، استاذ بن گئے، مدرس بن گئے، اب سزا کا مرحلہ شروع ہوگا، آپ کو کتاب پڑھانے کے لیے دی گئی لیکن آپ پڑھا نہیں سکتے، طلبہ کے سامنے آپ کو خفت ہو رہی ہے، شرمندگی ہو رہی ہے، آپ اپنی کمزوری کو محسوس کر رہے ہیں اور

طلبہ بھی اس چیز کو محسوس کر رہے ہیں۔ایک کرم فرمانے بڑا اچھا جملہ کہا اور مجھے بھی بڑا پسند آیا کہ طالبِ علم کتاب سمجھے یا نہ سمجھے، استاذ کو خوب سمجھتا ہے، طالبِ علم تو جیسے استاذ ہوتے ہیں، ویسا معاملہ کرتے ہیں اور یہ طلبہ ایسی قوم ہے جو کسی چیز سے مرعوب نہیں ہوتی سوائے علم کے۔جب تک آپ تدریس میں پختہ نہیں ہیں تو چاہے مارو، پیٹو، جو چاہے کرو، ان کو کوئی فرق نہیں پڑتا۔

جاہلوں کے طعنے سے بڑھ کر کوئی سزا نہیں

بہر حال! طالبِ علمی کے دور میں جو کوتاہیاں کی ہیں، استاذ بننے کے بعد اس کی سزا بھگتنی پڑے گی، پڑھنے میں محنت نہیں کی تو اس کی سزا یہی ہے کہ آپ کو اپنے طلبہ کے سامنے خفت اٹھانی پڑ رہی ہے، یہ تو علمی شعبے میں کوتاہی کی بات ہوئی۔رہی عمل کے شعبے میں کوتاہی کی سزا تو وہ میں ابھی آپ بتا چکا کہ آپ نے اپنی نماز درست نہیں کی، لباس درست نہیں کیا، معاملات درست نہیں کیے، اخلاق درست نہیں کیے تو ان سب کا وبال وہاں آپ کو بھگتنا پڑے گا، جاہلوں کی طرف سے طعنے سننے پڑیں گے، یہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے عذاب نہیں تو اور کیا ہے؟ اللہ تبارک وتعالیٰ ان جاہلوں کو مسلط کر دیں، یہ بہت بڑا عذاب ہے۔

ہر کام میں درکار ہے محنت ومشقت

بہر حال! اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہمیں یہ نعمتیں دی ہیں، یہ سب ہمیں ایک شرط پر مل رہی ہیں، وہ شرط کیا ہے؟ وہ شرط علم حاصل کرنے کی ہے، آپ نے مدرسے میں

داخلہ لیا اور داخلہ فارم کی خانہ پری کی، اسی پر یہ سب کچھ مل رہا ہے۔ اب آپ اس شرط کو پورا کیجیے اور کمی کرنے والے نہ بنئے، ورنہ کمی کرنے والوں کے لیے ہلاکت ہے، ”ویل للمطففین“ قرآن کہہ چکا ہے۔ اس لیے ضرورت ہے کہ بہت محنت سے، بہت توجہ سے علم حاصل کریں اور اپنی ساری صلاحیتیں اس کے پیچھے لگا دیں۔

دو قسم کے طالبِ علم

اور اپنے آپ کو بھی درست کرنے کی ضرورت ہے۔ بہت سے طلبہ یوں سمجھتے ہیں کہ جب پڑھانے کا دور آئے گا، تب دیکھا جائے گا، ابھی تو مزے کر لو۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ یہ بول ایک طالبِ علم کی شان کے مناسب نہیں ہیں، ارے یہ بولنے والا نہ عمل میں محنت کر رہا ہے، نہ علم میں۔ آج کل تو یہ بھی عجیب معاملہ دیکھنے میں آ رہا ہے، پہلے زمانے میں ایسا نہیں تھا۔ آج کل دیکھنے میں یہ آ رہا ہے کہ ایک طالبِ علم پڑھنے میں اچھا ہے، عمل میں بھی اچھا ہے اور اخلاق میں بھی اچھا ہے۔ عام طور پر اکثر مدرسوں میں اساتذہ اس چیز کو محسوس کریں گے کہ جو طالبِ علم محنتی ہے، وہ عمل کے اعتبار سے بھی نماز باجماعت کے پابند ہوتے ہیں، بااخلاق بھی ہوتے ہیں اور جو پڑھنے میں پیچھے ہے، وہ عملی اعتبار سے بھی کمزور ہوتے ہیں، جماعت میں بھی پیچھے رہتے ہیں، اخلاق کے اعتبار سے گرے ہوئے ہوتے ہیں، برائیوں اور بداخلاقیوں کی شکایتوں میں ان ہی کا نام سرِ فہرست ہوتا ہے۔

تجھے اب مدرسے کی روٹی کھانے کا حق نہیں ہے

تو میں یوں کہا کرتا ہوں کہ مدرسے میں دو چیزیں سکھائی جاتی ہیں: علم اور

عمل، اب اگر کوئی طالبِ علم پڑھنے میں اچھا ہے، محنتی ہے لیکن عملی اعتبار سے کچھ کمزور ہے تو مدرسے والوں کو اسے چلا لینا چاہیے، درگزر سے کام لینا چاہیے۔ ایک طالبِ علم عمل کے اعتبار سے ٹھیک ہے: نماز کا پابند ہے، بااخلاق ہے لیکن پڑھنے میں کمزور ہے تو ٹھیک ہے، رکھ لو اور ایک طالبِ علم دونوں ہی میں صِفر ہے، نہ پڑھنے میں محنت کرتا ہے، نہ عملی پہلو درست کرنے کی کوشش کرتا ہے تو مدرسے والوں کو چاہیے کہ اس سے کہے کہ تجھے اب مدرسے کی روٹی کھانے کا حق نہیں ہے؛ اس لیے اب یہاں سے روانہ ہو جاؤ لیکن بات یہ ہے کہ مدرسے والے اور ہمارے منتظمین بھی بڑا دل رکھتے ہیں، اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان کو بڑا دل دیا ہے، ایسا جیسے ہمارے بزرگوں کے بارے میں پڑھا ہے۔

ہر گُلے را رنگ و بوئے دیگر است

حضرت مولانا عبید اللہ بلیاوی علیہ الرحمۃ کے متعلق سنا کہ جب ان کے پاس کسی طالبِ علم کا امتحان جاتا تو پاس ہونے کے جو کم سے کم نمبرات ہیں: ''۱۷'' وہ تو دے ہی دیا کرتے تھے اور کہتے تھے کہ مدرسہ میں آکر داخلہ لیا، اتنے پر ہی میں تو پاس کر دیتا ہوں، آگے دوسرے نمبرات پڑھنے کے اعتبار سے دیتے تھے لیکن بہرحال! ان کے منتظمین بھی ان کے اس مزاج یا نکتے کو دھیان میں رکھتے تھے۔ خیر! ہر ایک کا اپنا اپنا خیال ہوتا ہے، خیال اپنا اپنا۔

طلبہ حصولِ علم کے لیے ضروری تمام امور کی پابندی کریں

بہرحال! میرے مخاطبین تو یہاں طلبہ ہیں، ان سے میری درخواست ہے کہ

آپ ان چیزوں کو توجہ اور سنجیدگی سے لیں اور سمجھیں۔ یہاں رہ کر آپ کو علم اور عمل دونوں میں پروان چڑھنا ہے۔ علم کے حصول میں کس طرح محنت کرنی ہے؟ اس کے سارے طریقے کتابوں میں بھی ہیں اور استاذوں سے بھی سن رکھے ہیں کہ بھائی! آپ مطالعے کا اہتمام کریں، سبق میں پابندی کے ساتھ حاضری دیں اور تکرار کا اہتمام کریں، محنت سے کام لیں۔

اپنے ''۱۷'' نمبر تو کہیں گئے ہی نہیں

عام طور پر ہوتا یہ ہے کہ جب امتحان کا زمانہ آتا ہے تو ایک دو محنت کرتے ہیں اور باقی جو ''۲۰''، ''۲۵'' ہیں، وہ محنت کرتے نہیں اور کہتے ہیں کہ اپنے ''۱۷'' نمبر تو کہیں گئے ہی نہیں، حالاں کہ مقصود صرف امتحان میں کامیاب ہونا تو نہیں ہے لیکن مزاج یہی بنا ہوا ہے، آپ یہ چیزیں مجھ سے زیادہ جانتے ہیں، مجھے تو جو تھوڑا بہت معلوم ہے، وہ بتلا رہا ہوں۔ ایسا نہیں ہونا چاہیے، اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ کو یہ نعمتیں دیں، یہ صلاحیتیں دیں۔ آپ تو جی جان سے لگ جاؤ، اپنے آپ کو علم کے لیے قربان کردو۔

پگھلنا علم کے خاطر مثالِ شمع زیبا ہے

آپ نے نفحۃ العرب میں پڑھا: العلم لا يعطيك بعضه حتى تعطيك كلك: علم اپنا بعض حصہ بھی تمھیں نہیں دے گا جب تک آپ اپنا پورا وجود اس کے لیے وقف نہ کردو، جب تک اپنی پوری ذات علم پر قربان نہیں کردیں گے، وہاں تک تھوڑا سا علم بھی نہیں آئے گا۔ علم تو اللہ تبارک وتعالیٰ کی صفت ہے، جیسے اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذات غنی

اور بے نیاز ہے، ویسے ہی اس کی یہ صفت بھی بے نیاز ہے، ہم محنت کریں گے، اپنی صلاحیتیں اس میں لگائیں گے اور اس میں لگے رہیں گے، تب جا کر تھوڑا بہت علم ہمیں حاصل ہوگا اور اللہ تبارک وتعالیٰ ہمارا کام نکالیں گے اور اگر ہم بے نیازی کے ساتھ علم حاصل کرنا چاہیں گے تو بے نیازی کے ساتھ یہاں کچھ آتا جاتا نہیں ہے۔

ادب پہلا قرینہ ہے محبت کے قرینوں میں

علم کے لیے جن چیزوں کی ضرورت ہے، ان میں اساتذہ کا ادب واکرام، کتابوں کا احترام، درس گاہوں کا احترام، علم کے ساتھ وابستہ ہر چیز کا احترام ضروری ہے۔

کبھی بھول کر کسی سے نہ کرو سلوک ایسا

اسی طرح اپنے ساتھیوں کے ساتھ اچھے سلوک کے ساتھ رہنا۔ آج کل طلبہ کا مزاج یہ بن گیا ہے کہ وہ اپنے ساتھیوں کو ستاتے ہی رہتے ہیں۔ بعضوں کا تو حال یہ ہوتا ہے کہ جب تک کہ اپنے ساتھیوں کو نہ ستالیں، اپنے اساتذہ کو تکلیف نہ پہنچالیں، کھانا ہی ہضم نہیں ہوتا۔ ساتھیوں میں بھی اپنی ایذا رسانی کا ہدف خصوصًا اس کو بناتے ہیں جو بے چارہ ہوشیار، ذہین ہوتا ہے، نماز باجماعت کا پابند ہوتا ہے، اسی کو طعن وتشنیع کا ہدف بناتے ہیں کہ: بڑا ہوشیار بنتا ہے، بڑا صوفی ہوگیا ہے۔

ستم بالائے ستم

اور مصیبت تو یہ ہے کہ اساتذہ میں بھی بعض ایسے ہوتے ہیں کہ ایسے طلبہ کو طعنے دیتے ہیں کہ پہلی صف میں آ کر بیٹھتا ہے، حالاں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو پہلی صف

میں نماز پڑھنے کی ترغیب دے رہے ہیں کہ اگر پہلی صف کا ثواب حاصل کرنے کے لیے قرعہ اندازی کی ضرورت پڑتی تو وہ بھی کرتے اور ہم اپنے طالبِ علم کو اس پر طعن وتشنیع کریں!! اور وہ بھی مدرسے میں جو دار الاسلام ہے، وہاں پہلی صف کا اہتمام کرنے پر طعنے دئے جائیں!! مدارس پر جو حالات آرہے ہیں، وہ اسی وجہ سے آرہے ہیں۔ یہ قدرت کا نظام ہے؛ اس لیے میں تاکید کے ساتھ کہوں گا کہ ہمارے مدرسوں کا ماحول ایسا ہونا چاہیے کہ جس میں نہ پڑھنے والا بھی آجاوے تو اس کو پڑھنے کا شوق پیدا ہو، اس میں عمل کا جذبہ پیدا ہو اور جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کی فکر آجائے، با اخلاق بن جائے، یہاں آکر دین سیکھنے کا شوق پیدا ہو جائے، ایسا ماحول مدارس کا ہونا ضروری ہے۔

نہ جانے درس گاہوں کو کہاں لے جا کے دم لے گی

لیکن آج ہمارے مدارس کا ماحول حوصلوں کو پست کرنے والا بن گیا ہے، محنت کرنے والوں کو محنت کا موقع نہیں مل رہا ہے، اس کو محنت سے روکا جاتا ہے، جو با اخلاق ہیں، وہ مدرسہ کا نام سن کر سہم جاتے ہیں اور آگئے تو چھوڑ کر چلے جاتے ہیں، یہ سب کیا ہے!! اسی لیے تو مصیبتیں آرہی ہیں۔ مدارس تو مذہبی شعار ہیں، اس کے ماحول کا مثالی ہونا ضروری ہے۔ اس بات کی طرف توجہ کرنے کی ضرورت ہے۔ آپ مدرسہ میں، درس گاہ میں کسی صالح محنتی طالبِ علم کو ذرّہ برابر بھی نہ ستائیں، بدسلوکی نہ کریں، اگر ایسا ہو رہا ہے تو آپ اس کو روکنے کی کوشش کریں، اس کو سزا دیں؛ تاکہ دوسرے کسی طالبِ علم کو اس کی جرأت نہ ہو۔ اگر مدرسے میں اس کا انتظام ہوگا تو مدرسہ آگے ترقی

کرے گا، یہ تو علمی اعتبار سے باتیں ہوئیں۔

کیا ہے تجھے کتابوں نے کور ذوق اتنا

عملی اعتبار سے بھی با جماعت نماز پڑھنے کا اہتمام کریں، قرآنِ پاک کی تلاوت کا اہتمام کریں، تسبیحات کا اہتمام کریں، آپ یہ سمجھتے ہیں کہ کتابوں سے ہی فرصت نہیں ملتی تو تلاوت اور تسبیحات کا اہتمام کیا کریں، جو حفظ کلاس میں ہیں وہ تو پڑھتے ہیں لیکن دوسرے طلبہ! حالاں کہ مدارس والوں نے قرآن کی تلاوت کا باقاعدہ وقت رکھا ہے: کہیں فجر کی نماز کے بعد ہے، کہیں ظہر کی نماز کے بعد ہے، کہیں عصر کی نماز کے بعد ہے اور کہیں تو سنا کہ اس کے لیے مستقل آدھا آدھا گھنٹہ رکھا گیا ہے۔

وہ اپنے آپ کو دھوکہ دے رہے ہیں

پھر بھی بہت سے ایسے ہوتے ہیں جو قرآن لے کر بیٹھتے ہیں اور اس کی تلاوت کے بجائے دوسری مصروفیات میں لگ جاتے ہیں اور ایسا ظاہر کرتے ہیں کہ وہ تلاوت میں مشغول ہیں، نگرانی کرنے والوں کو بھی دھوکہ دیتے ہیں، حالاں کہ: ﴿وَمَا يَخْدَعُوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ﴾ [البقرۃ:۹] : وہ ایسا سمجھتے ہوں کہ ہم نے نگران کو دھوکہ دیا تو حقیقت میں نگران کو دھوکہ نہیں دیا بلکہ خود اپنی ذات کو دھوکہ دے رہے ہیں۔ جو آدمی بھی ایسے کام میں جو اس کی بھلائی کے لیے کروایا جا رہا ہے، ایسی شکلیں اختیار کرتا ہے، وہ اپنے آپ کو دھوکہ دیتا ہے، اس میں مدرسہ والوں کا، منتظمین کا، آپ کے استاذ کا، نگران کا کوئی نقصان نہیں، نقصان صرف آپ کا ہے، یہ اپنے آپ کو دھوکہ

دے رہے ہیں۔

صبح کا بھولا شام کو واپس آ جائے تو اس کو بھولا نہیں کہتے

ابھی تو آپ خوش ہو رہے ہیں لیکن کل آپ کو اس کا وبال بھگتنا پڑے گا اور اس کی تلافی کی کوئی صورت بھی آپ کے پاس نہیں ہوگی، یہاں اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ کو موقع دیا ہے، حالتِ غرغرہ سے پہلے ایمان لانا مقبول ہوتا ہے، اسی طرح یہاں اس کی توبہ کرنے سے اس کی تلافی ہوسکتی ہے؛ اس لیے میں آپ سے درخواست کروں گا کہ ابھی بھی موقع ہے، ابھی چار مہینے باقی ہیں، جو کچھ کر سکتے ہو، کرلو۔ صبح کا بھولا شام کو واپس آ جائے تو اس کو بھولا نہیں کہتے۔ ایک آدمی صبح کو کہیں جانے کے لیے گھر سے نکلا ہے، اب درمیان میں اِدھر اُدھر کہیں بھٹک گیا لیکن شام کو واپس گھر آ گیا تو کسی کو پتہ نہیں چلے گا کہ یہ درمیان میں کہیں بھٹک گیا تھا لیکن رات ہوگئی اور نہیں آیا تو پتہ چل جائے گا، گھر والے رات کو تلاش کریں گے۔ اسی طرح طالبِ علمی کے زمانے میں کی ہوئی کوتاہی کی تلافی آپ یہیں مدرسے میں کرلیں گے تو موقع ہے لیکن اس کے بعد موقع نہیں ہے؛ اس لیے میں آپ حضرات سے یہی عاجزانہ درخواست کروں گا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہ موقع دیا ہے، اس سے آپ فائدہ اٹھائیں۔

نعمتوں کا حق ادا کیجیے

اور اللہ تبارک وتعالیٰ کی ان نعمتوں کا حق ادا کیجیے، لَتُسْـَٔلُنَّ يَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِيْمِ: قیامت کے روز اللہ تبارک وتعالیٰ کی ہر نعمت کا سوال ہوگا، ہمیں اس چیز کا

احساس ہی نہیں ہے، کوئی فکر ہی نہیں، طالبِ علمی کی پوری زندگی: فارسی اول سے لے کر دورے تک گذر جاتی ہے لیکن کبھی یہ خیال نہیں آتا کہ ان ساری سہولتوں اور آسائش کا مجھے جواب دینا ہے، اس سے بڑی ہماری اور کیا کمزوری ہوگی؟ اس لیے ضرورت ہے کہ اس کی طرف توجہ کی جائے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ مجھے، آپ کو، ہم سب کو اس کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔

رہنمائے طلبہ (۲)

اقتباس

اب اگر آپ کے دل میں طلب نہیں ہے اور یوں لگ رہا ہے کہ علم حاصل کرنے سے ہمیں کوئی فائدہ نہیں پہنچے گا تو پھر یہاں پڑے رہنے کی بھی کوئی ضرورت نہیں، اس حالت میں اگر آپ یہاں رہتے ہیں اور مدرسے کی طرف سے دی جانے والی سہولتوں سے استفادہ کرتے ہیں تو یہ امانت میں خیانت اور بدعہدی ہی تو ہے اور اپنا وقت بھی ضائع کرنا ہے تو کیوں اپنا وقت ضائع کرتے ہو، یہ کہنا کہ علماء کی کوئی قدر ہی نہیں کرتا، یہ نفس کی طرف سے ایک دھوکہ ہے، شیطان کا دھوکہ ہے، اپنی غفلت کو، اپنی سستی کو، اپنی بے توجہی کو چھپانے کے لیے اس طرح کے جملے استعمال کرنا دوہرا جرم ہے، اس سے اپنے آپ کو بچانے کی ضرورت ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الحمد لله نحمده ونستعينه ونستغفره ونؤمن به ونتوكل عليه ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا، ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا من يهده الله فلا مضل له ومن يضلله فلا هادي له ونشهد أن لا إله إلا الله وحده لا شريك له ونشهد أن سيدنا ومولانا محمدا عبده ورسوله، أرسله إلى كافّة الناس بشيرا ونذيرا وداعيا إلى اللّٰه بإذنه وسراجا منيرا صلى اللّٰه تعالىٰ عليه وعلى آله وأصحابه وبارك وسلّم تسليما كثيرا كثيرا، أما بعد:

فَاَعُوْذُ بِاللهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ: ﴿وَقُلْ رَّبِّ زِدْنِيْ عِلْمًا﴾ [طه: ۱۱۴] وقال النبی صلى الله عليه وآله وسلم: مَنْهُومَانِ لَا يَشْبَعَانِ، مَنْهُومٌ فِي الْعِلْمِ لَا يَشْبَعُ مِنْهُ، وَمَنْهُومٌ فِي الدُّنْيَا لَا يَشْبَعُ مِنْهَا(۱). أو كما قال عليه الصلوة والسلام.

حضرت شیخ مولانا زکریا صاحب نور اللہ مرقدہ کا علمی احسان

عزیز طلبہ! طالبِ علم کے فضائل ومناقب ہم اور آپ بخوبی جانتے اور بیان بھی کرتے ہیں لیکن ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم حقیقی معنی میں طالبِ علم بنیں۔ حضرت شیخ مولانا زکریا صاحب نور اللہ مرقدہ- آپ کا مقام عوام اور خواص کے درمیان واضح اور ظاہر ہے، عربی، اردو میں بے شمار تصنیفات ہیں اور تمام اہلِ علم پر آپ

---

(۱) شعب الإيمان، عَنْ أَنَسٍ رضي الله عنه، بَابٌ فِي الزُّهْدِ وَقِصَرِ الْأَمَلِ.

کا خصوصی احسان ہے۔ جب آپ ہجرت کر کے براہِ کراچی حجاز تشریف لے جا رہے تھے تو وہاں کراچی میں دو روزہ قیام ہوا، کراچی کے اس کے قیام کے دوران دار العلوم کورنگی جو حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب نور اللہ مرقدہ کا قائم کیا ہوا مدرسہ ہے، وہاں تشریف لے گئے، وہاں کے اساتذہ اور طلبہ نے آپ سے تقریر کی درخواست کی۔

پیارو! اپنی قدر پہچانو اور واقعی طالبِ علم بننے کی کوشش کرو

حضرت شیخ علیہ الرحمۃ کے متعلق سب جانتے ہیں کہ حضرت کوئی تقریر نہیں فرماتے تھے، آپ کا علمی مقام بڑا اونچا تھا، آج اہلِ علم حضرات میں سے کون ایسا ہے جس پر حضرت کا علمی احسان نہ ہو لیکن حضرت کی عادت تقریر کی تھی نہیں۔ حضرت مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم فرماتے ہیں کہ ہم اساتذہ اور طلبہ نے حضرت سے درخواست کی کہ حضرت کچھ نصیحت فرمائیں تو حضرت نے ایک جملہ ارشاد فرمایا: پیارو!۔ (حضرت شیخؒ کا تکیہ کلام تھا: پیارو۔ پیارو!) اپنی قدر پہچانو اور واقعی طالبِ علم بننے کی کوشش کرو۔ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب نور اللہ مرقدہ کا جملہ انھوں (مفتی محمد تقی صاحب) نے اسی مجلس میں نقل فرمایا تھا کہ وہ فرمایا کرتے تھے کہ اگر تم حقیقی معنیٰ میں طالبِ علم بن جاؤ تو دین اور دنیا کی تمام نعمتیں تمھیں حاصل ہیں۔ اصل ضرورت طالبِ علم بننے کی ہے۔

طالبِ علم کی حقیقت

اب طالبِ علم کس کو کہتے ہیں؟ اس کی تعریف کیا ہے تو حضرت مولانا مفتی محمد

شفیع صاحب نور اللہ مرقدہ فرمایا کرتے تھے کہ طالبِ علم وہ ہے کہ ہر وقت اور ہر گھڑی اس کے دل ودماغ میں کوئی مسئلہ گردش کرتا رہتا ہو، جس کو سلجھانے میں وہ لگا رہتا ہو، گویا ''۲۴'' گھنٹے اس کا دماغ اسی میں مصروف ہو۔ جیسے ایک دوکان دار ہے، وہ بازار میں دوکان کھولے تجارت کے لیے بیٹھتا ہے تو ایسا نہیں ہے کہ جب وہ دوکان کھول کر بیٹھتا ہے، اسی وقت وہ تاجر ہے بلکہ دوکان بند کر کے جب گھر جائے گا، کھانا کھانے کے لیے دستر خوان پر بیٹھے گا، تب بھی اس کا دماغ اپنی دوکان میں ہوگا، آرام کے لیے بستر پر لیٹے گا، تب بھی اس کے دل ودماغ میں اس کی دوکان ہی ہوگی، قضائے حاجت کے لیے بیت الخلا جائے گا تو وہاں پر بھی اس کی دوکان اس کے دل ودماغ پر سوار ہے تو وہ ''۲۴'' گھنٹے تاجر ہے، ایسا نہیں کہ جب دوکان میں ہے، تبھی دوکان دار اور تاجر ہے، اس کا ذہن اسی میں مشغول ہے۔

طالبِ علم پر ہمہ وقت حصولِ علم کا فکر سوار رہنا چاہیے

یہی حال طالبِ علم کا ہونا چاہیے، ایسا نہیں کہ درس گاہ میں استاذ کے سامنے کتاب کھول کر بیٹھا ہے، تبھی طالبِ علم ہے اور چھٹی ہوئی تو سب بھول بھال گیا، نہیں بلکہ چھٹی کے بعد بھی جب مطبخ میں کھانے کے لیے جائے گا تو اس کے دل ودماغ پر کتابیں سوار رہنی چاہئیں، مسائل کو سلجھانے میں مشغول ہونا چاہیے۔ آپ عربی اول پڑھ رہے ہیں تو اپنی گردان رٹ رہے ہوں، دوسرے اسباق کو دل دل میں دوہرا رہے ہوں۔ یہ ہے حقیقی طالبِ علم۔

ہمارے اکابر اور اسلاف کا مزاج

ہمارے اکابر اور اسلاف کا مزاج یہی تھا، چنانچہ جب ہم اپنے اکابر کی زندگیوں کا مطالعہ کرتے ہیں تو یہ چیز صاف نظر آتی ہے، موت کی گھڑی میں بھی علمی مسائل کو حل کرنے میں مشغول ہوا کرتے تھے۔

ہماری مجہولات کی تعداد ہماری معلومات کے مقابلے میں کہیں زیادہ ہے

علم اللہ تبارک وتعالیٰ کی صفت ہے، جس طرح اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذات غیر متناہی ہے، اسی طرح اس کی یہ صفت بھی غیر متناہی ہے اور آدمی کو اس کے لیے اپنی ذات کو فنا کر دینا چاہیے، کوئی آدمی چاہے کتنے ہی اونچے مرتبے پر پہنچ جائے، بہر حال! وہ علم کی انتہا کو پہنچ نہیں سکتا۔ حضرت شیخ الہند علیہ الرحمۃ کا مقولہ مشہور ہے کہ ہماری مجہولات کی تعداد ہماری معلومات کے مقابلے میں کہیں زیادہ ہے اور جتنا زیادہ پڑھتے ہیں، اتنا ہی یہ احساس ہوتا جاتا ہے کہ ہمیں کچھ بھی نہیں آتا، جو آدمی کتابوں کا جتنا زیادہ مطالعہ کرے گا، اس کو یہ احساس ضرور ہوگا۔ وہ تو کم ظرف ہوتے ہیں جو بغیر مطالعے کے بھی یہ سمجھتے ہیں کہ میں دنیا کا سب سے بڑا جان کار ہوں لیکن جو حقیقی معنے میں عالم ہوتے ہیں اور جن کے مطالعے وسیع ہوا کرتے ہیں، وہ جتنا زیادہ کتابیں دیکھتے ہیں، ان میں یہ احساس پیدا ہوتا ہے کہ ہم کچھ نہیں جانتے۔

علم کے حریص بنئے

حقیقت یہی ہے کہ علم ایک ایسی چیز ہے جس کی کوئی انتہا نہیں؛ اس لیے اس بات کی ضرورت ہے کہ ہم حقیقی معنے میں علم کے طلب گار بنیں۔ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: مَنْهُومَانِ لَا يَشْبَعَانِ: دو لالچی اور حریص ایسے ہیں جن کا پیٹ بھرتا نہیں ہے۔ مَنْهُومٌ فِي الْعِلْمِ: ایک تو ہے علم کا بھوکا اور دوسرا ہے: وَمَنْهُومٌ فِي الدُّنْيَا: دنیا اور اس کے مال و متاع کا بھوکا۔ اب جو مال کا بھوکا ہے، وہ تو آج بھی اسی روِش پر ہے، ان کی حرص میں کوئی کمی آئی نہیں ہے۔ دنیا میں آپ دیکھتے ہیں کہ جو مال کے طلب گار ہوتے ہیں، ان کے پاس چاہے دولت کتنی ہی زیادہ مقدار میں ہو لیکن ان کا حال وہ ہوتا ہے جو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک حدیث کے اندر بیان فرمایا کہ ابنِ آدم کا حال یہ ہے کہ اگر اس کو ایک وادی سونے کی بھر کر کے ملے تو وہ دوسری کا اور تیسری، چوتھی کا طلب گار رہتا ہے[1]۔

کہ تیرے بحر کی موج میں اضطراب نہیں

لیکن یہ علم کا حریص بدل گیا ہے۔ قدیم زمانے میں ہمارے اسلاف کا جو حال تھا، ہمارے اکابر کی جو حالت تھی، وہ ہم میں باقی نہیں رہی، ہمارے اندر علم کے ساتھ نہ وہ تعلق ہے، نہ علم کی حرص اور اس کی طلب باقی ہے، نہ اس کی جستجو اور نہ حصولِ علم کے لیے وہ حوصلہ باقی ہے، نہ وہ ذوق وشوق نظر آتا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ایک مردنی

---

(۱) صحیح البخاری، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، رَضِيَ اللہ تعالیٰ عَنْهُمَا، باب مَا يُتَّقَى مِنْ فِتْنَةِ الْمَالِ.

سی چھائی ہوئی ہے، بقول علامہ اقبال کے:

خدا تجھے کسی طوفاں سے آشنا کردے		کہ تیرے بحر کی موج میں اضطراب نہیں

اے لا اِلٰہ کے وارث! باقی نہیں ہے تجھ میں

حقیقت یہی ہے کہ ایک مردنی سی چھائی ہوئی ہے، ہمارے طلبہ کی جماعت، علماء کی جماعت، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان پر بے حسی سی چھائی ہے، کچھ کرنا ہی نہیں چاہتے، ٹھیک ہے! درس گاہ میں کتابیں لے کر آتے ہیں، بیٹھتے ہیں اور اٹھ کر کے چلے جاتے ہیں لیکن جیسا ولولہ ہونا چاہیے، ذوق وشوق ہونا چاہیے، قوت وہمت کے ساتھ اپنے کام میں لگنے کا جو حوصلہ ہونا چاہیے، وہ ہمارے اندر نہیں پایا جاتا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گھر والوں نے زبردستی دھکا دے کر کے مدرسے میں ڈال دیا ہے، ایک مجبوری کا سودا ہے جو کر رہے ہیں، آج اس کا نام علم حاصل کرنا رہ گیا ہے۔

تو شاید پوری دنیا میں ایک عالم بھی نہیں رہتا

آج ضرورت اس بات کی ہے کہ آپ اپنے آپ کو علم کے لیے قربان کر دیں۔ اب یہ علم کیسے حاصل ہوگا؟ تو اس کے طریقے بھی ہمارے اکابر اور اسلاف نے بتادئے ہیں جنھوں نے بڑی بڑی قربانیاں دی ہیں۔ میں تو کہا کرتا ہوں کہ آج اگر علم کا حصول ان مشقتوں پر موقوف ہوتا، ان مجاہدوں پر موقوف ہوتا جو ہمارے اسلاف نے برداشت کیے تھے تو شاید پوری دنیا میں ایک عالم بھی نہیں رہتا۔ یہ تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے زمانے کے پیشِ نظر ہمارے لیے بہت سی آسانیاں اور سہولتیں پیدا کردی ہیں جس

کی وجہ سے علم کا حصول ہمارے لیے بے انتہا آسان ہو گیا: عمارتیں کیسی عمدہ ہیں، درس گاہیں کیسی شان دار بنی ہوئی ہیں، کتب خانے بے نظیر ہیں، آپ کی رہائش گاہیں کیسی دل فریب، آر سی سی کی بنی ہوئیں، بیت الخلا، غسل خانے، مطبخ، ڈائننگ ہال، سب ایک سے بڑھ کر ایک ہے۔ کھانا بالکل تیار ہے، یہاں سے ابھی نکلیں گے تو بس ہاتھ دھو کر کے بیٹھ ہی جانا ہے۔

خدا ان کو دیتا ہے برکت زیادہ

اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہمیں اس قدر سہولتوں اور نعمتوں سے نواز رکھا ہے، ہم ان نعمتوں کی قدر کریں اور اللہ تبارک وتعالیٰ نے جو اسباب اور وسائل حصولِ علم کے لیے آپ کو عطا فرمائے ہیں، ان کو استعمال کرتے ہوئے اپنے آپ کو مکمل طور پر حصولِ علم کے لیے وقف کر دیجیے۔ آدمی جتنی زیادہ محنت کرے گا، اللہ تبارک وتعالیٰ اتنا ہی زیادہ نواز دیں گے، مَنْ جَدَّ وَجَدَ، ﴿وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا﴾ [العنکبوت:٦٩]: اللہ کے راستے میں جو محنت کی جاتی ہے، وہ بے کار نہیں جاتی۔

مردِ بے حوصلہ کرتا ہے زمانے کا گلہ

ہمارے طلبہ کا مزاج یہ بن گیا ہے کہ امتحان کا زمانہ آتا ہے، کلاس میں ''۱۵'' بچے ہیں، ان میں سے دو تین بچے پرچہ خراب جانے کے ڈر سے کچھ محنت کر لیتے ہیں اور باقی کہتے ہیں کہ اپنے ''۳۵'' (کامیابی کا آخری درجہ) تو کہیں گئے ہی نہیں۔ یہ غلط روش ہے، اس کو بدلنے کی ضرورت ہے اور کمال تو یہ ہے کہ اپنی اس سستی، اپنی اس

غفلت، اپنی اس کوتاہی کو چھپانے کے لیے کیا کہتے ہیں؟ مولانا! کون قدر کرتا ہے، بہت سے علماء ہیں، مارے مارے پھرتے ہیں، دنیا میں کوئی قدر تو ہے نہیں۔ ارے آپ خود اپنی قدر نہیں کر رہے ہیں تو دوسرے کیا قدر کریں گے! اور پھر قدر ہی کروانی تھی اور آپ کو معلوم تھا کہ اس کی کوئی قدر ہی نہیں تو پھر آپ یہاں آئے ہی کیوں؟ جب آپ یہاں آئے اور داخلہ لیا تو آپ نے مدرسے کے ساتھ معاہدہ کر لیا اور مشہور حدیث ہے: لاَ إِيمَانَ لِمَنْ لاَ أَمَانَةَ لَهُ وَلاَ دِينَ لِمَنْ لاَ عَهْدَ لَهُ (۱) آپ نے بھی تو معاہدہ کیا اور اسی معاہدے کی بنیاد پر آپ کو یہ ساری سہولتیں مدرسے کی طرف سے حاصل ہو رہی ہیں۔

جو ہمت ہار جاتے ہیں، انھیں ساحل نہیں ملتا

اب اگر آپ کے دل میں طلب نہیں ہے اور یوں لگ رہا ہے کہ علم حاصل کرنے سے ہمیں کوئی فائدہ نہیں پہنچے گا تو پھر یہاں پڑے رہنے کی بھی کوئی ضرورت نہیں، اب اگر آپ یہاں رہتے ہیں اور مدرسے کی طرف سے دی جانے والی سہولتوں سے استفادہ کرتے ہیں تو یہ امانت میں خیانت اور بدعہدی ہی تو ہے اور اپنا وقت بھی ضائع کرنا ہے تو کیوں اپنا وقت ضائع کرتے ہو، یہ کہنا کہ علماء کی کوئی قدر ہی نہیں کرتا، یہ نفس کی طرف سے ایک دھوکہ ہے، شیطان کا دھوکہ ہے، اپنی غفلت کو، اپنی سستی کو، اپنی بے توجہی کو چھپانے کے لیے اس طرح کے جملے استعمال کرنا دوہرا جرم ہے، اس

---

(۱) السنن الکبری للبیھقی، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رضی اللہ عنہ، باب مَا جَاءَ فِي التَّرْغِيبِ فِي أَدَاءِ الأَمَانَاتِ.

سے اپنے آپ کو بچانے کی ضرورت ہے۔

کمی نہیں قدرداں کی اکبر! کرے تو کوئی کمال پیدا

اکبر الہ آبادی کا ایک شعر ہے، اسی پر اپنی بات کو ختم کرتا ہوں: ؎

ہجومِ بلبل ہوا چمن میں، کیا جو گُل نے جمال پیدا

پھول کے اندر جب خوشبو آئی تو ساری دنیا کے بلبلیں آ کر کے وہاں چمن میں جمع ہو گئیں۔ قدردانی کی، تو اکبر الہ آبادی کہتے ہیں:

ہجومِ بلبل ہوا چمن میں کیا جو گُل نے جمال پیدا
کمی نہیں قدرداں کی اکبر! کرے تو کوئی کمال پیدا

آپ محنت اور جد و جہد تو کیجیے، اللہ تبارک وتعالیٰ ایسے قدردان پیدا کریں گے کہ آپ کو اس کا تصور اور اندازہ بھی نہیں ہوگا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ مجھے اور آپ کو عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔

رہنمائے طلبہ (۳)

اقتباس

جب آپ کے اساتذہ، آپ کے مربی محبت اور شفقت کے ساتھ آپ کی تربیت کرتے تھے تو اس کی آپ نے ناقدری کی اور اس سے آپ نے فائدہ نہیں اٹھایا تو دنیا میں اس کی یہ سزا ملی۔ اس لیے ضرورت ہے کہ ان چیزوں کا خیال رکھا جائے، سنتوں کا اہتمام کیا جائے، جو آدمی سنتوں کا اہتمام کرتا ہے، اس کی زندگی میں برکت ہوتی ہے۔ نمازوں کا اہتمام کرو، اعمال کی درستگی کا اہتمام کرو۔ آپ یہ چاہتے ہیں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ آپ سے کام لے تو خالی تمنا سے تو کچھ نہیں ہوتا۔ اگر آپ کے دل میں یہ خواہش ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ آپ سے کام لے اور کون طالبِ علم ایسا ہوگا جس کے دل میں یہ خواہش نہ ہو! تو آپ ان چیزوں کا اہتمام کریں: اعمال کا اہتمام کریں، محنتوں کا اہتمام کریں، سنتوں کا اہتمام کریں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الحمد لله نحمده ونستعينه ونستغفره ونؤمن به ونتوكل عليه، ونعوذ بالله من شرور انفسناو من سيئات اعمالنا، ونعوذ بالله من شرور انفسناو من سيئات اعمالناونعوذبالله من شرور انفسناو من سيئات اعمالنامن يهده الله فلا مضل له ومن يضلله فلا هادي له ونشهد أن لا إله إلا الله وحده لا شريک له ونشهد أن سيدنا ومولانا محمدا عبده ورسوله، أرسله إلى كافّة الناس بشيرا ونذيرا وداعيا إلى اللّٰه بإذنه وسراجا منيرا صلى اللّٰه تعالىٰ عليه وعلى آله وأصحابه وبارک وسلّم تسليما كثيرا كثيرا، أما بعد:

فَاَعُوْذُ بِاللهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ: ﴿تَبٰرَكَ الَّذِيْ بِيَدِهِ الْمُلْكُ وَهُوَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرُ الَّذِيْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيٰوةَ لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْغَفُوْرُ﴾ [الملک: ۱، ۲]

وقال النبی صلی اللّٰہ علیہ وآلہ وسلم: لَا تَزُولُ قَدَمَا ابْنِ آدَمَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مِنْ عِنْدِ رَبِّهِ حَتّٰى يُسْأَلَ عَنْ خَمْسٍ عَنْ عُمْرِهِ فِيمَا أَفْنَاهُ وَعَنْ شَبَابِهِ فِيمَا أَبْلَاهُ وَعن مَالِهِ مِنْ أَيْنَ اكْتَسَبَهُ وَفِيمَ أَنْفَقَهُ وَمَاذَا عَمِلَ فِيمَا عَلِمَ.[1] وقال النبی صلی اللّٰہ علیہ وآلہ وسلم: الْكَيِّسُ مَنْ دَانَ نَفْسَهُ وَعَمِلَ لِمَا بَعْدَ الْمَوْتِ وَالْعَاجِزُ مَنْ أَتْبَعَ نَفْسَهُ هَوَاهَا وَتَمَنّٰى عَلَى اللّٰهِ[2].

(۱) سنن الترمذی، عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ رضی اللّٰہ عنہ، باب فِي الْقِيَامَةِ.

(۲) سنن الترمذی، عَنْ شَدَّادِ بْنِ أَوْسٍ رضی اللّٰہ عنہ، رقم الحديث: ۲۴۶۷.

ہاتھ سے جانے نہ دے اس موقعۂ زریں کو تو

عزیز طلبہ! اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہمیں جن سعادتوں سے نواز رکھا ہے اور سعادت اور نیک بختی کے جو اسباب اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہمارے لیے محض اپنے فضل وکرم سے مہیا فرمائے ہیں، ضرورت ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی ان نعمتوں کی قدر کرتے ہوئے اور اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے دئے گئے اس موقع کو غنیمت سمجھتے ہوئے اپنے آئندہ اور اپنے مستقبل کو سنوارنے کی طرف ہم خصوصی توجہ کریں۔

عبادات میں نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مجاہدات

اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے جب انعامات کی بارش ہوتی ہے تو ان انعامات کا تقاضا یہ ہوتا ہے کہ آدمی ان انعامات پر زبان سے بھی اور عمل سے بھی اللہ تبارک وتعالیٰ کا شکر ادا کرے۔ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رات بھر عبادتوں میں مشغول رہتے تھے، رات کا بڑا حصہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے سامنے کھڑے رہ کر عبادت میں گذارتے تھے جس کے نتیجے میں آپ کے پاؤں مبارک پر ورم ہو جاتا تھا، شگاف پڑ جاتے تھے، حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اور دوسرے اور صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے عرض کیا کہ اللہ کے رسول! آپ اتنی مشقت اٹھاتے ہیں، حالاں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ آپ کے متعلق فرماتے ہیں: لِيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ، اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ کی ساری خطائیں معاف کر دیں پھر آپ کو اتنی مشقت اٹھانے کی کیا ضرورت ہے؟ آپ تو اپنی راتیں آرام سے گزاریئے، جب اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے

اطمینان دلایا گیا اور آپ کو یہ گارنٹی بھی دے دی گئی۔

کیا میں اللہ تبارک وتعالیٰ کا شکر گزار بندہ نہ بنوں

تو اس کے جواب میں نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو جملہ ارشاد فرمایا ہے، ہمیں ہر وقت نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس ارشاد کو اپنے دل ودماغ میں بسائے رکھنے کی ضرورت ہے، نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: أَفَلاَ أَكُونُ عَبْدًا شَكُورًا(۱) کیا میں اللہ تبارک وتعالیٰ کا شکر گزار بندہ نہ بنوں۔ جب اللہ تبارک وتعالیٰ نے ایسی بڑی نعمتوں سے نواز رکھا ہے، ان نعمتوں کا تقاضا یہ نہیں ہے کہ میں بستر پر پڑا سوتا رہوں، اللہ تبارک وتعالیٰ کے ان انعامات کے بعد مجھے تو اس کی عبادت کے اندر اپنے آپ کو ختم کر دینا چاہیے۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو جواب ارشاد فرمایا، ضرورت ہے کہ حضورِ پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ان کلمات کو ہم اپنے دل ودماغ میں نقش کریں۔

یہ گھڑی محشر کی ہے، تو عرصۂ محشر میں ہے

اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہمیں جن معنوی اور روحانی نعمتوں سے مالا مال فرمایا ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ کی ان نعمتوں کا شکر ہم پر ضروری ہے۔ یہ وہ نعمتیں ہیں جن کا کل قیامت کے روز اللہ تبارک وتعالیٰ کے یہاں حساب ہوگا، پوچھ ہوگی، لَتُسْـَٔلُنَّ يَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِيْمِ۔ اور ابھی جو آپ کے سامنے حدیث پڑھی گئی کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: لاَ تَزُولُ قَدَمَا ابْنِ آدَمَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مِنْ عِنْدِ رَبِّهِ حَتّٰى يُسْأَلَ عَنْ خَمْسٍ: کہ

---

(۱) صحیح مسلم، عَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ تعالیٰ عنہا، باب إِكْثَارِ الأَعْمَالِ وَالاِجْتِهَادِ فِي الْعِبَادَةِ.

قیامت کے دن انسان کے قدم اللہ کے حضور سے ہٹ نہیں سکیں گے، یہاں تک کہ پانچ چیزوں کے متعلق اس سے پوچھا جائے گا: عَنْ عُمُرِهٖ فِیمَا أَفْنَاهُ وَعَنْ شَبَابِهٖ فِیمَا أَبْلَاهُ : زندگی کے متعلق پوچھا جائے گا کہ اس زندگی کے ماہ وسال اور دن رات کہاں گذارے؟ اور اس میں بھی خاص طور پر جوانی جو زندگی کا ایک بہترین حصہ ہے اور اللہ تبارک وتعالیٰ نے زندگی کی شکل میں جو نعمت عطا فرمائی ہے، اس کا سب سے اعلیٰ اور قیمتی حصہ ہے، اس کے متعلق اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے الگ سے پوچھا جائے گا کہ جوانی کے ان ایام کو تم نے کہاں استعمال کیا؟ یہ وہ چیزیں ہیں جن کے متعلق قیامت کے روز ہم سے پوچھا جائے گا۔

رہ نہ غافل! یاد رکھ پچھتائے گا

ابھی آپ کے سامنے جن آیات کی قرأت کی جارہی تھی: ﴿یٰاَیُّهَا الْاِنْسَانُ مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِیْمِ، الَّذِیْ خَلَقَكَ فَسَوّٰكَ فَعَدَلَكَ فِیْۤ اَیِّ صُوْرَةٍ مَّا شَآءَ رَكَّبَكَ كَلَّا بَلْ تُكَذِّبُوْنَ بِالدِّیْنِ﴾ [الإنفطار۶-۹] : گویا تم اپنے عمل سے ایسا رویہ اختیار کیے ہوئے ہو کہ کل قیامت کے دن تمھارے اعمال کے متعلق تم سے پوچھا جائے گا، محاسبہ ہوگا، اعمال کا بدلہ دیا جائے گا۔ اس کے متعلق تم کو کوئی احساس ہی نہیں۔ تم تو اپنے عمل سے ایسا جتلا رہے ہو کہ گویا کل کو اس کے متعلق تم سے کوئی سوال ہونے والا ہے ہی نہیں؛ کیوں کہ جس آدمی کے دل ودماغ میں یہ احساس جما ہوا ہو کہ کل کو مجھے اپنی زندگی کے متعلق سوال کا جواب دینا ہے تو وہ کبھی ایک لمحے کے لیے بھی غافل نہیں ہوسکتا۔

جیسے قرآن آج ہی نازل ہوا

باری تعالیٰ نے اسی کو فرمایا: كَلَّا بَلْ تُكَذِّبُوْنَ بِالدِّيْنِ وَاِنَّ عَلَيْكُمْ لَحٰفِظِيْنَ كِرَامًا كَاتِبِيْنَ يَعْلَمُوْنَ مَا تَفْعَلُوْنَ: کیسے عجیب انداز میں باری تعالیٰ یہ ارشاد فرماتے ہیں اور شروعات کیسے عجیب انداز میں کی: مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِيْمِ کہ: کس چیز نے تمھارے مہربان اور کریم پروردگار کی طرف سے تم کو دھوکے میں ڈالا ہے، اس نے اتنی ساری نعمتیں تم کو عطا فرمائیں۔ پھر فرمایا: وَمَآ اَدْرٰكَ مَا يَوْمُ الدِّيْنِ ثُمَّ مَآ اَدْرٰكَ مَا يَوْمُ الدِّيْنِ يَوْمَ لَا تَمْلِكُ نَفْسٌ لِّنَفْسٍ شَيْـئًا وَالْاَمْرُ يَوْمَئِذٍ لِّلّٰه: وہاں کوئی چیز کام آنے والی نہیں ہے، اس آیت میں کیسا عجیب مضمون ہے!! یہ جو آپ کے سامنے ان آیات کی تلاوت کی گئی، میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ پڑھنے والے کے دل میں اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے مجلس کی مناسبت سے یہ ساری آیتیں پڑھوائی گئی ہیں، اس کا ایک ایک کلمہ، ایک ایک جملہ ہمارے دلوں کو ہلا دینے والا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے کیسی کیسی نعمتیں ہمیں اور آپ کو عطا فرمائی ہیں۔

جہاں ہے تیرے لیے، نہ تو جہاں کے لیے

آپ میں سے ہر آدمی اپنے متعلق سوچے کہ میں کون ہوں؟ کہاں کا رہنے والا ہوں؟ کس بستی سے میرا تعلق ہے؟ کہاں میرے ماں باپ، میرے بھائی بہن، اپنے خاندان کا اوپر تک شجرہ ذرا دیکھ لو کہ آپ کے خاندان میں اس سے پہلے کسی کے لیے علم کے ایسے اسباب اور وسائل اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے مہیا کیے گئے تھے؟ اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ کو موقع دیا اور آپ کے خاندان میں سے اٹھا کر آپ کو

یہاں بھیج دیا اور آپ کے لیے علم حاصل کرنے اور عملی طور پر زندگی کو استوار کرنے کے اللہ تبارک وتعالیٰ نے سارے اسباب مہیا کر دئے۔ آپ کو کوئی فکر نہیں ہے، اپنی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لیے آپ کو کوئی کوشش نہیں کرنی پڑ رہی ہے۔ ساری چیزیں آپ کے لیے بنی بنائی تیار موجود ہیں۔

فکر بے نور تیرا، جذبِ عمل بے بنیاد

یہ سب ہو رہا ہے، اس کے باوجود آپ اپنے مستقبل کو سنوارنے کے سلسلے میں اس قدر زیادہ غفلت کے شکار ہیں، سمجھ میں نہیں آتا، کہاں جا رہے ہیں! اتنی غفلت چھائی ہوئی کہ کوئی احساس ہی نہیں۔ اپنے مقام، اپنے مرتبہ اور اپنی حیثیت کو دیکھو کہ میں کون ہوں؟ میں یہاں کیوں آیا ہوں؟ مجھے یہاں کیا کرنا ہے؟ مجھے ایک ایک لمحہ کن چیزوں میں گذارنا ہے اور میرے لیے یہ سارے اسباب جو مہیا کیے گئے ہیں، یہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی نعمتیں ہیں، ایک ایک چیز کا اللہ تبارک وتعالیٰ کے یہاں حساب دینا ہے، آج ہم کسی کو دو وقت کا کھانا کھلا دیتے ہیں تو اس سے پوچھتے ہیں، اس کا محاسبہ کرتے ہیں۔ کسی کو ہزار روپیے دے دئے تو پھر اس سے حساب بھی لیتے ہیں کہ ان روپیوں کو کس مصرف میں خرچ کیا اور اللہ تبارک وتعالیٰ نے سب کچھ دیا، یہاں لا کر کے آپ کو راحت وعیش کی جگہ میں ڈال دیا۔ علم حاصل کرنے کے اسباب اور عمل کو درست کرنے کے سارے مواقع وافر مقدار میں اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے فراہم کر دئے پھر بھی آپ غفلت کا شکار ہیں!! آپ کیا کر رہے ہیں؟ اپنے پاؤں پر کلہاڑا مار

رہے ہیں، اپنے آپ کو تباہ کررہے ہیں۔

وہ کام کر کہ یاد تجھے سب کیا کریں

یہ موقع اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے ہر وقت دیا نہیں جاتا، زندگی میں اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے جو مواقع دئے جاتے ہیں، وہ آزمائش کے لیے ہوتے ہیں: اَلَّذِيْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيٰوةَ لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا: موت اور زندگی کے یہ سارے وسائل اور اسباب، یہ ساری نعمتیں اللہ تبارک وتعالیٰ نے ایسے ہی نہیں دی ہیں بلکہ آزمائش کے لیے دی ہیں، یہاں لاکر جو آپ کو ڈالا گیا ہے، وہ آزمائش کے لیے ڈالا گیا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے ملی ہوئی ان نعمتوں سے آپ کیا فائدہ اٹھاتے ہیں اور کہاں صرف کرتے ہیں؟ آپ اپنے مستقبل کو سنوارنے میں ان سے کیا کام لے رہے ہیں؟ اگر آپ ان نعمتوں کی قدردانی کرتے ہوئے اپنی علمی اور عملی زندگی کو بنائیں گے تو اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے دی ہوئی ان نعمتوں میں کئی گنا اضافہ ہوجائے گا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ دنیا میں بھی عزت کا مقام عطا فرمائیں گے اور آخرت میں بھی آپ کے لیے بلند مراتب ہوں گے۔ دنیا میں بھی لوگ آپ کو ہاتھوں ہاتھ لیں گے اور آخرت میں بھی اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے آپ کے ساتھ اکرام کا معاملہ کیا جائے گا۔

رہ کے دنیا میں بشر کو نہیں زیبا غفلت

خدا نہ کرے، اگر یہاں رہ کر آپ نے ان نعمتوں کی ناقدری کی اور اپنے علمی

اور عملی پہلوؤں کو درست کرنے کا اہتمام نہیں کیا تو کیا مصائب آئیں گے اور کیسی کیسی آزمائشوں سے دنیا میں اور دنیا کے بعد آخرت میں واسطہ پڑے گا، اس کے متعلق کوئی کچھ کہہ سکتا نہیں ہے۔ آپ کس غفلت میں پڑے ہوئے ہیں! ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کچھ پتہ ہی نہیں۔ ہمارے اوپر غفلت کے ایسے دبیز اور سخت پردے پڑے ہوئے ہیں کہ سمجھ میں ہی نہیں آتا۔ بار بار جھنجھوڑ رہے ہیں، اس کے باوجود ہم اپنی غفلت کو دور کرنے کا نام نہیں لیتے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہ موقع دیا ہے، اگر یہ موقع آپ کھو دیں گے تو اس کے بعد اس کے نتیجے میں اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے جو حالات آئیں گے اور جن مصائب سے آپ کو واسطہ پڑے گا، اس وقت آدمی کی عقل حیران رہ جائے گی، کوئی آپ کی مدد کے لیے نہیں آئے گا۔

ناشکری کی اخروی سزا کا کچھ نمونہ دنیا میں بھی دکھایا جاتا ہے

یَوْمَ لَا تَمْلِكُ نَفْسٌ لِّنَفْسٍ شَيْئًا میں تو وہاں کا بتایا لیکن یہاں بھی ان مواقع اور سہولتوں کے حاصل ہونے کے باوجود آپ نے علمِ حق کو حاصل کرنے کی طرف توجہ نہیں کی، اپنے اعمال کو درست نہیں کیا، ایسے ہی رہے اور ایسے ہی یہاں کی نعمتوں سے فائدہ اٹھا کر آٹھ سال، نو سال گذار کر چلے گئے تو یہاں سے جانے کے بعد جن حالات سے آپ کو واسطہ پڑے گا، وہاں کوئی بھی آدمی آپ کی مدد نہیں کر سکے گا۔ یَوْمَ لَا تَمْلِكُ نَفْسٌ لِّنَفْسٍ شَيْئًا کا معاملہ تو آخرت کا ہے لیکن دنیا میں بھی اللہ تبارک وتعالیٰ اس کا کچھ نمونہ دکھلائیں گے۔ آخرت میں جو کچھ ہونے والا ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ اس کا کچھ

نمونہ دنیا میں بھی دکھا دیتے ہیں، جیسے برزخ میں جو کچھ ہے، اس کا کچھ نمونہ یہاں بھی دکھلایا جاتا ہے؛ اس لیے ضرورت ہے کہ آپ حضرات اپنے آپ کو سنبھالیں۔

درجاتِ عُلیا کے طلبہ اسوہ اور نمونے کی حیثیت رکھتے ہیں

یہاں رہ کر آپ کو کیا کرنا ہے؟ تو ایک تو علمی اعتبار سے اپنے آپ کو بنانا ہے، خاص کر کے اوپر کی جماعتوں کے طلبہ۔ جب دورے کے طلبہ کے متعلق میرے پاس یہ شکایت پہنچتی ہے کہ پڑھنے کے معاملے میں جیسی توجہ دینی چاہیے، جیسی محنت کرنی چاہیے، اس کا اہتمام ان کی طرف سے نہیں ہوتا، مجلس بازیاں ہوتی ہیں۔ ارے بھائی! آپ دورے والے تو ان سب بچوں کے لیے نمونہ ہیں۔ آپ جیسے چلیں گے، چھوٹے طلبہ بھی ویسے ہی چلیں گے: آپ اگر اپنے اوقات کو صحیح گذاریں گے اور آپ نماز کا، جماعت کا، صفِ اول کا، سنتوں کا، تلاوت کا، تسبیحات کا اور سبق کی حاضری کا، مطالعے کا، تکرار کا اور محنت کا اہتمام کریں گے تو آپ کو دیکھ کر نیچے سے لے کر اوپر تک کے سب بچے آپ کا اتباع کریں گے، آپ کی پیروی کریں گے۔

مَنْ سَنَّ فِي الإِسْلامِ سُنَّةً حَسَنَةً فَلَهُ أَجْرُهَا وَأَجْرُ مَنْ عَمِلَ بِهَا بَعْدَهُ مِنْ غَيْرِ أَنْ يَنْقُصَ مِنْ أُجُورِهِمْ شَيْءٌ وَمَنْ سَنَّ فِي الإِسْلامِ سُنَّةً سَيِّئَةً كَانَ عَلَيْهِ وِزْرُهَا وَوِزْرُ مَنْ عَمِلَ بِهَا مِنْ بَعْدِهِ مِنْ غَيْرِ أَنْ يَنْقُصَ مِنْ أَوْزَارِهِمْ شَيْءٌ[1].

---

(۱) صحیح مسلم، عَنْ جَرِيرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ رضی اللہ عنہ، باب الْحَثِّ عَلَى الصَّدَقَةِ وَلَوْ بِشِقِّ تَمْرَةٍ أَوْ كَلِمَةٍ طَيِّبَةٍ وَأَنَّهَا حِجَابٌ مِنَ النَّارِ.

مجلس بازیاں طلبہ اور علماء کے لیے سمِّ قاتل ہے

مدارس کے ماحول کو ٹھیک بنانے کے لیے اوپر کی جماعتوں: دورے مشکوۃ وغیرہ کے جو طلبہ ہیں، وہ جتنا بہترین اور مؤثر کردار ادا کر سکتے ہیں، اور کوئی نہیں کر سکتا، اساتذہ بھی وہ کام نہیں کر سکتے۔ اساتذہ توجہ دلا سکتے ہیں لیکن آپ حضرات کا عملی کردار پورے مدرسے کے ماحول کو ٹھیک کر سکتا ہے۔ اس طرف توجہ کرنے کی ضرورت ہے۔ محنتیں کیوں نہیں کرتے؟ کیوں اتنی توجہ نہیں دیتے؟ کیوں مجلس بازی کی طرف توجہ دیتے ہو؟ میں بار بار بتلا چکا ہوں کہ ان مجلس بازیوں نے ہمارے طبقۂ علماء کو ختم کر دیا ہے، ان کی ہر چیز ختم کر دی۔ علم سے بھی محروم کر دیا، عملی اعتبار سے بھی کھوکھلا بنا دیا اور ہر قسم کی برائیوں میں مبتلا کر دیا۔

عشاء کے بعد شریعت بات چیت کی اجازت نہیں دیتی

میں ہمیشہ سے کہتا چلا آیا ہوں کہ ہمارے مدرسوں کے اندر جتنی بھی بداخلاقیاں اور خرابیاں ہوتی ہیں، جس نوع کی بھی ہو، ان ساری خرابیوں اور بداخلاقیوں کی جڑ یہ راتوں کی مجلسیں ہیں، ان ہی میں سارے منصوبے اور پلان بنتے ہیں، ان ہی میں ساری چیزوں کی باتیں ہوتی ہیں، ان ہی میں سارے مشورے ہوتے ہیں، ان ہی میں آگے کے لیے تیاریاں کی جاتی ہیں، ان ہی میں ساری خرابیاں ہیں۔ حالاں کہ عشاء کی نماز کے بعد نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سمر یعنی بات چیت کرنے سے منع فرمایا، صحیح روایتوں میں ہے، بخاری شریف میں ہے، اور دوسری کتب احادیث کے اندر بھی اس طرح کی روایات

موجود ہیں کہ عشاء کے بعد شریعت بات چیت کی اجازت نہیں دیتی، سب منع ہے[۱]۔

عشاء کے بعد گفتگو کی ممانعت سے مستثنیات

البتہ اس سے کچھ استثناء کیے گئے ہیں، ان ہی مستثنیات میں سے ایک یہ ہے کہ آپ اگر پڑھ رہے ہیں، تکرار کر رہے ہیں، کتاب کا مطالعہ کر رہے ہیں، سبق یاد کر رہے ہیں، دور یاد کر رہے ہیں تو پوری رات جاگیے اور یہ کام کیجیے[۲]۔ لیکن اگر آپ اپنے ساتھی کے ساتھ بیٹھ کر عشاء کے بعد ایک بات بھی کریں گے تو وہ اس ممانعت میں داخل ہو کر گناہ کے مرتکب ہو جائیں گے۔ جو چیزیں جائز ہیں، ان کو ثابت کرنے کے لیے حضراتِ محدثین کو باقاعدہ ابواب قائم کرنے پڑے اور اس کو ثابت کرنے کے لیے واقعات بیان کرنے پڑے کہ اتنا کرے تو اس کی اجازت ہے[۳]۔

گنوادی ہم نے جو اسلاف سے میراث پائی تھی

اللہ تبارک وتعالیٰ کے ایسے بندے گذرے ہیں جنھوں نے چالیس، چالیس سال تک عشاء کے بعد بات چیت نہیں کی، حضرت منصور بن معتمر علیہ الرحمۃ بخاری کے راویوں میں ہے، ان کا بار بار نام آتا ہے، انھوں نے چالیس سال تک عشاء کے بعد

---

(۱) صحیح البخاری، عن أَبِي بَرْزَةَ الأَسْلَمِيِّ رضي الله عنه، باب مَا يُكْرَهُ مِنَ السَّمَرِ بَعْدَ الْعِشَاءِ.

(۲) صحیح البخاری، عن أَنَس رضي الله عنه، باب السمر في الفقه والخير بعد العشاء.

(۳) مثلاً علمی گفتگو کے جواز کے لیے امام بخاریؒ نے مذکورہ بالا باب قائم کیا ہے، اسی طرح انھوں نے مہمان اور گھر والوں کے ساتھ گفتگو کے جواز کو ثابت کرنے کے لیے ایک باب قائم کیا ہے: باب السمر مع الضيف والأهل.

بات چیت نہیں کی۔ اسی طرح ہمارے دوسرے اکابر اور اسلاف سے بھی اس طرح کے واقعات منقول ہیں اور اس کے برعکس ہمارا حال یہ ہے کہ، بارہ، بارہ۔ ایک، ایک بجے تک مجلس بازیوں کے اندر مشغول رہیں!

جمعہ: ایک عظیم نعمتِ الٰہی

اور پھر جمعہ جیسی مبارک رات! جمعہ کا دن تو اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے اس امت کے لیے بہت بڑی نعمت ہے۔ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ اور امتوں کو بھی اختیار دیا گیا لیکن وہ امتیں جمعہ کے دن کا انتخاب کرنے میں چوک گئیں، اس کا انتخاب نہیں کر سکیں، چنانچہ یہودیوں نے تو سنیچر کا انتخاب کیا اور نصاری نے اتوار کا انتخاب کیا اور اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس امت کو یہ سعادت عطا فرمائی کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے یہاں جو دن سب سے زیادہ مقبول تھا، اسی کا انتخاب کیا یعنی جمعہ کا دن (۱)۔

یہ مسلماں ہیں! جنھیں دیکھ کے شرمائیں یہود

اور پھر جمعہ کی رات کو تو حدیث میں "اللیلۃ الغراء" فرمایا یعنی روشن رات، اور دن کو "یَوْمٌ أَزْهَرُ" روشن دن کہا گیا (۲)۔ اس طرح کی روشن رات میں ہم مجلس بازیاں کرتے رہیں، شور مچاتے رہیں، یہاں اساتذہ رہتے ہیں، ان کی تکلیف کا کوئی خیال ہی نہیں، کھیل رہے ہیں۔ یہ کوئی کھیلنے کا وقت ہے! یہ کم بخت اس زمانے کی شیطانی

(۱) صحيح مسلم، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ وَعَنْ حُذَيْفَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُما، باب هِدَايَةِ هَذِهِ الأُمَّةِ لِيَوْمِ الْجُمُعَةِ.

(۲) الدعوات الكبير للبيهقى، عَنْ أَنَسٍ رضي الله عنه، باب ما روي في الدعاء إذا دخل رجب.

تہذیب ہے کہ جس نے راتوں میں کھیل کا سلسلہ جاری کیا، ورنہ کیا رات کوئی کھیل کا وقت ہے؟ اب وہی کھیل ہم یہاں راتوں کو کھیلتے ہیں۔ جمعہ کی رات کے اندر عشاء کے بعد جو کھیل شروع کیا جاتا ہے تو ایک ایک، دو دو بجے تک چلتا ہے اور اس کی وجہ سے شور ہوتا ہے جو یہاں رہنے والے اساتذہ اور مہمانوں کو بھی سکون سے سونے نہیں دیتا۔ یہ کیا ہے؟ کوئی آدمی آ کر دیکھے گا تو کیا اثر لے گا! کیا شریعت اس کی اجازت دیتی ہے؟ وہ تو بات کرنے کی اجازت نہیں دیتی بلکہ بلا ضرورت عشاء کے بعد ایک کلمہ تک کی نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ممانعت فرماتے ہیں تو پھر یہ کھیلنے کی اجازت کیسے ہوسکتی ہے۔

اس طرح ہوتا ہے ہمارے یہاں جمعہ کا اہتمام!

اور پھر جمعہ کا دن ہوتا ہے تو چائے پینے کے بعد سے لگتے ہیں، تو گیارہ بجے کھانے کی گھنٹی بجتی ہے تو بھاگے، دوڑے جا کر کھائیں گے اور پھر سو جائیں گے اور پھر جو آنکھ لگے گی تو جمعہ سے پہلے پہلے ہڑ بڑا کر اٹھیں گے اور جلدی جلدی بالٹی لے کر غسل کے لیے دوڑے چلے جائیں گے۔ اس طرح ہوتا ہے ہمارے یہاں جمعہ کا اہتمام!

وہ معزز تھے زمانے میں مسلماں ہو کر

امام غزالی علیہ الرحمۃ نے لکھا ہے کہ اسلاف کے یہاں جمعہ کے دن کا اہتمام اس طرح ہوتا تھا کہ جمعہ کی رات سے جمعہ کے دن کی تیاری کی جاتی تھی اور جمعہ کے روز تہجد کے وقت سے لوگ لالٹینیں لے کر جمعہ کی نماز کے لیے جامع مسجد کی طرف نکل جاتے تھے۔ امام غزالی علیہ الرحمۃ نے لکھا ہے کہ لالٹینوں کی وجہ سے راستے روشن ہو جاتے تھے۔

جمعہ کے بارے میں ہمارے اسلاف کا تو یہ اہتمام تھا اور ہماری طرف سے یہ غفلت! سوچو کہ یہ سب کیا ہے؟ کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ ہم کہاں جارہے ہیں اور اپنے آپ کو کس طرح برباد کررہے ہیں۔

امتحان کا زمانہ طلبہ کے لیے محنت کا موسم اور سیزن ہے

ضرورت ہے اس بات کہ ہم اپنے اوقات کو صحیح ڈھنگ سے گذاریں، مطالعے کا اہتمام کرو، تکرار کا اہتمام کرو۔ ویسے ہمیں تو بارہ مہینے محنت کرنی ہے لیکن جب امتحان کا زمانہ آوے تو یہ تو محنت کا سیزن ہے۔ ایک کسان ہوتا ہے، وہ اپنی کھیتی باڑی میں محنت کرتا ہی ہے لیکن جب سیزن آتا ہے، موسم آتا ہے تو اس کی محنت بڑھ جاتی ہے، گھر کے چھوٹے بڑے، مرد، عورت، بچے سب دن رات محنت میں لگ جاتے ہیں۔ ایک تاجر ہے، وہ ویسے تو بارہ مہینے اپنی دکان کھولتا ہے لیکن وہ جس چیز کی تجارت کررہا ہے، جب اس چیز کا سیزن آئے گا تو اس وقت گھر کے سارے افراد لگ جاتے ہیں پھر وہ نہ دن دیکھتا ہے، نہ رات دیکھتا ہے۔ ایک صنعت کار ہے، فیکٹری چلانے والا ہے، ویسے تو اس کی فیکٹری کے اوقات مقرر ہیں کہ آٹھ یا دس گھنٹے چلے گی لیکن جب سیزن آتا ہے تو چوبیس گھنٹے فیکٹری چلاتا ہے۔ ہر جگہ سیزن کا اہتمام کیا جاتا ہے۔

ہر لمحہ یہاں جہدِ مسلسل کا ہے پیغام

ویسے ہمیں تو بارہ مہینے محنت کرنی ہے لیکن امتحانات کا زمانہ ایک موقع ہے، ایک سیزن ہے تو جیسے ہر آدمی سیزن سے فائدہ اٹھاتا ہے، اسی طرح ہم بھی اس سیزن

سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنی محنت کو دو گنا، چوگنا، پانچ گنا، دس گنا کردیں۔ پہلے اگر رات کے ایک بجے تک بیٹھتے تھے تو اب رات کے تین بجے تک بیٹھئے۔ پہلے دوپہر میں سو جاتے تھے، اب دوپہر میں سونا موقوف کردیجیے۔ پہلے عصر کے بعد تفریح کے لیے جاتے تھے، اب امتحان کے زمانے میں اس کو بھی ختم کردیجیے اور کتاب لے کر بیٹھئے۔ سیزن ہے، اس سے فائدہ اٹھائیے۔

جو سووت ہے، وہ کھووت ہے

جو کوئی بھی ہو، چاہے وہ کسان ہو، تجارت پیشہ آدمی ہو یا صنعت کار ہو، اگر وہ سیزن کو چوک جاتا ہے تو اس کا سارا کاروبار چوپٹ ہوجاتا ہے اور ایسے گھاٹے میں مبتلا ہوجاتا ہے کہ پھر اس کی تلافی اس کے لیے ناممکن ہوجاتی ہے۔ اسی طرح اگر آپ بھی اس سیزن کو چوک جائیں گے تو اس سے آپ کو جو نقصان پہنچے گا، وہ ناقابلِ تلافی ہوگا۔

ہے یہ دورِ جام و مینا چند روز

مگر غفلت کے ایسے پردے پڑے ہوئے ہیں کہ میری تو سمجھ میں نہیں آتا۔ جب ایسی باتیں سنتا ہوں تو میرا دل تڑپ جاتا ہے کہ ہمارے یہ بچے کہاں جارہے ہیں، کیسی غفلت کے اندر پڑے ہوئے ہیں، اللہ تبارک وتعالیٰ کی ان نعمتوں کی کیسی ناقدری کررہے ہیں۔ آپ کو معلوم نہیں کہ دنیا میں کیا ہورہا ہے؟ لوگ اپنی زندگی کو بچانے اور بنانے کے لیے مرے جارہے ہیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ کو راحت اور آرام کے ساتھ اپنے دین کا علم حاصل کرنے کا موقع دیا اور آپ کی ساری ضرورتوں

کو پورا کرنے کے انتظامات کیے گئے اور آپ اس کی نا قدری کر رہے ہیں! اس سے فائدہ نہیں اٹھا رہے ہیں! کیا ہوگا؟ اس لیے ضرورت ہے کہ ان چیزوں کی طرف توجہ کریں اور اپنے آپ کو ضائع ہونے سے بچائیں۔

اپنی ذات کو امت کے لیے نمونہ بنائیے

سنتوں کا اہتمام کریں۔ بہت سے طلبہ کے متعلق شکایات ہیں کہ سوئے رہتے ہیں، نماز کی کوئی پروا نہیں کرتے۔ آگے چل کر کے آپ تو رہبر بننے والے ہیں، آپ تو دین کے پیشوا ہیں۔ اگر آپ یہ انداز اختیار کریں گے تو جس قوم کی آپ پیشوائی کریں گے اور جس قوم کی رہبری آپ کے حوالے کی جائے گی، ان کی نمازوں کا کیا حال ہوگا؟ آج ہم کہیں جاتے ہیں تو دیکھتے ہیں، آپ کہیں بھی چلے جایئے اور دیکھیے کہ فجر کی نماز کا کیا حال ہے؟ دوسری نمازوں میں مسجد بھری ہوئی ہے لیکن فجر کی نماز میں ایک صف بھی پوری نہیں ہوتی۔ خود مولوی صاحب ہی غیر حاضر ہیں۔

خدا نصیب کرے ہند کے اماموں کو

بیرون ممالک میں بہت سی جگہ جانا ہوتا ہے بلکہ اب تو ہمارے یہاں بھی یہ ہونے لگا ہے کہ مدرسے کے اندر آٹھ مدرس ہیں تو جیسے ہمارے یہاں امامت کی باری ہے تو ان مدرسین کے درمیان میں بھی امامت کی باری مقرر ہوتی ہے، اب جس کی باری ہوتی ہے، وہ تو فجر کی نماز میں آتا ہے اور باقی سوئے رہتے ہیں۔ اب لوگ کہتے ہیں کہ مولوی صاحب تو مسجد میں آتے نہیں، سوئے رہتے ہیں، پتہ نہیں وقت پر پڑھتے ہیں یا

قضا کر دیتے ہیں تو ایسے مولوی صاحب کے پیچھے ہماری نماز کا کیا حکم ہے؟ ایسے سوالات پوچھے جاتے ہیں، زبانی بھی پوچھتے ہیں اور لکھ کر کے بھی پوچھتے ہیں، یہ سب کیا ہو رہا ہے! نماز کے معاملے میں اتنی غفلت!

تارکِ نماز سے دیگر امورِ دین کے قیام کی امید نہیں کی جاسکتی

آپ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا فرمان پڑھا ہوگا جس کو امام مالکؒ نے موطا کے اندر غالباً باب مواقیت الصلوۃ کے بالکل شروع میں نقل کیا ہے[1]۔ یہ فرمان حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے گورنروں کے نام لکھا تھا، اس میں آپ نے نماز کے سلسلے میں بڑی تاکید کرتے ہوئے لکھا تھا: إن أهم أمركم عندي الصلاة فمن حفظها وحافظ عليها حفظ دينه ومن ضيعها فهو لما سواها أضيع کہ: تمھارے کاموں میں سب سے اہم میرے نزدیک نماز ہے، آگے فرماتے ہیں: جو آدمی نماز کو ضائع کرے گا، وہ دوسری چیزوں کو بطریقِ اولی ضائع کرے گا یعنی دین کی اتنی اہم چیز کی طرف سے وہ غفلت برت رہا ہے تو اس سے کیا امید کی جاسکتی ہے کہ وہ دین کے دوسرے کاموں کو صحیح طریقے سے انجام دے۔ الصَّلاةُ عِمَادُ الدِّينَ، مَنْ أَقَامَهَا فَقَدْ أَقَامَ الدِّين وَمَنْ تَرَكَهَا فَقَدْ هَدَمَ الدِّينَ [2]: نماز تو بنیادی حیثیت رکھتی ہے، اگر اس میں غفلت ہوگی تو آپ سے ہم کیا توقع کریں

---

(۱) باب وقوت الصلوۃ میں چھٹے نمبر پر یہ فرمان امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کیا ہے: أن عمر بن الخطاب كتب إلى عماله إن أهم أمركم عندي الصلاة الخ.

(۲) لُباب الحديث للسيوطي رحمۃ اللہ علیہ ص ۱۶. احياء علوم الدين للغزالي رحمۃ اللہ علیہ ۱/ ۱۸۵ وقال: رواه البيهقي في الشعب بسند ضعفه من حديث عمر.

کہ آپ دوسرے کاموں کو صحیح طریقے پر انجام دیں گے۔

دین میں نماز کی اہمیت اور حیثیت

نماز کا اتنا اہتمام کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مرض الوفات کے اندر جن چیزوں کی طرف امت کو متوجہ فرمایا، ان میں نماز بھی ہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرمارہے تھے: اَلصَّلاۃَ، وَمَامَلَکَتْ أَیْمَانُکُمْ. کہ: نماز کا خیال رکھیو، غلاموں کا خیال رکھیو، اپنے ماتحتوں کا خیال رکھیو[(۱)]۔ خود نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایسے بیمار ہیں کہ اپنے آپ چل نہیں سکتے، دو آدمیوں کا سہارا لے کر پاؤں گھسٹتے ہوئے مسجد کے اندر نماز پڑھنے کے لیے تشریف لائے۔ جب بیماری اس سے بھی زیادہ ہوگئی اور بے ہوشی کے دورے پڑنے لگے، تب آپ نے مسجد میں آنا موقوف فرمایا۔ آپ اندازہ لگائیے کہ یہ کتنی اہم چیز ہے[(۲)]۔

مدرسہ طلبہ کے بننے، بگڑنے کی جگہ ہے

یہ ساری چیزیں ہم پڑھ رہے ہیں، سن رہے ہیں، دیکھ رہے ہیں، ہمارے علم میں ہے، اس کے باوجود ہم نماز کی طرف سے غفلت برتیں تو اس کو کیا کہیں گے؟ اور وہ بھی یہاں آپ کا یہ حال ہوگا تو آگے ہم آپ سے کیا توقع رکھیں۔ یہ تو آپ کے لیے تربیت گاہ ہے، اس تربیت گاہ میں رہ کر آپ نے اپنی تربیت کی طرف توجہ نہیں کی، اپنے آپ کو ٹھیک نہیں کیا تو آگے جا کر کیا کریں گے! میں پہلے بھی بار بار کہہ چکا ہوں کہ

---

(۱) سنن ابن ماجة، عَنْ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ رضي الله عنه، بَابُ هَلْ أَوْصَى رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

(۲) صحيح البخاری، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا، باب حد المريض أن يشهد الجماعة.

یہ تو آپ کے بننے اور بگڑنے کی جگہ ہے۔ جو چیز جہاں بنتی ہے، وہاں جیسی بنی، پھر آ گے اس میں تبدیلی ہونے والی نہیں ہے: کپڑا فیکٹری میں بنتا ہے اور بننے کے دوران اس میں دس عیب رہ گئے تو ان دسوں عیب میں سے کسی ایک کو بھی کوئی سُدھار نہیں سکتا، وہ تو ویسا ہی رہے گا، لوگ کہیں گے کہ یہ تو فیکٹری کا عیب ہے، یہ جانے والا نہیں ہے۔ بچہ ماں کے پیٹ میں تیار ہوتا ہے، جب وہ پیدا ہوا تو کان میں یہ عیب ہے، آنکھ میں یہ عیب ہے تو کوئی طبیب اور ڈاکٹر اس کو سُدھار نہیں سکتا ڈاکٹر بھی کہے گا کہ یہ عیب تو بچہ ماں کے پیٹ سے لے کر آیا ہے، اس میں کچھ نہیں ہوسکتا۔

طلبہ خود اپنی نگرانی کریں

اسی طرح یہ مدارس آپ کے لیے ماں کے درجے میں ہیں؛ اسی لیے اس کو مادرِ علمی کہتے ہیں، یہ مادرِ علمی بھی ہے، مادرِ عملی بھی ہے۔ یہاں آپ کی علمی تربیت اور پرورش بھی ہوتی ہے اور عملی بھی۔ یہاں جو کمی آپ کے اندر رہ جائے گی، وہ زندگی بھر رہے گی؛ اس لیے ضرورت ہے کہ آپ خود اپنے اوپر نگرانی رکھیں۔ آج ہم بالکل شترِ بے مہار ہو گئے ہیں یعنی کوئی کہنے والا ہو، کوئی ٹوکنے والا ہو تو ٹھیک ہے، اس میں بھی اِدھر اُدھر کے بہانے بنایا کرتے ہیں اور اگر کوئی دو جملے کہنے والا نہیں تو سوچتے ہیں ہم جو چاہیں کر سکتے ہیں جو آدمی اس طرح زندگی گذارے گا، وہ کبھی کامیاب نہیں ہوسکتا۔

سختئ رہ سے نہ ڈر، ایک ذرا ہمت تو کر

کوئی کہے یا نہ کہے، ہمیں اپنی زندگی کا ایک نظام بنانا ہے کہ نمازیں مسجد میں

جماعت کے ساتھ، صفِ اول میں، تکبیرِ اولی کے ساتھ، سنن ومستحبات اور آداب کی رعایت کرتے ہوئے اس طرح پڑھنی ہیں، یہ ہم طے کرلیں اور کچھ بھی ہوجائے، کیسے ہی حالات کیوں نہ ہو، کیسی ہی بیماری کیوں نہ ہو، کیسی ہی سستی کیوں نہ ہو، نفس کے اندر کیسا ہی کسل کیوں نہ ہو لیکن ہم اسی طرح نماز پڑھ کر رہیں گے۔ آپ اس طرح نفس کا مقابلہ کیجیے، اگر اس طرح آپ اپنے نفس کا مقابلہ نہیں کریں گے تو دنیا کے کسی میدان میں آپ کامیاب نہیں ہوسکتے۔

کر نفس کا مقابلہ، ہاں بار بار تو

اسی طرح سنتوں کا اہتمام کیجیے۔ یہ سنتیں جو چھوڑ رہے ہیں کہ نماز کی پروا نہیں کرتے اور بعض طلبہ پڑے رہتے ہیں، ایسوں کے بارے میں ہمارے بزرگوں نے کہا ہے کہ ان کو مدرسہ میں رہنے ہی مت دو۔ یہاں آئے ہیں تو یہاں کے حقوق ادا کرو، کل اللہ کو جواب دینا ہے، وہاں کیا کریں گے؟ حدیث ہے: اَلْكَيِّسُ مَنْ دَانَ نَفْسَهُ وَعَمِلَ لِمَا بَعْدَ الْمَوْتِ: سمجھ دار اور ہوشیار وہ ہے جو اپنے نفس کو زیر کرے، قابو میں رکھے، اپنے نفس کا محاسبہ کرے اور آنے والی زندگی کے لیے اعمال کرے۔ وَالْعَاجِزُ مَنْ أَتْبَعَ نَفْسَهُ هَوَاهَا وَتَمَنَّى عَلَى اللّٰهِ: اور درماندہ اور بے وقوف ہے وہ آدمی جو اپنے آپ کو خواہشات کے پیچھے چلائے[(۱)]۔ آپ اگر اپنی خواہشات کے پیچھے چلیں گے تو یہ سمجھ داری والی بات نہیں ہے بلکہ بے وقوفی والی بات ہے۔ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

---

(۱) سنن الترمذی، عَنْ شَدَّادِ بْنِ أَوْسٍ رضی اللہ عنہ، رقم الحدیث: ۲۴۵۹.

فرماتے ہیں کہ ایسا آدمی کبھی کامیاب نہیں ہوسکتا؛ اس لیے ضرورت ہے کہ ان چیزوں کو ذہن میں رکھیں، اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ کو موقع دیا ہے، اس موقع سے فائدہ اٹھائیں۔

نماز باجماعت کا اہتمام کیجیے

سبھی طلبہ نمازوں کا اہتمام کریں، خاص کر کے اوپر کے درجوں والے۔ یہ اوپر کے طلبہ اگر اپنے آپ کو ٹھیک کریں گے تو میں گارنٹی کے ساتھ کہتا ہوں کہ نیچے والے طلبہ اسی کے مطابق چلیں گے، وہ تو انہی کو دیکھتے ہیں، انہی کے پیچھے پیچھے چلتے ہیں تو آپ ہر چیز کا اہتمام کریں گے تو یہ نیچے والے بھی آپ کو دیکھ کر اہتمام کریں گے۔ اپنے اوقات کو صحیح طریقے سے گذارنا ہے اور لغویات سے بچانا ہے۔

شیطانی گماشتوں کی سرگرمیاں

آج کل یہودیوں کی باقاعدہ سازش اور پالیسی بنی ہوئی ہے اور جن لوگوں نے دنیا کے اندر شیطانی تہذیب کو عام کرنے کا فیصلہ کرلیا ہے، وہ اس سلسلے میں لوگوں کی ذہن سازی کررہے ہیں۔ آپ دیکھیں گے کہ پورا سال کہیں نہ کہیں کوئی راؤنڈ چل رہا ہے، فلانا چل رہا ہے، فلانا کپ چل رہا ہے، اِدھر چل رہا ہے، اُدھر چل رہا ہے اور وہ بھی ''۲۴'' گھنٹے! پہلے تو ایسا ہوتا تھا کہ کھیل کے اوقات متعین ہوا کرتے تھے کہ صرف دن میں کھیلا جاتا تھا اور اب تو نہ دن کی قید ہے، نہ رات کی قید ہے اور کروڑہا کروڑ روپیہ اس پر لگاتے ہیں۔

کھیل میں افراط ملٹی نیشنل کمپنیوں کی خود غرضی کا نتیجہ ہے

ابھی ایک مضمون کرکٹ کے متعلق پڑھا جو ندائے شاہی میں بھی آیا ہے اور کراچی سے شائع ہونے والے ''البلاغ'' میں بھی آیا ہے کہ یہ ملٹی نیشنل کمپنیاں کس طرح دنیا میں ان فضولیات کو پھیلانے میں مشغول ہیں۔ ان کھیلوں کو دیکھنے کے لیے جو لوگ حاضر ہوتے ہیں اور وہاں کھانے پینے کی اشیاء استعمال کرتے ہیں تو وہاں کھانے پینے میں جو رقم استعمال ہوتی ہے، وہ ایک ملک کے بجٹ کے برابر ہوتی ہے اور پھر اس میں اپنی ساری توانائیاں خرچ ہوتی ہیں، وقت کا ضیاع ہوتا ہے۔

جنت میں بھی افسوس!

حدیث میں آتا ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جنتی جنت میں پہنچنے کے بعد اگر اس کو کسی چیز پر افسوس ہوگا تو اسے اپنی زندگی کی اس گھڑی پر افسوس ہوگا جو اللہ کی یاد سے غفلت کے اندر گذری ہو(۱)۔ جس وقت میں اللہ کو یاد نہیں کیا، بغیر ذکر کے جو گھڑی، جو وقت گذرا، اس پر افسوس ہوگا۔ آپ اندازہ لگائیے! جنت میں پہنچنے کے بعد افسوس کریں گے۔ حالاں کہ جنت کی شکل میں اب تو ایسی نعمت مل گئی کہ افسوس کرنے کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا لیکن جنت میں پہنچنے کے بعد بھی جنتیوں کو اس بات پر افسوس ہوگا کہ کاش! میں نے اپنی زندگی کے اس وقت کی قدر کی ہوتی اور اس میں اللہ کو یاد کر لیا ہوتا۔

---

(۱) شعب الإيمان، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا، فَصْلٌ فِي إِدَامَةِ ذِكْرِ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ.

تو بس یہ سمجھ! زندگانی گنوائی

اپنے اوقات کی قیمت کو سمجھنے کی ضرورت ہے۔ اگر آپ اپنے اوقات کی قدر کریں گے اور ان کی قیمت سمجھیں گے تو اللہ تبارک وتعالیٰ آپ کی قدر کروائیں گے اور اگر آپ نے اپنے اوقات کی قدر نہیں کی تو لوگ بھی آپ کے ساتھ ناقدری کا معاملہ کریں گے پھر آپ کا کوئی پرسانِ حال نہیں ہوگا؛ اس لیے ان ساری غفلتوں کو چھوڑنے کی ضرورت ہے۔

سنتوں کا اہتمام کیجیے

فجر اور ظہر کی سنتوں کی کتنی زیادہ اہمیت ہے! ہدایہ وغیرہ میں آپ نے پڑھا ہوگا: وَإِنْ طَرَدَتْكُمُ الْخَيْلُ کہ: اگر گھوڑے تم کو روند ڈالیں، تب بھی تم ان کو مت چھوڑنا[1]۔ ویسے دوسرے ائمہ کے یہاں کسی نماز کے شروع ہوجانے کے بعد کسی دوسری (سنت وغیرہ) نماز کی گنجائش نہیں رہتی لیکن ہمارے احناف کے یہاں مسئلہ یہ ہے کہ اگر فجر کی سنتیں نہیں پڑھی ہیں تو اگر جماعت ملنے کی امید ہے تو مسجد سے خارج ان کو ادا کرو[2]۔ سنتوں کے بارے میں اتنی تاکید اور ہماری طرف سے اتنی غفلت؟

کہ دن میں بھی تارے نظر آنے لگیں گے

بعضوں کو تو دیکھتا ہوں کہ وہ وضو کر کے مسجد میں آتے ہیں تو آکر کے بیٹھ

---

(۱) ہدایہ اول، ص ۲۷۔ سنن أبي داود، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضي الله عنه، باب رَكْعَتَيِ الْفَجْرِ.

(۲) وَمِنْهَا إِذَا أُقِيمَتْ الصَّلَاةُ فَإِنَّ التَّطَوُّعَ مَكْرُوهٌ إِلَّا سُنَّةَ الْفَجْرِ إِنْ لَمْ يَخَفْ فَوْتَ الْجَمَاعَةِ. (البحر الرائق شرح كنز الدقائق ۲/ ۴۹۹)

جاتے ہیں، حالاں کہ وقت ہے لیکن چوں کہ عادت نہیں ہے؛ اس لیے نہیں پڑھتے۔
اب یہاں عادت نہیں ہے تو آگے جا کر کیا ہوگا؟ یہاں سے فارغ ہو کر جائیں گے تو یہ
عوام آپ کی ایک ایک چیز پر واچ (watch) رکھیں گے کہ مولوی صاحب کیا کرتے
ہیں؟ کس طرح وضو کیا؟ مسجد میں آ کر کیا کرتے ہیں؟ جہاں آپ کی ایک سنت فوت
ہوئی تو وہ سیدھا دارالافتاء میں سوال کر کے بھیج دیں گے کہ ہمارے امام صاحب نے
سنتیں چھوڑی ہیں، ایسے امام کی امامت کا کیا حکم ہے؟ آپ جواب عنایت فرمائیں۔
یہاں تو ہماری باتوں کی طرف کوئی توجہ نہیں کی، اگر یہاں ہماری باتوں کو نہیں مانیں گے
تو اللہ تبارک وتعالیٰ جاہلوں کو آپ پر مسلط کریں گے، وہ آپ کی ایسی اصلاح
کریں گے کہ دن میں بھی تارے نظر آنے لگیں گے۔ اگر آپ کی آستین بھی ذرا ایسی
ہے تو وہ سب کے سامنے آپ کو ٹوکتے ہوئے کہیں گے کہ مولوی صاحب! آپ کی
آستین ایسی ہے! آپ کا پائجامہ اگر ٹخنوں سے ذرا سا نیچے ہے تو ساری دنیا سن رہی
ہوگی اور وہ ٹوکیں گے کہ آپ کا پائنچہ ٹخنے سے نیچے ہے۔

جذبات ہی پے اپنے نہ مجذوب شادرہ

جب آپ کے اساتذہ، آپ کے مربی محبت اور شفقت کے ساتھ آپ کی
تربیت کرتے تھے تو اس کی آپ نے ناقدری کی اور اس سے آپ نے فائدہ نہیں اٹھایا
تو دنیا میں اس کی یہ سزا ملے گی۔ اس لیے ضرورت ہے کہ ان چیزوں کا خیال رکھا
جائے، سنتوں کا اہتمام کیا جائے، جو آدمی سنتوں کا اہتمام کرتا ہے، اس کی زندگی میں

برکت ہوتی ہے۔نمازوں کا اہتمام کرو، اعمال کی درستگی کا اہتمام کرو۔آپ یہ چاہتے ہیں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ آپ سے کام لےتو خالی تمنا سے تو کچھ نہیں ہوتا۔اگر آپ کے دل میں یہ خواہش ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ آپ سے کام لے اور کون طالبِ علم ایسا ہوگا جس کے دل میں یہ خواہش نہ ہو! تو آپ ان چیزوں کا اہتمام کریں: اعمال کا اہتمام کریں، محنتوں کا اہتمام کریں، سنتوں کا اہتمام کریں۔

اپنا فریضۂ منصبی سمجھئے

طالبِ علمی کے زمانے میں آپ جتنا زیادہ ان چیزوں کا اہتمام کریں گے، اللہ تبارک وتعالیٰ فراغت کے بعد اسی مناسبت سے آپ کو نوازیں گے، اسی مناسبت سے اللہ تبارک وتعالیٰ آپ کے مراتب کو بلند فرمائیں گے اور جتنی غفلت برتیں گے، آپ کے ساتھ بھی اسی مناسبت سے غفلت برتی جائے گی، ﴿نَسُوا اللّٰهَ فَاَنْسٰهُمْ اَنْفُسَهُمْ﴾ [الحشر:۱۹]: وہ اللہ کو بھول گئے تو اللہ نے ان کو ایسی غفلت میں ڈالا کہ وہ اپنی ذات کو بھی بھول گئے۔ میں کون ہوں؟ مجھے کیا کرنا چاہیے؟ میرا فرضِ منصبی کیا ہے؟ میں یہاں کیوں آیا ہوں؟ کچھ پتہ ہی نہیں، جانوروں جیسے بن گئے ہیں، اس کی طرف توجہ کرنے کی ضرورت ہے اور اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہ موقع دیا ہے، اس سے فائدہ اٹھانا ہے۔

مہتمم اور اساتذہ آپ کے ہم درد ہیں

آپ کے مہتمم صاحب ہیں، اساتذہ ہیں اور دوسرے مربیان ہیں، وہ جب آپ کی ان چیزوں کو دیکھتے ہیں تو ان کا دل کتنا کڑھتا ہے؟ آپ کو جو یہ سزائیں دی

جاتی ہیں، وہ تو بدرجۂ مجبوری ہیں، ایک لکڑی مارنے کے بعد ان سے پوچھو کہ رات میں ان کا دل بے چین رہتا ہے کہ میں نے کیوں مارا؟ لیکن کیا کریں! دیکھتے ہیں کہ نہیں مارتے، تو بھی سُدھرتے نہیں ہیں اور دو لکڑیاں مارتے ہیں تو اس کا اثر لیتے ہیں، یہ مجبوراً کرنا پڑتا ہے اور مجبوری کے نتیجے میں بھی دل کی جو کیفیت ہوتی ہے، وہ ان سے پوچھو! کیا کریں! آپ خود بھی برباد ہو رہے ہیں، دوسروں کے لیے بھی مصیبت کا باعث بن رہے ہیں۔

طلبہ سے عہد

آپ اپنی قدر پہچانیں، اگر آپ نے اپنی قدر پہچان لی تو پھر إن شاءالله تعالیٰ دنیا بھی آپ کی قدر پہچانے گی۔ یہاں موجود سب طلبہ وعدہ کرو، سب انگلی اونچی کرو: ہم سب سنتوں کا اہتمام کریں گے، صرف نمازوں میں ماقبل اور مابعد والی سنتیں ہی نہیں بلکہ ہر چیز میں سنت کا اہتمام کریں گے۔ تکبیرِ اولی کے ساتھ نماز باجماعت کا اہتمام کریں گے، سبق کی حاضری اور اس کو یاد کرنے کا اہتمام کریں گے، تکرار اور مطالعے کا اہتمام کریں گے اور رات کو اپنے اوقات کو مجلس بازیوں میں ہرگز ہرگز ضائع نہیں کریں گے۔

مجلس بازی سے اللہ کے واسطے توبہ کرو

اس مجلس بازی سے تو ایسی توبہ کرو کہ یہاں بھی اور یہاں سے جانے کے بعد بھی اس سے اجتناب کریں گے۔ اگر آپ کو اپنی زندگی عزیز ہے اور آپ چاہتے ہیں

کہ اللہ تبارک وتعالیٰ آپ سے کچھ کام لیں تو اس مجلس بازی سے اللہ کے واسطے توبہ کرو، یہ تو آپ کو ختم کر کے رکھ دے گی، اسی نے آپ کو بگاڑا ہے: آپ کی علمی صلاحیتوں کو بھی ضائع کیا اور عمل کو بھی ضائع کیا؛ اس لیے عہد کرو کہ ہم کبھی، زندگی بھر مجلس بازی میں حصہ نہیں لیں گے۔

حضرت کا درد اور کڑھن

میں تو جب ان ساری شکایتوں کو سنتا ہوں تو بڑی تکلیف ہوتی ہے لیکن کیا کر سکتے ہیں؟ دعائیں بھی کرتے ہیں اور پھر تو یہی ہوتا ہے کہ جو کرتا ہے، اس کو بھگتنا بھی پڑتا ہے، میں تو یہ دعا بھی کرتا ہوں کہ اے اللہ! ان سے جو غفلتیں ہوئیں، ان کو معاف کر دے، ان غفلتوں کی وجہ سے آئندہ دین کی خدمت کی انجام دہی میں ان کے اوپر کوئی پابندی نہ لگے، ورنہ تو اللہ کے یہاں جس کا جیسا عمل ہوتا ہے، اس کے ساتھ ویسا معاملہ کیا جاتا ہے، محروم کر دیا جاتا ہے؛ اس لیے ان چیزوں سے خود بھی توبہ کریں، دوسروں کو بھی ٹوکتے رہیں، آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ معاہدہ کریں اور اپنے اوقات کو صحیح گذاریں۔

اللہ تبارک وتعالیٰ مجھے اور آپ کو، سب کو اس کی توفیق اور سعادت عطا فرمائے۔ (آمین)

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔

رہنمائے طلبہ (۴)

اقتباس

جیسا کہ میں نے کہا کہ اس زمانے میں آپ کے لیے سب سے بڑا ابتلاء یہ موبائل اور جدید اسبابِ مواصلات ہیں، پہلے زمانے میں یہ چیزیں نہیں تھیں، آج کل توجہ کو ہٹانے والی چیزوں کی بھرمار ہے: موبائل ہے، اخبارات ہیں، فلانا ہے۔ اب اگر آپ اس میں پڑ گئے تو یوں سمجھ لیجیے کہ آپ نے اپنے آپ کو بربادی کے راستے پر ڈال دیا۔ آپ کسی مال دار اور صاحبِ حیثیت گھرانے سے تعلق رکھتے ہیں اور خود آپ کے والدین آپ کو اجازت دیں اور اپنی طرف سے موبائل لا کر آپ کو دیں تو آپ کہہ دیجیے کہ میں اس کو استعمال نہیں کرتا، مجھے تو پڑھنا ہے اور پڑھنے والے طالبِ علم کے لیے یہ چیز مناسب نہیں ہے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

الحمد لله رب العالمين، والصلوة والسلام على سيد المرسلين، سيدنا و نبيّنا وحبيبنا وشفيعنا محمد وآله وأصحابه أجمعين.

اپنی گذرنے والی زندگی کا محاسبہ کرنے کی ضرورت

عزیز طلبہ! اس وقت جو آپ کو جمع کیا گیا ہے، اس میں اصل مقصد یہ ہے کہ ہم اپنی زندگی کا محاسبہ کریں، ہم جس طرح رہتے ہیں، ہم اپنے ''۲۴'' گھنٹوں کا محاسبہ کریں اور غور کریں کہ ان ''۲۴'' گھنٹوں میں ہم کیا کیا کرتے ہیں اور ہمیں کیا کرنا چاہیے۔ ایک تو یہ ہے کہ ہم سے مطالبہ کیا گیا ہے کہ ہمیں اس طرح رہنا چاہیے اور دوسرے نمبر پر یہ کہ ہم سے جس طرح رہنے کا مطالبہ کیا گیا ہے، کیا اس طرح ہم رہتے ہیں؟ نہیں، تو کیا کیا کوتاہیاں ہیں؟ اور ان کوتاہیوں کو دور کرنے کے لیے اور اپنی زندگی کو ٹھیک کرنے کے لیے ہم کیا کیا کوشش کر رہے ہیں؟ جو آدمی اپنی زندگی کا محاسبہ نہیں کرتا، وہ ناکام رہتا ہے۔

دینی مجلسوں میں بیٹھنے کا طریقہ شریعت کی روشنی میں

سب سے پہلے تو میں آپ کو یہ بتاؤں گا کہ ہمارے یہاں دینی مجلسوں کے اندر بیٹھنے کا طریقہ کیا ہے؟ وہ طریقہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں بتلا دیا ہے، حدیث کی کتابیں پڑھنے والے طلبہ جانتے ہیں کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نماز کی صفوں کے سلسلے میں اصول بتلا دیا: لِيَلِنِي مِنْكُمْ أُولُو الأَحْلَامِ وَالنُّهَى کہ: تم میں سے جو عقل منداور

ہوشیار ہیں، وہ مجھ سے قریب رہیں (۱)۔

اسی لیے عام ترتیب جو بتلائی گئی، وہ یہ ہے کہ پہلے مرد پھر عورتیں پھر بچے اور مردوں میں بھی وہ جو پڑھے لکھے ہیں، نماز کے مسائل سے واقف ہیں، شریعت کو زیادہ سمجھنے والے ہیں، وہ سب سے آگے رہیں گے۔

حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ کا ایک صاحب کو اگلی صف سے پیچھے ہٹانا

روایتوں میں ایک واقعہ آتا ہے کہ ایک صاحب کہتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ مسجد کے اندر اگلی صف میں نماز پڑھ رہا تھا، اتنے میں ایک صاحب آئے اور مجھے ہٹا دیا اور میری جگہ پر کھڑے ہو گئے، وہ حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ تھے (۲)۔

حضراتِ صحابہ میں حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ کا مقام

حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ کا حضراتِ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے اندر بہت بڑا مقام ہے، سید الانصار ان کا لقب ہے، قُرّاء اور فقہائے صحابہ میں ان کا شمار ہوتا ہے، حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک مرتبہ ان سے فرمایا کہ: ابیّ! اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں تمھیں سورۂ "لَمۡ یَکُنِ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا" پڑھ کر سناؤں، - بخاری شریف میں واقعہ موجود ہے- حضرت ابی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! کیا اللہ تعالیٰ نے

---

(۱) صحیح مسلم، عَنۡ عَبۡدِ اللّٰہِ بۡنِ مَسۡعُودٍ رضی اللہ عنہ، باب تَسۡوِیَةِ الصُّفُوفِ وَإِقَامَتِهَا وَفَضۡلِ الأَوَّلِ فَالأَوَّلِ مِنۡهَا وَالازۡدِحَامِ عَلَى الصَّفِّ الأَوَّلِ الخ.

(۲) السنن الکبری للنسائی، عَنۡ قَیۡسِ بۡنِ عَبَّادٍ رحمہ اللہ، بابُ مَنۡ یَلِي الإِمَامَ ثُمَّ الَّذِي یَلِیهِ.

میرا نام لے کر کہا؟ نبیٔ کریم ﷺ نے جواب دیتے ہوئے فرمایا: جی ہاں! آپ کا نام لے کر یہ حکم فرمایا، بخاری شریف میں ہے کہ یہ سن کر حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے (۱)، یہ خوشی کے آنسو تھے، ع

''ذکر میرا مجھ سے بہتر ہے کہ اس محفل میں ہے''

تو یہ مقام ہے حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ کا، بارگاہِ نبوت سے ''أقرأهم ابی'' کا تمغہ حاصل کیا ہے۔

دینی وعظ و بیان کی مجالس کے ان آداب کا طلبہ ضرور رعایت کریں

میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ ہمارے یہاں مدارس میں جب دینی مجالس ہوتی ہیں، کوئی مہمان آتا ہے، اچھے اچھے لوگ آتے ہیں، سب اپنی اپنی جگہ مشہور ہوتے ہیں، کوئی مصنف ہے، کوئی جید عالم ہے، مفتی ہے، قاری ہے۔ اس طرح کی مشہور شخصیتیں یہاں آتی ہیں اور ایسے مواقع پر آپ لوگوں کو جمع کرتے ہیں اور مقصد یہ ہوتا ہے کہ ان حضرات سے کچھ باتیں آپ کے سامنے کہلوائی جائیں تو ایسے موقعوں پر ضرورت اس بات کی ہے کہ اسی ادب کا لحاظ کیا جائے: جو بڑے طلبہ ہیں: دورے والے، مشکوۃ والے، ہدایہ والے، شرحِ وقایہ والے، ان کو خود چاہیے کہ آگے آ کر کے بیٹھ جائیں اور چھوٹوں کو پیچھے بٹھایا جائے اور چھوٹوں کو بھی چاہیے کہ آگے کی جگہ بڑوں کے لیے خالی رکھی جائے اور بڑوں کو بھی چاہیے کہ دیر سے نہ آئیں۔

---

(۱) صحيح البخاري، باب مَنَاقِبُ أُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ، رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ.

مجالسِ وعظ میں چھوٹے بچوں کو آگے کرنے کا برا اثر

وہ اپنی بڑائی میں رہتے ہیں کہ ہم پہلے کیوں جائیں اور جو چھوٹے بچے ہوتے ہیں، وہ شوق میں آگے آ کر کے بیٹھ جاتے ہیں، اب جو باتیں کہی جائیں گی، وہ ان کی سطح اور ان کے لیول سے اونچی ہیں تو قدرتی بات ہے کہ جو باتیں ان کی سطح سے اوپر کی ہوں، وہ ان کی سمجھ میں نہیں آئیں گی اور جب سمجھ میں نہیں آتیں تو وہ بچے اونگھنے لگتے ہیں اور ان کے اس عمل کا اثر بات کرنے والے پر پڑتا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے اس پر مضامین کا جو ورود ہوتا ہے، اس کا سلسلہ بھی بند ہو جاتا ہے اور وہ کماحقہٗ باتیں نہیں کہہ پاتا۔ اس لیے آئندہ قائم ہونے والی مجالس کے اندر اس کا لحاظ کریں گے اور آپ حضرات سب سے پہلے آگے آ کر بیٹھیں گے، چھوٹوں کو بھی باتیں سننی ہیں، ایسا نہیں ہے کہ آپ کی طرف کوئی توجہ نہیں کی جائے گی لیکن بات یہ ہے کہ جو باتیں کہی جائیں گی، ان کو سمجھنے کے لیے جو صلاحیت درکار ہے، وہ آپ کے اندر ابھی موجود نہیں ہے تو اگر آپ آگے بیٹھیں گے تو اس کا حق ادا نہیں کر سکیں گے اور جو سمجھ سکتے ہیں، وہ پیچھے ہیں، اب آپ سے غفلت کا صدور ہوگا تو کہنے والے کی طبیعت اور اس کے دل ودماغ پر اس کا غلط اثر پڑے گا۔

مولانا وحید الزماں کیرانوی علیہ الرحمۃ کے یہاں ان آدابِ مجالس کے اہتمام

ہمارے ایک استاذ تھے حضرت مولانا وحید الزماں کیرانوی علیہ الرحمۃ، آپ کوئی

محتاجِ تعارف نہیں، عربیت میں آپ کی مہارت مسلّم ہے اور ہمارے علماء اور طلباء ان کی لکھی ہوئی لغات سے استفادہ بھی کرتے ہیں۔ ان کے یہاں اس بات کا بڑا اہتمام ہوتا تھا کہ ان کی انجمن کا جلسہ ہوتا تھا تو بڑے طلبہ کو آگے بٹھاتے اور چھوٹوں کو پیچھے بٹھاتے اور شروع میں جگہ خالی نہیں رہنے دیتے تھے بلکہ پیچھے کی طرف خالی رکھتے: تاکہ بعد میں آنے والوں کے لیے بیٹھنے کی سہولت رہے تو یہ مجلس میں بیٹھنے کے آداب ہیں، جیسے ہر چیز کے آداب ہوتے ہیں۔

اجتماعی کھانے کا ایک اہم ادب

حضرت مولانا علیہ الرحمۃ یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ آپ دسترخوان پر بیٹھے ہوئے ہیں اور آپ کے ساتھ اس دسترخوان پر دس آدمی بیٹھے ہوئے ہیں، اب وہاں پیالے میں جو سالن ہے، اس میں دس بوٹیاں ہیں، اگر اس کو تقسیم کیا جائے تو ہر ایک کے حصے میں ایک ایک بوٹی آئے گی تو آپ اپنی پلیٹ میں اتنی ہی بوٹی اور اتنا ہی شوربہ اتاریے، دوسرا کیا کر رہا ہے، اس کو آپ نہ دیکھیے، یہاں جو رکھا گیا ہے، وہ سب کا حصہ ہے؛ اس لیے سب کا خیال کیجیے۔ ان چیزوں کو اپنی زندگی میں اتارنے کی ضرورت ہے۔ اگر ان چیزوں کو ہم اپنی زندگی میں اتاریں گے تو لوگ ہمیں عزت اور وقار کی نگاہ سے دیکھیں گے اگر یہ چیز نہ ہو تو لوگ بولتے ہیں کہ اس نے کبھی کھانا دیکھا ہی نہیں ہے کہ اس طرح اس پر ٹوٹ پڑا ہے اور ان کی نگاہ میں ہمارا وقار اور احترام باقی نہیں رہتا۔ آج ہمارا حال یہ ہے کہ ان چیزوں کا خیال نہیں کرتے اور پھر ذِلّت اٹھانی پڑتی ہے۔

انسانی زندگی کے مختلف ادوار

بہر حال! اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہمیں جو دنیا میں بھیجا ہے۔ ہماری زندگی مختلف ادوار پر مشتمل ہے: بچپن کا زمانہ ہے، اس میں وہ مدت ہے جس میں وہ ماں کا دودھ پیتا ہے پھر وہ دھیرے دھیرے چلنا سیکھتا ہے پھر سمجھ دار ہوتا ہے، کچھ سیکھنے کے قابل بنتا ہے تو تعلیم وتربیت کا زمانہ شروع ہوتا ہے۔ آپ ابھی اسی تعلیم وتربیت کے دور سے گذر رہے ہیں۔ اس دور میں مختلف درجات ہیں اور ہر درجہ کچھ سالوں پر مشتمل ہے: ابتدائی تعلیم ہے، درمیانی تعلیم ہے، اعلیٰ تعلیم ہے۔ اور پھر ہر تعلیم کے کچھ سال مخصوص ہیں۔

یہ تعلیم وتربیت کا زمانہ ہے اور اس کے بعد پھر آپ کے لیے تدریس کا اور علمی خدمت کا زمانہ شروع ہوگا اور اس میں بھی مختلف ادوار ہیں، اس طرح ہماری زندگی انتہا کو پہنچتی ہے، پھر دنیا سے رخصت ہوتے ہیں اور عالمِ برزخ میں پہنچتے ہیں پھر جب قیامت قائم ہوگی تو عالمِ آخرت کا دور شروع ہوگا، قرآن میں ہے: ﴿لَتَرْكَبُنَّ طَبَقًا عَنْ طَبَقٍ﴾ [الإنشقاق:۱۹] اس میں ان ہی ادوار کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

بعد والے دور کی کامیابی اس سے پہلے والے دور پر موقوف ہے

ہر دور میں اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے آدمی کے لیے اس دور کے مناسبِ حال اسباب اور وسائل مہیا کیے جاتے ہیں؛ تا کہ اس دور کو کماحقہ وصول کرنے اور کامیاب کرنے کے لیے آدمی کوشش کرے، یہ قدرت کا ایک نظام ہے اور پھر بعد میں آنے والے ہر دور کی کامیابی پہلے والے دور پر موقوف ہے کہ اس دور میں قدرت کی

طرف سے مہیا کیے گئے ان اسباب اور وسائل کو کس طرح استعمال کیا، ان سے کیا فائدہ اٹھایا اور ان سے اپنے اندر کیسی صلاحیتیں پیدا کیں اور اس دور سے گذر کر آدمی کو جس مقام تک پہنچنا چاہیے تو اس دور میں اس نے اپنے آپ کو کہاں تک پہنچایا۔ بعد والے دور کی کامیابی اس سے پہلے والے دور کی ان ہی چیزوں پر موقوف ہے۔

حصولِ علم کے لیے ضروری تمام وسائل طلبہ کے لیے من جانب اللہ مہیا کر دئے گئے ہیں

اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ کو جو موقع عطا فرمایا ہے کہ یہاں مدرسے میں رہ کر کے آپ علم حاصل کر رہے ہیں اور حصولِ علم کے اس زمانے میں آپ کے لیے جن اسباب اور وسائل کی ضرورت ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے وہ سب وسائل مہیا کیے گئے ہیں: مادّی اعتبار سے مادّی وسائل بھی ہیں اور معنوی اور اندرونی قُویٰ بھی یعنی جسمانی اعتبار سے جن وسائل اور اسباب کی ضرورت ہے، وہ بھی اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے دئے گئے ہیں۔

طلبہ کو مادّی وسائل سے مستغنی کر دیا گیا ہے

مادّی وسائل: یہاں آپ کے رہنے کا انتظام، یہاں آپ کے کھانے پینے کا انتظام ہے اور تعلیم کے لیے جن چیزوں کی ضرورت ہے کہ اساتذہ، کتابیں، درس گاہیں اور روشنی، پانی کا انتظام، یہ ساری چیزیں اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے مہیا کی گئی ہیں، ان چیزوں کے حصول کے پیچھے آپ حضرات کو اپنی صلاحیتیں استعمال کرنے کی

ضرورت نہیں ہے، آپ نے جب اپنے آپ کوعلم حاصل کرنے کے لیے وقف کردیا تو اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے یہ ساری چیزیں آپ کومفت میں دے دی گئیں۔

ہمارے اسلاف کے لیے یہ سہولتیں مہیا نہیں تھیں

حالاں کہ ہمارے اسلاف اور اکابر کا جو زمانہ ہے، ان کی سوانح کا جب ہم مطالعہ کرتے ہیں اور ان حضرات نے یہ ادوار کس طرح گذارے، ان حالات کو جب ہم پڑھتے ہیں تو حیرت ہوتی ہے کہ ان حضرات کے لیے یہ ساری چیزیں بنی بنائی تیار مہیا نہیں تھیں بلکہ ان کو اپنی ان ضرورتوں کی تکمیل کے لیے مستقل کوششیں کرنی پڑتی تھیں: اپنے کھانے کا انتظام خود کرنا ہے، اپنے رہنے کا انتظام خود کرنا ہے، اپنے لیے رہائش کا، روشنی کا انتظام خود کرنا ہے اور پھر یہ بھی کہ ان کے لیے اس طرح کا باقاعدہ کوئی نظام نہیں تھا، جیسا اس زمانے میں مدارس کے قیام کے دوران طلبہ کے لیے باقاعدہ ایک نظام الاوقات بنا ہوا ہوتا ہے اور ان کے اوقات کے استعمال کے لیے جو ایک منظم طریقہ اختیار کیا گیا ہے، اس زمانے میں یہ چیز بھی نہیں تھی۔

دورِ قدیم میں آج کے مدارس جیسا منظّم نصابِ تعلیم نہیں تھا

پہلے مدرسے ہی نہیں تھے بلکہ کوئی بھی صاحبِ علم، صاحبِ فن، صاحبِ کمال اس خدمت کے لیے اپنے آپ کو پیش کرتا تھا اور استفادہ کرنے والے ازخود ان کی خدمت میں حاضر ہوکر کے اس کے پاس جو کچھ ہوتا تھا، اس کو حاصل کرتے تھے۔ ایک ہی شہر میں بہت سارے اہلِ فن ہیں، بہت سارے محدثین ہیں، بہت سارے فقہاء

ہیں تو بیک وقت ان سب سے استفادہ نہیں ہو پاتا تھا، ایک محدث کی خدمت میں ایک طالبِ علم حاضر ہو کر ان کے پاس جو ذخیرۂ احادیث ہوتا، وہ ان کے حلقۂ درس میں شریک ہو کر حاصل کرتا تھا۔ ان سے جب فارغ ہو گیا تو دوسرے محدث کی خدمت میں پہنچا، پھر تیسرے محدث کی خدمت میں پہنچا۔

حصولِ علم کے لیے قریہ قریہ اور دریا دریا گھومنا

حدیث کا ذخیرہ حاصل کرنے کے بعد پھر علمِ فقہ کی طرف متوجہ ہوتے اور اس کے ماہر کی خدمت میں حاضر ہوتے، یہاں بھی پہلے ایک پھر دوسرے پھر تیسرے فقیہ کی خدمت میں حاضری دیتے۔ پھر ایک شہر سے فارغ ہو کر دوسرے شہر میں اور پھر دوسرے شہر سے فارغ ہو کر تیسرے شہر میں پہنچتے پھر ایک ملک سے فارغ ہو کر دوسرے ملک میں پہنچتے۔ ہم اہلِ علم اور اربابِ کمال کی سوانح کا جب مطالعہ کرتے ہیں تو ان کے حصولِ علم کے دور میں ہم اسفار کی کثرت پاتے ہیں اور ان کے یہ اسفار ایک بڑے خطۂ ارض پر پھیلے ہوئے پاتے ہیں۔

ہمارے اسلاف اور کثرتِ مشائخ

آپ تو یہاں آئے، فارسی اول میں داخلہ لیا اور فارغ ہو کر کے چلے گئے، بہت بہت تو یہ کہ ہمارے اکابر کے جو مراکز ہیں: سہارنپور، دیوبند، لکھنؤ وغیرہ تو وہاں ایک دو سال مزید لگائیں گے اور آپ کا معاملہ ختم ہو جائے گا۔ جب کہ وہاں ان حضرات کا حال یہ تھا کہ انھیں جگہ جگہ گھومنا پڑتا تھا۔ ہم دنیا کے نقشے کو دیکھیں تو معلوم

ہوگا کہ ان کے علمی اسفار میلوں پر مشتمل ہوا کرتے تھے، سینکڑوں میل کے سفر کر کے بے شمار شہروں اور بے شمار ملکوں اور بے شمار اربابِ کمال کے پاس جا کر کے علوم میں کمال پیدا کرتے تھے، اسی لیے ان کے جو مشیخہ ہوا کرتے تھے یعنی جن مشائخ سے انھوں نے علم حاصل کیا، ان کی فہرست کو مشیخہ کہا جاتا تھا، اس میں دو چار یا دس پندرہ نہیں بلکہ سوسو، دوسو دوسو، تین سو تین سو اساتذہ کا ذکر ہوا کرتا تھا۔

ہماری کمزوریوں پر اللہ تعالیٰ کو رحم آ گیا

بہر حال! وہ بھی ایک چیز تھی اور اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان کو بلند عزائم اور بڑی بڑی ہمتیں عطا فرمائی تھیں اور وہ اس لائق تھے تو انھوں نے یہ سب کیا۔ ہم جیسے کم ہمت، کم حوصلہ لوگوں کے لیے اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہ سب اسباب مہیا فرما دئے، ورنہ وہی شکلیں علم حاصل کرنے کی ہوتیں تو پتہ نہیں کتنے علم حاصل کرتے اور کتنے اس مقام تک پہنچتے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہماری کمزوریوں کی وجہ سے ان ساری سہولتوں کو مہیا کر دیا، یہ اس کا بڑا فضل ہے۔

خالی دعا سے تو کچھ حاصل ہونے والا نہیں ہے

تو بہر حال! آپ کا یہ حصولِ علم کا دور چل رہا ہے اور اس دور میں – جیسا کہ میں نے ابھی عرض کیا – سارے وسائل اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے آپ کے لیے مہیا کر دئے گئے ہیں۔ اب ہر طالبِ علم کی یہ خواہش ہوتی ہے، بڑوں کی دعائیں لیتے ہیں، ان سے دعا کی درخواست کرتے ہیں کہ حضرت! دعا کر دیجیے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ

علم کی خدمت کے لیے مجھے قبول فرمالے۔علمِ دین کی خدمت کے لیےقبول کروانے کی دعا تو کرواتے ہیں لیکن ظاہر ہے کہ علمِ دین کی خدمت کے لیے جو صلاحیتیں اور مجاہدات درکار ہیں اور اس کے لیے جو محنتیں کرنی ہیں، وہ تو ابھی کرنی ہیں، خالی دعا سے تو کچھ حاصل ہونے والا نہیں۔

عمل سے زندگی بنتی ہے، جنت بھی، جہنم بھی

ایک کسان کسی بزرگ کی خدمت میں جا کر دعا کروائے کہ دعا کر دیجیے کہ خوب پیداوار ہو تو اس کو اپنے مقصد میں کامیابی حاصل کرنے کے لیے بہت کچھ کرنا پڑتا ہے، اسی طرح اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ کو بھی موقع عطا فرمایا ہے۔اس مقصد کے حصول کے لیے اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ کو اندرونی وسائل بھی عطا فرمائے ہیں: دل و دماغ دئے ہیں، قوتِ حافظہ دی ہے، قوتِ فکریہ دی ہے اور اسی طرح دوسرے اعضاء دئے ہیں۔آپ اپنی ان صلاحیتوں کو استعمال کر کے اور یہ جو ظاہری اور مادّی اسباب آپ کے لیے مہیا کیے گئے ہیں، ان دونوں کے مجموعے سے آپ بہت کچھ فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔

رہے پیشِ نظر منزل، تمنا گر ہے منزل کی

اور ان سب سے فائدہ اٹھانے کے لیے ضروری ہے کہ آپ اپنی توجہ کو ایک طرف مرکوز کر دیں۔ویسے آپ پڑھیں گے کہ علم حاصل کرنے کے لیے کن کن چیزوں اور آداب کی ضرورت ہے۔آداب المتعلمین کے موضوع پر کتابیں بھی لکھی گئی ہیں اور

ان کتابوں میں بتایا گیا ہے کہ طالبِ علم کو کس طرح علم حاصل کرنا چاہیے۔ یہ بھی اللہ تبارک وتعالیٰ کا کرم ہے کہ ہمارے لیے یہ چیزیں بھی تیار کر دیں کہ آپ علم کے میدان میں آئے ہیں تو کیسے علم حاصل کریں گے؟ وہ بھی ہمارے بزرگ ہم کو بتلا گئے کہ اس کے لیے کیا کیا تدبیریں اور کیا طریقے اور کن کن چیزوں کو اختیار کرنا چاہیے، وہ سب چیزیں تفصیل کے ساتھ موجود ہیں۔ ان سب کا خلاصہ یہ ہے کہ آپ دنیا کی ساری چیزوں سے یکسو ہو کر اس میں لگ جائیں۔

کتابوں کا انبار

ہمارے زمانے میں کسی چیز کی کمی نہیں ہے، قدیم زمانے کی کتابیں بھی ایسی ایسی چھپ کر کے آ رہی ہیں کہ ہم تو دیکھتے ہیں تو حیرت زدہ رہ جاتے ہیں کہ پہلے ہماری طالب علمی کے زمانے میں ایسی کتابیں نہیں تھیں اور اب تو اتنی ہو گئیں کہ کہ نام معلوم کرنا بھی مشکل ہو گیا؛ کیوں کہ کتب خانے میں آنا جانا ہی میرا کم ہو گیا، کبھی جاتا ہوں تو دیکھتا ہوں کہ کئی کتابوں کا ایک انبار لگا ہوا ہے اور ایک حرص ہے۔ بقول علامہ ابن جوزی علیہ الرحمۃ کے کہ اگر علماء کے اندر علم کی حرص نہ ہوتی تو علم کا اتنا پھیلاؤ نہ ہوتا۔

علمی حرص اور پیاس شرعاً مطلوب ہے

ویسے حرص کوئی اچھی چیز نہیں ہے لیکن علم کے معاملے میں حرص کو پسند کیا گیا ہے، حدیث میں ہے، نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: مَنْهُومَانِ لَا يَشْبَعَانِ ، مَنْهُومٌ فِي الْعِلْمِ لَا يَشْبَعُ مِنْهُ ، وَمَنْهُومٌ فِي الدُّنْيَا لَا يَشْبَعُ مِنْهَا کہ: دو حریص، لالچی ایسے ہیں جن

کا پیٹ بھرتا نہیں: ایک تو علم کا لالچی اور دوسرا مال کا لالچی (۱)۔

حصولِ علم کی راہ میں یکسوئی سب سے زیادہ ضروری ہے

تو بہر حال! بقول علامہ ابن جوزی علیہ الرحمۃ کے کہ اگر علماء کے اندر ان چیزوں کی حرص نہ ہوتی تو علم کا اتنا پھیلاؤ نہ ہوتا۔ ایک عالم ہے، اس کو علم کے ساتھ لگاؤ ہے۔ مناسبت ہے، اس کے کتب خانے میں – میں کہتا ہوں کہ – بہت سی کتابیں ہوں گی تو بھی وہ چاہے گا کہ اور کتابیں آئیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ پڑھنے کا وقت نہیں ہے لیکن دل میں حرص موجود ہے کہ میرے پاس اور کتابیں بھی آ جاویں تو بہر حال! یہ حرص مطلوب ہے لیکن ان سب چیزوں کے لیے یکسوئی کی ضرورت ہے، یکسوئی کے ساتھ حصولِ علم کے پیچھے لگنے کی ضرورت ہے۔

دورِ حاضر میں طالبِ علم کی یکسوئی کو ختم کرنے والے بہت سے اسباب پیدا ہو گئے ہیں

ہمارے زمانے میں ان سب سہولتوں کے باوجود کچھ اسباب ایسے ہیں جو آدمی کی یکسوئی کو ختم کرنے والے ہیں۔ قدیم زمانے میں آدمی جو گھر کو چھوڑ کر حصولِ علم کے لیے جاتا تھا، دوسرے ملک میں چلا جاتا تھا تو اس کا مقصود بھی اسی یکسوئی کو حاصل کرنا ہوتا تھا لیکن اس زمانے میں نشر و اشاعت اور مواصلات کے اتنے اسباب نہیں تھے۔ آدمی اپنے گھر کو چھوڑ کر دوسرے علاقے میں چلا گیا تو اب گھر کے ساتھ اس کا تعلق ختم

(۱) شعب الإيمان، عَنْ أَنَسٍ رضي الله عنه، بَابٌ فِي الزُّهْدِ وَقِصَرِ الْأَمَلِ.

ہوگیا، بہت بہت تو ڈاک اور خطوط کے ذریعہ رابطہ ہوجاتا تھا لیکن اس زمانے میں ڈاک کا نظام آج جیسا منظم نہیں تھا بلکہ کوئی اس کے وطن کا فرد اس کے پاس سے گذرا تو اس کے ساتھ اپنے گھر خط روانہ کردیا یا اس کے گھر سے کوئی آرہا ہے یا کوئی قافلہ آرہا ہے تو اس کے ساتھ خط بھیج دیا۔ آج کل ڈاک کا جو باقاعدہ محکمہ ہر ملک میں ہوتا ہے، ویسا محکمہ اس زمانے میں نہیں ہوا کرتا تھا۔ اب تو ڈاک کا وہ محکمہ بھی موجودہ اسبابِ مواصلت کی وجہ سے معطل ہوکر کے رہ گیا ہے۔ ہمارے دور میں تو یہی ایک ذریعہ مواصلت کا ہوا کرتا تھا، اب اس زمانے میں وہ بھی ختم ہوگیا۔

حصولِ علم کے دوران یکسوئی حاصل کرنے کے لیے ہمارے اسلاف کا اہتمام

میں جو عرض کرنا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ وہ گھر اسی لیے چھوڑتے تھے کہ آدمی کو گھر رہ کر علم حاصل کرنے کے لیے جیسی یکسوئی مطلوب ہے، وہ حاصل نہیں ہوتی؛ اس لیے گھر ہی چھوڑ دو۔ اسی لیے جب ہم اپنے اکابر کے حالات اور واقعات پڑھتے ہیں کہ اگر کبھی کوئی خط ان کے پاس پہنچ بھی گیا تو وہ اس خط کو پڑھنا پسند نہیں کرتے تھے۔ ایک مٹکا رکھا ہوا ہے، اس میں خط ڈالتے تھے، دوسرا آیا، اس کو بھی اس میں ڈال دیا، پوری تعلیمی زندگی میں چند خطوط: ''۲۰''، ''۲۵'' آتے تھے، وہ سب اس مٹکے میں ڈال دیتے تھے، پڑھنے کے دوران ان کو پڑھتے نہیں تھے، وہ سمجھتے تھے کہ اگر خطوط پڑھیں گے تو گھر کے حالات سے واقفیت ہوگی اور ذہن اُدھر متوجہ ہوگا اور علم حاصل

کرنے کے لیے جو یکسوئی مطلوب ہے، وہ حاصل نہیں رہے گی اور انتشارِ ذہنی کے ساتھ علم آ سکتا نہیں ہے۔

حضرت مولانا عبدالحئی لکھنوی علیہ الرحمۃ کی یکسوئی برقرار رکھنے کے لیے ان کے والد کا انتظام

اس لیے ہمارے اکابر کے یہاں اس کی بھی کوشش ہوتی تھی کہ مطالعے کے دوران ذہن ذرا بھی اِدھر اُدھر نہ ہو۔ حضرت مولانا عبدالحئی لکھنوی علیہ الرحمۃ کہ ہماری بہت ساری درسی کتابوں پر ان کے حواشی ہیں، کچھ زیادہ عمر نہیں پائی لیکن بہت سے علمی کارنامے انجام دیئے۔ ان کے والدِ بزرگوار نے ان کی ذہنی یکسوئی کو باقی رکھنے کے لیے یہ انتظام کر رکھا تھا کہ وہ جس کمرے میں مطالعہ کرتے تھے، اس کے دو دروازے تھے اور دونوں دروازوں پر چپلیں رہتی تھیں۔ بھائی ہماری چپلیں ایک دروازے پر ہوں اور ہم بھول سے دوسرے دروازے پر پہنچ جائیں گے تو اتنا ذہن منتشر ہوگا کہ چپل کِدھر ہے؟ اس کو ڈھونڈنے اور تلاش کرنے میں وقت بھی ضائع ہوگا۔ کہنے کا مطلب یہ ہے کہ یکسوئی برقرار رکھنے کی ہر ممکن کوشش ہوتی تھی۔

حضرت مولانا عبدالحئی لکھنوی علیہ الرحمۃ کا ایک عجیب واقعہ

لکھا ہے کہ ایک مرتبہ پڑھنے کے زمانے میں مطالعے کے دوران انھیں پیاس کا احساس ہوا اور انھوں نے خادم سے پانی طلب کیا کہ پانی لاؤ! تو خادم پانی لینے گیا، والد صاحب کو معلوم ہوا کہ صاحب زادے کو مطالعے کے دوران پانی پینے کا تقاضا

محسوس ہوا ہے۔ بس! سر پیٹ کر رہ گئے کہ مطالعے میں مشغول تھے تو مطالعے کی مشغولی کے دوران پیاس کا یہ احساس کیسے ہوا؟ اس لیے کہ جب طبیعت ایک چیز کے اندر مشغول ہوتی ہے تو وہ اپنی ساری ضروریات بھول جاتی ہے۔

کاش کہ ایسی مشغولی ہمیں درس میں حاصل ہوجائے

آپ لوگ جب راتوں کو بیٹھتے ہیں، پڑھنے کے لیے نہیں، باتیں کرنے کے لیے۔ سبق کی بات نہیں کرتا، باتیں کرنے کے لیے تو پیشاب کے تقاضے کا بھی احساس نہیں ہوتا، جب وہ باتیں پوری ہوجائیں گی اور اٹھنے لگیں گے تو احساس ہوگا اور پکڑ کے دوڑے ہوئے جارہے ہیں تو اتنا پیشاب لگا تھا، پتہ ہی نہیں! کیوں کہ باتوں میں مشغولی ہی ایسی تھی۔ ایسی مشغولی اگر ہمیں درس میں حاصل ہوجائے اور اللہ کرے کہ حاصل ہوجائے تو میں سمجھتا ہوں کہ آپ کامیاب ہیں۔

عطا اسلاف کا جذبِ دروں کر

تو بہر حال! ان کے والد کے دل میں یہ خیال آیا کہ پڑھ رہے ہیں، مطالعہ کر رہے ہیں تو ان کے دل میں پیاس کا خیال آیا ہی کیوں؟ سر پیٹ لیا پھر انھوں نے خادم کو روکا اور اس سے پانی کا گلاس لے کر ارنڈ کا تیل جس کو گجراتی میں ''دیویل'' کہا جاتا ہے، وہ گلاس میں بھر کر خادم کو تھمایا کہ یہ دے آؤ۔ اب مولانا مطالعہ کر رہے ہیں، خادم وہ گلاس لے کر ان کے پاس پہنچا اور ان کو تھمادیا اور انھوں نے اس کو پی لیا، ان کو پتہ ہی نہیں چلا کہ میں نے پانی پیا یا ارنڈ کا تیل پیا!! یہ دیکھ کر والد صاحب نے اطمینان کی

سانس لی اور دل میں کہا کہ ہمارے خاندان میں علم باقی رہے گا۔ وہ چوں کہ حکیم اور طبیب بھی تھے۔ اتنا بڑا گلاس بھر کر کوئی ارنڈ کا تیل پی جائے تو اس کا کیا حال ہوگا، آپ سمجھ سکتے ہیں تو انھوں نے اس کا علاج کر لیا، تلافی کر لی۔ میں تو یہ عرض کر رہا تھا کہ یکسوئی میں خلل ڈالنے والی ایسی معمولی چیزوں کو بھی وہ گوارا نہیں کرتے تھے۔

موبائل نے طلبہ کی علمی زندگی تباہ کر کے رکھ دی ہے

ہمارے اِس زمانے میں سب کچھ ہے، اسباب اتنے سارے جمع ہیں کہ پہلے کبھی جمع نہیں تھے لیکن جو اصل مقصود ہے، وہ یکسوئی حاصل نہیں ہے۔ اب تو کیا ہو گیا؟ اسبابِ مواصلات کی بھرمار ہو گئی، موبائل کی اتنی کثرت ہے کہ ایک ایک طالبِ علم کی جیب میں ایک، دو، تین تین موبائل ہیں اور اس کے ذریعہ وہ ساری دنیا کے ساتھ رابطے میں رہتا ہے۔ موبائل کا اشتہار دینے والا کہتا ہے کہ آپ کے پاس موبائل ہے تو آپ ساری دنیا سے ربط قائم کر سکتے ہیں۔ اب جو آدمی ساری دنیا سے رابطہ رکھے گا، وہ علم کیا حاصل کرے گا، اس کو علم نہیں آئے گا؛ اس لیے کہ وہ تو اسی میں لگا رہے گا۔ اور اب تو موبائل میں اور بھی بہت کچھ آ گیا، اب تو موبائل کے ذریعہ صرف بات ہی نہیں، پتہ نہیں لوگ کیا کیا کرتے ہیں۔

طلبہ اسبابِ علم کے علاوہ ہر چیز سے بے تعلق ہو جائیں

میں تو یہ عرض کر رہا تھا کہ آپ کو جس چیز کی ضرورت ہے، اس کے علاوہ اپنے آپ کو ہر چیز سے کاٹ دیں۔ آپ تو مدرسے میں ایسے رہیں کہ گویا آپ کو دنیا کی کسی

چیز سے کوئی واسطہ نہیں ہے اور آپ دنیا کی تمام چیزوں سے بے خبر ہیں۔ دنیا میں کیا ہو رہا ہے؟ آپ کو اس کا پتہ نہیں ہونا چاہیے۔ سال پورا ہوا اور آپ گھر جائیں تو آپ کو پتہ چلے کہ یہ یہ ہوا اور دنیا میں یہ واقعات پیش آئے۔ آپ اس طرح اگر مدرسے کی زندگی گذاریں گے تو آپ کچھ علم حاصل کر کے جا سکتے ہیں۔

تمنا آبرو کی ہو اگر گلزارِ ہستی میں

اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ کو موقع دیا ہے آپ اگر یہ چاہتے ہیں اور ہر طالبِ علم یہ چاہتا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ مجھے علمِ دین کی خدمت کے لیے، اشاعت کے لیے، حفاظت کے لیے قبول فرماوے، ہر ایک کی یہ تمنا ہوتی ہے لیکن خالی تمنا سے کچھ نہیں ہوتا، اس تمنا کو وجود میں لانے کے لیے جن چیزوں کی ضرورت ہے، ان کو بھی انجام دینا پڑتا ہے؛ اس لیے یہاں رہتے ہوئے آپ کو چاہیے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی دی ہوئی اس نعمت سے فائدہ اٹھائیں۔

آپ علم کے علاوہ ہر چیز کی فکر سے آزاد کر دیا گیا ہے

یہ آپ کی زندگی کا پہلا دور ہے، اس دور میں یہاں رہ کر آپ کو محنت کرنی چاہیے اور اس کے لیے آپ کو کیا کرنا ہے! وہ بھی بنا بنایا نظام موجود ہے، آپ کو کسی تشویش میں ڈالا نہیں گیا ہے، آپ کو یہ نہیں کہا گیا کہ آپ اپنا نظام الاوقات بنائیں کہ صبح کے پہلے گھنٹے میں کس استاذ کے پاس جاؤں اور دوسرے گھنٹے میں کس کے پاس جاؤں؟ نہیں، یہ فکر بھی مدرسے والوں نے اپنے سر لے لی ہے۔

کیا ان سب کے بعد بھی طلبہ کے پاس کوئی عذر رہ جاتا ہے؟

تعلیمات کا شعبہ ہے، ناظمِ تعلیمات موجود ہیں، انھوں نے آپ کے لیے نظام الاوقات بنا دیا ہے کہ فلانی جماعت فلاں گھنٹے میں فلانے استاذ کے پاس فلانی کتاب پڑھے گی تو گویا آپ کے اوقات کا جو نظام ہے، اس کو بنانے کی زحمت بھی آپ کو نہیں دی گئی، سب کچھ بنا بنایا تیار ہے۔ کھانے کے اوقات بھی مقرر رہے، ضرورتیں پوری ہو رہی ہیں، سب کچھ تیار ہے، اب باقی کیا رہ جاتا ہے؟ اس کے بعد بھی کوئی حجت باقی ہے؟ اب ان سب کے بعد بھی کوئی علم حاصل نہ کرے اور مدرسے سے فارغ ہو کر جاوے اور اس کے دل و دماغ میں علم کی کوئی چیز نہیں ہے تو کیا اسے یہ کہنے کا حق ہے کہ مجھے اگر موقع ملتا تو میں علم حاصل کرتا؟

مہلت مانگنے والوں سے قیامت کے دن باری تعالیٰ کا سوال

جیسے روزِ قیامت لوگ اللہ تبارک وتعالیٰ سے کہیں گے: رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا غَيْرَ الَّذِيْ كُنَّا نَعْمَلُ کہ: باری تعالیٰ! ہمیں دنیا میں دوبارہ بھیج دیا جائے؛ تاکہ ہم اعمالِ صالحہ انجام دیں تو اس کے جواب میں باری تعالیٰ کی طرف سے کہا جائے گا: ﴿اَوَلَمْ نُعَمِّرْكُمْ مَّا يَتَذَكَّرُ فِيْهِ مَنْ تَذَكَّرَ وَجَاۗءَكُمُ النَّذِيْرُ﴾ [فاطر: ۳۷] کہ: کیا ہم نے تم کو اتنی عمر نہیں دی تھی کہ اگر کوئی اپنا حال درست کرنا چاہتا، نصیحت حاصل کرنا چاہتا تو کر سکتا تھا۔ حدیث میں آتا ہے کہ جس کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے ساٹھ سال کی عمر دی ہو، فَقَدْ أَعْذَرَ (۱):

---

(۱) صحیح البخاری، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ، باب مَنْ بَلَغَ سِتِّينَ سَنَةً فَقَدْ أَعْذَرَ اللهُ إِلَيْهِ فِي الْعُمُرِ.

اس کا عذر اللہ تبارک وتعالیٰ نے ختم کر دیا۔ یعنی دنیا میں رہنے کے لیے اس کو ساٹھ سال دئے، اب اگر وہ کچھ کہے گا تو باری تعالیٰ اس کے عذر کو رد کر دیں گے کہ اتنا عرصہ زندگی کا تم کو دیا تھا، تم نے کچھ کیا نہیں تو اس میں کسی کا کیا قصور ہے؟

آپ کے لیے بھی مہلت، نذیر وغیرہ کے انتظامات موجود ہیں

ویسے ہی یہاں موقع دیا گیا، سارے اسباب مہیا کیے گئے، وَجَاءَكُمُ النَّذِيْرُ بھی یہاں ہے۔ اربابِ انتظام کی طرف سے، اساتذہ کی طرف سے آپ کو بار بار آگاہ کیا جاتا ہے، تنبیہیں کی جاتی ہیں، سمجھایا جاتا ہے بلکہ اگر غفلت بڑھ جائے تو تادیب اور تعزیر کی نوبت بھی آجاتی ہے، اس کے بعد بھی اگر آپ نہ سُدھریں اور علم حاصل نہ کریں تو کیا یہاں سے جانے کے بعد آپ یہ کہنے کے قابل رہیں گے کہ ہمیں موقع ملتا تو ہم کچھ کرتے۔

حصولِ علم سے متعلق رہنمائی کرنے والی کتابوں کا مطالعہ کرتے رہیے

بہرحال! آپ کو یہاں جو موقع دیا گیا ہے، آپ اس سے بھرپور فائدہ اٹھائیں اور ان مواقع سے کس طرح فائدہ اٹھانا ہے؟ اس کی تفصیلات بھی کتابوں کے اندر دے دی گئی ہے لیکن ہمیں تو وہ کتابیں دیکھنے کی بھی فرصت نہیں ہے! اخبارات دیکھنے کی تو فرصت ہے، وہ تو روزانہ پڑھتے ہیں کہ آج فلانے فلانے ملک کے درمیان کرکٹ کا میچ ہوا اور کون جیتا، کون ہارا، کس نے کتنے رن بنائے؟ اس کے لیے آپ

کے پاس وقت ہے لیکن ''آداب المتعلمین'' کے سلسلے میں جو کتابیں لکھی گئی ہیں، ان کو دیکھنے اور پڑھنے کا آپ کے پاس وقت نہیں ہے، کتنے طلبہ ہیں جن کے پاس اس موضوع کی کتابیں ہیں؟ حالاں کہ ہر طالبِ علم کے پاس اس سے متعلق کتابیں ہونی چاہئیں اور بار بار ان کا مطالعہ بھی کرنا چاہیے؛ تاکہ یہ چیز تازہ ہو، یہ کتابیں بھی حصولِ علم کے سلسلے میں آپ کے لیے تذکیر کے درجے میں ہیں۔

گاہے گاہے باز خواں

بعض طلبہ کہتے ہیں کہ ہم نے تو اس کو پڑھ لیا۔ پڑھ تو لیا ہے، پھر بھی آپ اس کو بار بار پڑھئے، اگر بار بار پڑھیں گے تو شوق بیدار ہوگا، جیسے ایک گھوڑا اچھل تو رہا ہے، پھر بھی اس کو مہمیز لگائی جاتی ہے، کیوں؟ تاکہ وہ دوڑنے لگے، یہ کتابیں اور ان کا مطالعہ آپ کو مہمیز کا کام دیتی ہیں، آپ کا شوق اس کی وجہ سے برانگیختہ ہوگا، اس کی وجہ سے علم کی طلب کی طرف آپ کی توجہ بڑھے گی؛ اس لیے بار بار ان چیزوں کو پڑھئے۔ ایسے اکابر جنھوں نے علم حاصل کرنے کے لیے قربانیاں دیں، ان کے حالات کا بھی مطالعہ کیجیے کہ جب ان کے حالات کا مطالعہ کریں گے تو ہمارے اندر بھی شوق پیدا ہوگا۔ بہر حال! یہ طریقے اور تدبیریں ہیں، ان طریقوں اور تدبیروں کو اختیار کر کے آپ یہاں کے قیام سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔

کیا اس کا کوئی جواب ہمارے پاس ہے؟

اب سوچنے کی ضرورت ہے کہ ہم یہاں کھاتے ہیں، اپنی دوسری ضرورتیں

پوری کرتے ہیں، ہم یہاں علم حاصل کرنے کے لیے آئے ہیں اور اسی کی نسبت پر اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان سب چیزوں کا ہمارے لیے انتظام کیا ہے۔ اب کھائیں، پئیں، رہیں، سب کچھ کریں لیکن ہمارا دھیان کھیل کود کی طرف ہو، دوسری چیزوں کی طرف ہو تو کیا اللہ تبارک وتعالیٰ کے یہاں ہماری پوچھ نہیں ہوگی؟ کہ ہم نے تم کو نعمتیں کس لیے دی تھیں اور تم نے اس کا استعمال کس کام کے لیے کیا؟ تم نے ہمارے نعمتوں کو ضائع کیا، اس کا کوئی جواب ہمارے پاس ہے؟

ہم اللہ تبارک وتعالیٰ کی ایک چھوٹی سی نعمت کی قیمت بھی ادا نہیں کر سکتے

اللہ تبارک وتعالیٰ کی ایک ایک نعمت ایسی ہے کہ ہماری طاقت نہیں کہ ہم پوری زندگی بھی کوشش کر کے اس کا حق ادا کر سکیں۔ حدیث میں آتا ہے کہ قیامت کے دن جب آدمی کی پیشی ہوگی تو تین دفتر اس کے ساتھ پیش ہوں گے: ایک میں انسان کی نیکیوں کا تذکرہ ہوگا، دوسرے میں اس کے گناہوں کا تذکرہ ہوگا اور تیسرے میں اللہ تبارک تعالیٰ کی نعمتوں کا تذکرہ ہوگا، جب حساب کے لیے بندہ پیش ہوگا تو اللہ تبارک تعالیٰ کی نعمتوں میں سے سب سے چھوٹی نعمت ہے، اللہ تبارک تعالیٰ اس سے کہیں گے اس کی نیکیوں سے تم اپنا حق وصول کرلو، چنانچہ وہ نعمت آگے بڑھے گی اور ساری نیکیوں کو سمیٹ لے گی اور پھر کنارے پر کھڑے ہوا جائے گی۔ باری تعالیٰ پوچھیں گے کہ کیا ہوا تو وہ عرض کرے گی کہ میں نے اس کی ساری نیکیاں لے لیں لیکن

ابھی بھی میرا حق تو ادا نہیں ہوا، میری قیمت وصول نہیں ہوئی، ابھی باقی ہے(۱)۔ ہم اللہ تبارک وتعالیٰ کی ایک چھوٹی سی نعمت کی قیمت بھی ادا نہیں کر سکتے۔

تدریس کے دور کی کامیابی اسی دورِ طالب علمی کی کامیابی پر موقوف ہے

بہر حال! میں تو یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ کو یہ موقع عطا فرمایا ہے، اس کو غنیمت سمجھیں اور اس سے فائدہ اٹھائیں اور آپ کے یہ اساتذہ، منتظمین آپ کو بار بار تنبیہیں کرتے ہیں، آپ کو محبت سے سمجھاتے ہیں، کبھی یہ حضرات آپ کی کسی حرکت پر ناگواری کا اظہار بھی کرتے ہیں، کبھی سزا بھی دے دیتے ہیں، یہ بھی آپ کے ساتھ محبت ہی کا تقاضا ہے جس کے نتیجے میں یہ سب کچھ کیا جاتا ہے؛ اس لیے ضرورت ہے کہ یہ موقع جو اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے آپ کو دیا گیا ہے، اس سے خوب فائدہ اٹھائیں۔ اگر اس سے آپ فائدہ اٹھالیں گے اور تھوڑا بہت علم حاصل کے بعد جو دوسرا دور آئے گا یعنی یہاں سے فارغ ہو کر جانے کے بعد جو تدریس کا زمانہ آئے گا، اس میں یہ کار آمد ہوگا۔

خالی دعا سے تمنا بر نہیں آیا کرتی

اب آیا تدریس کا زمانہ، پڑھانے کا زمانہ، اس علم کو پھیلانے کا زمانہ۔ علم ہوگا تو اس کو پھیلائیں گے نا؟ کنویں میں ہوگا تو حوض میں آئے گا؟ آپ تمنائیں کرتے

---

(۱) مسند البزار، عَن أَنَس رضی اللہ عنہ، مسند أبي حمزة أنس بن مالك رضی اللہ عنہ رقم الحديث: ٦٤٦٢.

ہیں، دعائیں کرتے ہیں، کرواتے ہیں لیکن یہ نہیں سمجھتے کہ یہ سب کس پر موقوف ہے۔ یہ ہماری محنتوں پر موقوف ہے، اگر محنت کرتے رہے تو اللہ تبارک وتعالیٰ ہم سے کام لیں گے اور اگر دعائیں کرتے رہے لیکن محنت نہیں کی تو خالی دعاؤں سے کچھ حاصل ہونے والا نہیں ہے، دعا بھی ایک سبب ہے، ہاں یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ اس کی وجہ سے توفیق دے دے۔

آپ کے اساتذہ تب آپ کی سفارش کرسکتے ہیں

بہر حال! اگر آپ عالم بننے تک کے، فراغت تک کے اس دور کو اس کے حقوق کی ادائگی کے ساتھ پورا کریں گے تو اس کے بعد جو تدریس اور خدمت کا دور آئے گا، اگر آپ نے یہاں محنت کی ہے اور آپ کے اساتذہ کی نگاہ میں آپ کی وقعت ہے، قدر و قیمت ہے، اب کسی دوسرے مدرسے کا ذمہ داران سے مطالبہ کرے گا کہ ہمارے یہاں ایک اچھے مدرّس کی ضرورت ہے جو نحو اچھی پڑھا سکے، صرف اچھی پڑھا سکے، حدیث کا اچھا درس دے سکے، بچوں کو قرآن اچھی طرح سمجھا سکے۔ اگر آپ نے یہاں محنت کی ہے اور اپنی محنت کے ذریعہ اساتذہ کو متأثر کیا ہے، خوش کیا ہے تو وہ مشورہ دیں گے کہ فلاں عالم ہے جو آپ کے معیار پر پورا اتر سکتا ہے۔

دنیوی ڈگریاں حاصل کرنے والوں کے بارے میں دنیوی اصول

آج کے زمانے میں کیا ہوتا ہے؟ یہ جو مختلف ہُنر سیکھے جاتے ہیں: کمپیوٹر کا کورس کیا جاتا ہے اور دوسرے کورس کیے جاتے ہیں تو بچے جب اس کورس کے آخری

دور میں ہوتے ہیں تو بڑی بڑی کمپنیاں اس کے ساتھ معاہدہ کرلیتی ہیں، حالاں کہ ابھی تو اس کی تعلیم کا زمانہ پورا بھی نہیں ہوا ہے، ابھی تو آٹھ، نو مہینے باقی ہیں، آخری امتحان بھی باقی ہے لیکن اب تک اس نے جس محنت سے پڑھا ہے، اس کی اس پچھلی کارکردگی کو دیکھ کر کے وہ جس ادارے میں پڑھ رہا ہے، جن اساتذہ کے پاس پڑھ رہا ہے، ان سے معلومات حاصل کر کے بڑی بڑی کمپنیاں آکر کے ان کے ساتھ معاہدہ کرلیتی ہیں اور ان کی تنخواہ بھی طے کردیتی ہیں کہ ''۲۵'' ہزار، ''۳۰'' ہزار آپ کی ماہانہ تنخواہ ہوگی۔

خلوصِ دل سے محنت کر، خود اپنے ہی بھروسے جی

ہمیں تو ان ''۲۵'' ہزار، ''۳۰'' ہزار کی ضرورت نہیں ہے، میں تو یہ بتلانا چاہتا ہوں کہ اگر آپ یہاں محنت سے پڑھیں گے تو اللہ تبارک وتعالیٰ آپ کی محنت کو ضائع نہیں کریں گے، جو جیسی محنت کرتا ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے اس کو انعام بھی ویسا ہی دیا جاتا ہے۔ انھوں نے دنیا کے لیے محنت کی تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے انھیں دنیوی پھل دیا، آپ دین کے لیے محنت کریں گے تو آپ کو اس کے مطابق نتیجہ حاصل ہوگا۔ کہنے کا حاصل یہ ہے کہ اگر آپ یہاں محنت سے علم حاصل کریں گے تو آئندہ دور میں اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے آپ کو خدمتِ دین کا موقع دیا جائے گا۔

اگر ہیں آپ مخلص اپنے اقرارِ محبت میں

پھر تدریس کا یہ دور بھی مختلف ادوار پر منقسم ہے، یہ نہیں کہ پہلے ہی مرحلے میں آپ کو بخاری شریف کی تدریس دے دی جائے بلکہ آپ کی استعداد اور صلاحیت کو

دیکھ کر اللہ تبارک وتعالیٰ آپ کے لیے ایسی جگہ کا انتخاب کریں گے جہاں آپ ابتدائی کتابوں کا درس شروع کرسکیں۔ تدریس کے اس دور میں بھی آدمی کی ترقی قدردانی پر موقوف ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ کو موقع دیا کہ آپ نحو پڑھائیں، صرف پڑھائیں، میزان ومنشعب پڑھائیں، آپ اگر اس کو کماحقہ پڑھاتے ہیں تو آپ کی اس پڑھائی کی مہک پھیلے گی اس فضا میں جہاں آپ کام کرتے ہیں، یہ کمال ہے، کمال خود لوگوں کو قائل کرتا ہے، اس کے لیے ہمیں کوئی محنت کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی، ؎

مشک آن است کہ خود ببوید		نہ آں کہ عطار بگوید

مشک وہ ہے کہ خود اس کی خوشبو کو لوگ محسوس کرتے ہیں، عطار جس کو کہے کہ یہ بڑا اچھا مشک ہے پھر بھی اس کی خوشبو محسوس نہیں ہوتی تو اس میں کیا کمال ہے؟

طلب خود کر لیے جائیں گے دربارِ محبت میں

تو بہر حال! جب آپ درس وتدریس کا سلسلہ شروع کریں گے تو وہاں بھی محنت کے ساتھ کام کرنا ہے۔ بعض حضرات کہتے ہیں کہ منتظمین ہمارے ساتھ اچھا سلوک نہیں کرتے، ارے بھائی! اگر آپ محنت کے ساتھ ان خدمات کو انجام دیں گے جو آپ کے حوالے کی گئی ہیں تو جھک مار کے انھیں آپ کو ترقی دینی پڑے گی۔ آپ محنت سے کتابیں پڑھا رہے ہیں، طلبہ آپ کی پڑھائی سے مطمئن اور منشرح ہیں تو طلبہ کے اندر آپ کی جو مقبولیت ہے، آپ سے طلبہ کو جو فائدہ پہنچ رہا ہے تو یہ چیز منتظمین کو مجبور کرے گی کہ آپ کو آگے بڑھائیں۔

ہجومِ بُلبُل ہوا چمن میں، کیا جو گُل نے جمال پیدا

حقیقت تو یہ ہے کہ کمال جو ہے وہ لوگوں کو قائل کرتا ہے، اگر آپ محنت کریں گے تو کب تک چشم پوشی سے کام لیں گے، کب تک صرفِ نظر کریں گے؟ صرفِ نظر کا یہ زمانہ زیادہ چلنے والا نہیں ہے، وہ تو خود ختم ہو جائے گا۔ اکبر الٰہ آبادی کا شعر ہے:

ہجومِ بُلبُل ہوا چمن میں، کیا جو گُل نے جمال پیدا
کمی نہیں قدرداں کی اکبر کرے تو کوئی کمال پیدا

مردِ بے حوصلہ کرتا ہے زمانے کا گِلہ

کمال پیدا کریں گے تو قدردان بھی پیدا ہوں گے۔ ہمارے طلبہ آپس میں گفتگو کرتے ہیں کہ ہم مولویوں کو کون پوچھتا ہے؟ یہ نفس کا دھوکہ ہے، نفس نے ایسا دھوکے میں ڈال رکھا ہے کہ محنت کرنی نہیں ہے، اپنی اس سستی، کاہلی اور اس کم ہمتی کو چھپانے کے لیے زبان سے ایسی باتیں نکالتے ہیں۔ اگر کوئی قدر کرے نہ کرے، اللہ تبارک وتعالیٰ کے یہاں تو آپ کی قدر ہے۔

ہمت کرے انسان تو کیا ہو نہیں سکتا؟

بہر حال! میں تو یہ عرض کر رہا تھا کہ بعد میں آنے والا یہ دور بھی مختلف حصوں پر منقسم ہوتا ہے اور اس دور میں بھی ہم آگے اس وقت بڑھیں گے، جب ہم محنت سے کام کریں گے اور ابتدائی کتابیں محنت سے پڑھائیں گے تو ترقی ملے گی اور پڑھاتے پڑھاتے بخاری شریف کی تدریس تک پہنچیں گے لیکن اس میں بھی بخاری کی تدریس

کوئی انتہا نہیں ہے۔اس کی ان دینی خدمات کی وجہ سے اوراخلاص اور للّٰہیت کی وجہ سے اللہ تبارک وتعالیٰ پورے عالم میں اس کی مقبولیت رکھ دیں گے اور ایک جہاں کو اس سے فائدہ پہنچائیں گے۔ یہ دور بھی اس وقت آئے گا، جب یہاں محنت کی جائے گی۔ اسی طرح آدمی اپنی زندگی گذارتے گذارتے جب موت تک پہنچے گا تو اللہ تبارک وتعالیٰ کے یہاں موت کے بعد وہ مرتبہ حاصل ہوگا جو اس کو اس کی محنت پر ملنے والا تھا، ورنہ کچھ بھی نہیں۔

کار دنیا ہووے یا ہووے کارِ دیں، محنت ہے شرط

بہر حال! میں یہ عرض کررہا تھا کہ آپ کو یہاں اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے جو موقع دیا گیا ہے، اس سے خوب فائدہ اٹھائیں، یہ حضراتِ مدرسین کے لیے بھی مفید ہے، جیسا کہ میں نے عرض کیا کہ ہر ایک جو محنت کرے گا تو اس کی محنت کا ثمرہ اس کو حاصل ہونے والا ہی ہے، کسی کی کوئی محنت ضائع نہیں ہوتی، ﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ﴾ [التوبة: ۱۲۰] : جو نیکوکار ہیں یعنی جو لوگ اچھی لائن میں محنت کرتے ہیں، اللہ تبارک وتعالیٰ ان کی محنت کو ضائع نہیں کرتے بلکہ ہم تو دنیا میں دیکھ رہے ہیں کہ جو لوگ غلط لائن میں محنت کرتے ہیں تو دنیوی اعتبار سے ان کی محنت بھی ضائع نہیں ہوتی بلکہ اس سے دنیوی فائدہ ان کو حاصل ہوتا ہے۔ایک ناچنے والی عورت رقص اور ناچنے میں محنت کرتی ہے تو ایک رقّاصہ اور ناچنے والی عورت کو جا کر کے پوچھنا چاہیے کہ اس کو اس کی اس محنت کا کیا ثمرہ ملتا ہے۔

لِكُلِّ سَاقِطَةٍ لَاقِطَةٌ

بہر حال! لِكُلِّ سَاقِطَةٍ لَاقِطَةٌ: ہر گری پڑی چیز کا کوئی اٹھانے والا ہوتا ہے۔ آپ کریکٹروں کو بھی دیکھتے ہیں جن کے تذکروں سے آپ کی مجلسیں رونق پاتی ہیں اور ان کا تصور آپ کے دل و دماغ پر چھایا رہتا ہے تو اس کو جا کر ذرا پوچھو کہ یہ مقام حاصل کرنے کے لیے کتنی محنتیں کیں اور کتنی قربانیاں دی ہیں۔ وہ کتنی اور کون سی غذا استعمال کرے گا، صبح کتنی اور کون سی ورزش کرے گا، کتنی دیر سوئے گا، کتنی دیر پریکٹس کرے گا، باقاعدہ ڈاکٹرز اس کے اوپر لگے ہوئے ہیں، اس کرکٹر کا جی چاہے یا نہ چاہے، اس کو یہ سب کچھ کرنا پڑتا ہے، اگر ان چیزوں کی پابندی نہیں کرے گا تو اس کو اٹھا کر پھینک دیا جائے گا۔ آپ جن کو لے کر پھرتے ہیں نا، ذرا ان کے حالات بھی تو پڑھو۔

جہاں دیکھئے، فیض اسی کا ہے جاری

بہر حال! کوئی چیز بغیر محنت کے حاصل نہیں ہوتی، چاہے وہ دنیا کی چیز ہو یا آخرت کی، اچھی ہو یا بری ہو۔ بری چیزوں پر بھی محنت کرنے والے محنت کرتے ہیں اور اللہ تبارک وتعالیٰ کے یہاں دستور ہے: أَنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِي بِي [1] بندہ اللہ تبارک وتعالیٰ سے جو کچھ چاہے گا، اس کو وہ دے گا۔ اگر کوئی اچھی لائن میں محنت کرے گا تو اللہ تبارک وتعالیٰ اس کو وہاں ترقی دیں گے اور اگر کوئی غلط اور بری لائن میں محنت کرے گا تو چاہے اس کا انجام آخرت کے اعتبار سے برا ہو لیکن دنیا میں تو اس کو اس کی محنت کا

(۱) صحيح البخاری، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، بَابُ قَوْلِ اللهِ تَعَالَى: {وَيُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهُ}.

فائدہ پہنچائیں گے۔

اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ صلاحیتوں سے بھرپور فائدہ اٹھایئے

بہر حال! میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ کو جو یہ موقع دیا ہے، اس سے فائدہ اٹھایئے اور اپنی صلاحیتوں سے جتنا زیادہ فائدہ اٹھا سکتے ہیں: دل و دماغ کو، قوتِ حافظہ کو، بولنے، دیکھنے اور سننے کی صلاحیتوں کو خوب استعمال کیجیے، جو تقریر میں محنت کرتے ہیں، وہ مقرر بنتے ہیں، جیسی جیسی محنت کرتے ہیں، ویسا ثمرہ حاصل ہوتا ہے۔ یہ محنت کرنے کا زمانہ ہے۔ اب یہاں آپ محنت کرنے کے بجائے سستی اور کاہلی کا مظاہرہ کریں اور محنت سے جی چرائیں تو یہ سمجھ لیجیے کہ آنے والے زمانے میں اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے آپ کے لیے کوئی راستہ نہیں ہے، آپ نے خود ہی اپنے لیے آگے کے دروازوں کو بند کرلیا ہے۔ آگے کے دروازے تب ہی کھلیں گے، جب یہاں سے کچھ لے کر کے جائیں گے۔

موبائل اور جدید اسبابِ مواصلات

طلبِ علم کی راہ کی سب سے بڑی رکاوٹیں ہیں

جیسا کہ میں نے کہا کہ اس زمانے میں آپ کے لیے سب سے بڑا ابتلاء یہ موبائل اور جدید اسبابِ مواصلات ہیں، پہلے زمانے میں یہ چیزیں نہیں تھیں، آج کل توجہ کو ہٹانے والی چیزوں کی بھرمار ہے: موبائل ہے، اخبارات ہیں، فلانا ہے۔ اب اگر آپ اس میں پڑ گئے تو یوں سمجھ لیجیے کہ آپ نے اپنے آپ کو بربادی کے راستے پر

ڈال دیا۔ آپ کسی مال دار اور صاحبِ حیثیت گھرانے سے تعلق رکھتے ہیں اور خود آپ کے والدین آپ کو اجازت دیں اور اپنی طرف سے موبائل لا کر آپ کو دیں تو آپ کہہ دیجیے کہ میں اس کو استعمال نہیں کرتا، مجھے تو پڑھنا ہے اور پڑھنے والے طالبِ علم کے لیے یہ چیز مناسب نہیں ہے۔

ابھی ان چیزوں کے استعمال کا وقت آپ کے حق میں آیا نہیں ہے

اور بات صرف موبائل ہی کی نہیں لیکن آج کل چوں کہ ساری خرابیاں اس ایک موبائل کے اندر موجود ہیں، اب وہ صرف بات کرنے کا آلہ نہیں رہا، پتہ نہیں اس میں کیا کیا دین خراب کرنے والی چیزیں ڈال دی گئی ہیں۔ ہاں اتنا ہے کہ ہم جیسے پرانے لوگوں کی سمجھ میں نہیں آتا، اگرچہ بات کرنے کے لیے ہم بھی استعمال کرتے ہیں۔ یہ تو آپ ہی اس کے اندر کے مندرجات کو ہم سے زیادہ جانتے ہیں، میں کہا کرتا ہوں کہ آج کل کے یہ جتنے آلات ہیں، جتنا چھوٹا بچہ ہوگا، ان کے استعمال سے وہ اتنا ہی زیادہ واقف ہوگا، اور جتنا بڑا ہوگا اتنا ہی زیادہ ناواقف ہوگا۔ ان چیزوں کے فوائد بھی ہیں لیکن ابھی انھیں استعمال کرنے کا آپ کے حق میں وقت نہیں آیا ہے۔

حاصل کسی کامل سے یہ پوشیدہ ہنر کر

کوئی بھی چیز اپنے بڑوں کے مشورے، ان کی نگرانی کے ماتحت حاصل کی جاتی ہے، اگر آپ کو کمپیوٹر سیکھنا ہے تو آپ کے جو بڑے اور مربی ہیں، ان کے مشورے سے آگے بڑھیں گے۔ جو چیزیں سیکھنی ضروری ہیں تو ان کو تو سیکھنا ہی ہے

لیکن ان میں بھی خودرائی سے کام نہیں لینا ہے بلکہ اپنی رائے اوراپنے مزاج کواپنے بڑوں کے تابع بنانا ہے۔ اگر آپ خودکواپنے بڑوں کا تابع بنائیں گےتو یہ بھاری تو معلوم ہوگا، آپ کی طبیعت اس کوگوارانہیں کرے گی اور یوں کہے گی کہ یہ کیا مولوی صاحب تو ہم پر پابندیاں ہی لگاتے رہتے ہیں، دباؤ ڈالتے رہتے ہیں، یہ کرنے کو کہتے ہیں اوروہ کرنے کونا کہتے ہیں لیکن آپ اپنی طبیعت کوقابو میں رکھئے اور بڑوں کی ماتحتی میں کام کیجیے، جتنا زیادہ اپنے آپ کوان کا تابع بنائیں گے، اتنا ہی زیادہ اللہ تبارک وتعالیٰ آپ کوترقی سے نوازیں گے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ ہم سب کواس کی توفیق عطا فرمائے۔(آمین)

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔

رہنمائے طلبہ (۵)

اقتباس

آپ یہاں آئے ہیں، علم حاصل کررہے ہیں، اگر آگے چل کر آپ کی ذات سے کوئی فائدہ پہنچے گا۔ ابھی آپ کے ماں باپ، آپ کے اعزہ، آپ کے بھائی جو آپ کو ہاتھوں پر لیے پھرتے ہیں؛ اس لیے کہ آئندہ کے لیے آپ سے امیدیں بندھی ہوئی ہیں، توقعات قائم ہیں اوران توقعات کو پورا کرنے کے آپ قابل بن جائیں؛ اسی لیے آپ کے ساتھ حسنِ سلوک کرتے ہیں اورآپ کو ہاتھ میں لیے لیے پھرتے ہیں کہ آپ پڑھیں گے اورآئندہ جاکر آپ ان کے لیے نیک نامی کا اوران کے لیے خیر کا باعث بنیں گے لیکن اگر آپ نے یہاں علم حاصل نہیں کیا اوراپنے آپ کو اس قابل نہیں بنایا کہ آپ کی ذات سے آپ کے ماں باپ کو، آپ کے کنبے کو، آپ کی کمیونٹی کو، آپ کے سماج کو اورمسلمانوں کو فائدہ پہنچے تو پھر آپ اپنے سماج میں ایک بے قیمت چیز بن کر رہ جائیں گے کسی کے دل میں آپ کے لیے کوئی وقعت نہیں رہے گی، آپ کہاں گئے، کہاں سے آئے، کیا کررہے ہیں، کسی کو اس کی پروا بھی نہیں ہوگی۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

الحمد لله نحمده ونستعينه ونستغفره ونؤمن به ونتوكل عليه ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا، ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا، ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا، من يهده الله فلا مضل له، ومن يضلله فلا هادي له، ونشهد أن لا إله إلا الله وحده لا شريك له ونشهد أن سيدنا ومولانا محمدا عبده ورسوله، أرسله إلى كافّة الناس بشيرا ونذيرا، وداعيا إلى اللّٰه بإذنه وسراجا منيرا، صلى اللّٰه تعالىٰ عليه وعلى آله وأصحابه وبارك وسلّم تسليما كثيرا كثيرا، أما بعد:

فَاَعُوۡذُ بِاللهِ مِنَ الشَّیۡطٰنِ الرَّجِیۡمِ بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ: ﴿فَاَمَّا الزَّبَدُ فَیَذۡهَبُ جُفَآءً وَاَمَّا مَا یَنۡفَعُ النَّاسَ فَیَمۡكُثُ فِی الۡاَرۡضِ﴾ [الرعد:۱۷]

ایک قدرتی قانون

عزیز طلبہ! آیتِ کریمہ کے اس ٹکڑے میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے قدرت کا ایک اصول بتایا ہے کہ جو چیز لوگوں کے لیے نفع بخش ہوتی ہے، جس چیز سے لوگوں کو فائدہ پہنچتا ہے، وہ تو باقی رہتی ہے اور جو چیز بے فائدہ ہوتی ہے، جس سے کسی کو کوئی نفع نہیں پہنچتا، وہ ختم ہو جاتی ہے، دنیا کا دستور یہی ہے، قدرت کا قانون یہی ہے کہ جو ’’انفع‘‘ ہوتا ہے، وہ باقی رہتا ہے اور اس کی قدر و قیمت بھی ہوتی ہے۔

غیر نافع چیز کے لیے انسان کے پاس کوئی جگہ نہیں ہوتی

ایک کپڑا ہے، کوئی آدمی اس کو بڑی قیمت دے کر کہ: ایک مٹر کی قیمت ایک ہزار کے حساب سے دے کر کے کرتہ بنانے کے واسطے لایا اور درزی کو اس کی بڑی اجرت دے کر کے بنوایا۔ اب وہ اس کو استعمال کر رہا ہے اور استعمال کرتے کرتے جب وہ بوسیدہ ہو جائے گا اور اس قابل نہیں رہے گا کہ اس سے فائدہ اٹھایا جائے تو وہی آدمی جو اس کی اتنی بڑی قیمت دے کر لایا تھا، اس کو پھینک دے گا، وہ یہ نہیں سوچے گا کہ میں نے تو اس کو حاصل کرنے کے لیے اتنا پیسہ خرچ کیا ہے تو وہ بھلے ہی کام نہیں آتا پھر بھی میں اس کو حفاظت سے رکھ لوں۔ نہیں، اس کے پاس اب اس کرتے کو رکھنے کے لیے جگہ نہیں۔

ضعیف ہونے کے بعد باپ بھی بچوں کو بار محسوس ہوتا ہے

ایک آدمی نے بڑی محنت کر کے بڑی مشقت اٹھا کر کے کوئی کاروبار جمایا، اس سے بڑی آمدنی ہو رہی ہے۔ اب اولاد آئی، باپ کے بعد اولاد نے اس کاروبار کو سنبھالا، باپ اپنی عمرِ طبعی کو پہنچ گیا، اب اس کی صلاحیتیں اس کاروبار کو آگے بڑھانے میں کام نہیں دے رہی ہیں تو وہی باپ جس نے اس کاروبار کو جمایا تھا اور آج اس کے بچے اس کاروبار کو سنبھال رہے ہیں اور اس سے فائدہ اٹھا رہے ہیں لیکن اب باپ میں وہ صلاحیتیں نہیں رہیں جن سے اس کاروبار کو فائدہ پہنچے تو اب بچوں کی نگاہ میں بھی باپ کی وہ قدر و قیمت نہیں رہے گی جو پہلے تھی بلکہ باپ جوں جوں بڈھا ہوتا جائے گا، بچے

دل ہی دل میں دعا کریں گے: یا اللہ! اب عافیت کے ساتھ ابّا جان کو اٹھا لے تو اچھا ہے۔ حالاں کہ یہ سارا کاروبار باپ نے جمایا ہے۔

کسی کی موت پر رونے میں بھی اغراض مضمر ہوتی ہیں

کسی کا جب انتقال ہوتا ہے تو حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری طیب صاحب نور اللہ مرقدہ فرماتے ہیں کہ جب کسی کے انتقال پر لوگ روتے ہیں، وہ مرنے والے کی موت پر نہیں روتے، وہ تو اپنے منافع اور فوائد جو مرنے والے سے جُڑے ہوئے تھے، ان کے فوت ہونے اور ہاتھ سے نکل جانے پر روتے ہیں؛ اس لیے جوانی کی موت پر لوگ زیادہ روتے ہیں، کیوں؟ اس لیے کہ اس سے بڑی امیدیں قائم کی گئی تھیں کہ اس سے یہ فائدہ ہوگا، وہ فائدہ پہنچے گا۔ باپ بھی اس عمر میں ہو کہ کاروبار خود سنبھال رہا ہے اور اچانک انتقال ہو جائے، ہارٹ فیل ہو جائے، قلب کا دورہ پڑ جائے تو لوگ خوب روئیں گے۔ کیوں؟ اس لیے کہ یہ جو اس سے فائدہ پہنچ رہا تھا، اچانک چھین گیا اور اگر بڑھاپے کی عمر کو پہنچ کر اس کو موت آوے تو اس کی موت پر اتنا زیادہ روتے نہیں ہیں، تھوڑا بہت بھی جو روتے ہیں، وہ لوگوں کو دِکھانے کے لیے کہ لوگ یوں کہیں گے کہ ابّا کا انتقال ہو گیا اور ایک آنسو بھی آنکھ سے نہیں نکلا۔

آج کے دورِ علم و ہنر میں مہر و وفا کا نام نہ لے

تو بہر حال! میں تو یہ عرض کرنا چاہتا تھا کہ دنیا کا دستور یہی ہے کہ جب کسی سے کوئی فائدہ پہنچتا ہے تو لوگ ان سے جُڑتے ہیں، اس سے امیدیں قائم کرتے ہیں،

ان کی نگاہوں میں اس کی قدر و قیمت ہوتی ہے اور اگر فائدہ نہیں پہنچ رہا ہے تو بیٹا بھی اگر ہے۔ بیٹوں میں بھی آپ نے دیکھا ہوگا کہ جو بیٹا کما کر باپ کو دیتا ہے، اس کی خدمت کرتا ہے، اس کی قدر و قیمت باپ کی نگاہوں میں اس بیٹے سے جو کچھ کماتا نہیں ہے، زیادہ ہوا کرتی ہے بلکہ وہ جو نہیں کماتا، اس کے ساتھ باپ بات چیت کرنے کے لیے بھی تیار نہیں تو دنیا کا یہی دستور ہے۔ یہ دنیا تو غرض کے ساتھ لگی ہوئی ہے۔

لوگ آپ کو ہاتھوں ہاتھ کیوں لیے پھرتے ہیں؟

آپ یہاں آئے ہیں، علم حاصل کر رہے ہیں، اگر آگے چل کر آپ کی ذات سے کوئی فائدہ پہنچے گا۔ ابھی آپ کے ماں باپ، آپ کے اعزہ، آپ کے بھائی جو آپ کو ہاتھوں پر لیے پھرتے ہیں؛ اس لیے کہ آئندہ کے لیے آپ سے امیدیں بندھی ہوئی ہیں، توقعات قائم ہیں اور ان توقعات کو پورا کرنے کے آپ قابل بن جائیں؛ اسی لیے آپ کے ساتھ حسنِ سلوک کرتے ہیں اور آپ کو ہاتھ میں لیے لیے پھرتے ہیں کہ آپ پڑھیں گے اور آئندہ جا کر آپ ان کے لیے نیک نامی کا اور ان کے لیے خیر کا باعث بنیں گے لیکن اگر آپ نے یہاں علم حاصل نہیں کیا اور اپنے آپ کو اس قابل نہیں بنایا کہ آپ کی ذات سے آپ کے ماں باپ کو، آپ کے کنبے کو، آپ کی کمیونٹی کو، آپ کے سماج کو اور مسلمانوں کو فائدہ پہنچے تو پھر آپ اپنے سماج میں ایک بے قیمت چیز بن کر رہ جائیں گے کسی کے دل میں آپ کے لیے کوئی وقعت نہیں رہے گی، آپ کہاں گئے، کہاں سے آئے، کیا کر رہے ہیں، کسی کو اس کی پروا بھی نہیں ہوگی۔

آپ کی ذات سے قوم نے بہت سی امیدیں وابستہ کر رکھی ہیں

بہرحال! میں یہ عرض کر رہا تھا کہ یہاں آپ کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے ایک موقع دیا ہے اور یہ موقع اس لیے دیا گیا ہے کہ آپ اپنی علمی اور عملی صلاحیتوں کو اجاگر کریں اور خوب علم حاصل کریں، عملی اعتبار سے بھی آپ خود کو بھرپور شخصیت بنالیں اور جب آپ یہاں سے فارغ ہو کر جائیں تو اس قابل ہوں کہ امت کو فائدہ پہنچا سکیں، اپنے علم سے، عمل سے، اپنی صلاحیتوں سے لوگوں کو، اپنوں کو، پرایوں کو، رشتہ داروں کو، اجنبیوں کو، سب کو خوب فائدہ پہنچے؛ اس لیے آپ کو یہاں بھیجا گیا ہے، اور یہ توقعات آپ کی ذات سے وابستہ ہیں؛ اس لیے آپ کی ضرورتیں پوری کی جارہی ہیں۔ اس وقت آپ جو مطالبہ پیش کریں گے کہ مجھے اس طرح کا کپڑا چاہیے تو ماں باپ کی حیثیت نہیں ہے تو بھی محنت ومشقت اٹھا کر، کہیں سے قرض لے کر، کسی سے عاجزی سے سوال کر کے آپ کا یہ مطالبہ پورا کردیں گے کہ میرا بیٹا پڑھ رہا ہے، وہ پڑھ لے اور اچھی طرح علم حاصل کرلے۔

آپ قوم کی امیدوں پر پورا اترنے کی بھرپور کوشش کیجیے

یہ سب کچھ اسی لیے ہو رہا ہے کہ آپ آگے جا کر اپنے علم سے فائدہ پہنچائیں۔ ویسے ان کو بھی فائدہ پہنچے گا اور آپ کو بھی فائدہ پہنچے گا۔ پہلا فائدہ تو آپ کو پہنچے گا اور ان کو بھی جو آپ کی ذات سے فائدہ پہنچے گا، وہ بھی آپ کے لیے نامۂ اعمال میں ذخیرہ بنے گا، آپ کے لیے ثواب کا ذریعہ بنے گا۔ یہ اساتذہ، یہ منتظمین جو آپ کی طرف

توجہ کر رہے ہیں، وہ ان ہی توقعات کو لے کر توجہ کر رہے ہیں کہ آپ یہاں رہ کر اچھی طرح پڑھ لیں گے اور علم حاصل کرلیں گے اور یہاں سے فارغ ہو کر جانے کے بعد دین کی اور ملت کی خوب خدمات کریں گے تو ان اساتذہ کے لیے، منتظمین کے لیے، مدرسے کے لیے نیک نامی کا باعث ہوں گے۔

موت اس کی ہے، کرے جس پر زمانہ افسوس

شیخ سعدی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

یاد داری کہ وقتِ زادنِ تو		ہمہ خنداں بودند وتو گریاں

کہ تجھے معلوم ہے کہ جس وقت تم پیدا ہوئے تھے، سب ہنس رہے تھے اور تم رہے تھے، یہ سب کا ہنسنا اور سب کی خوشی جو تھی، وہ توقعات پر تھی کہ آپ پیدا ہوئے ہیں تو اب آپ ہمارے لیے کام کی چیز بنیں گے، یوں ہوگا، یہ فائدہ پہنچے گا؛ اس لیے وہ سب خوشیاں منا رہے تھے۔ اب آپ کو زندگی کس طرح گذارنی ہے؟ شیخ سعدی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: آں چناں زی کہ وقتِ مردنِ تو ہمہ گریاں بودند وتو خنداں: ایسی زندگی گذارا اور اپنی ذات سے لوگوں کو اس طرح فائدہ پہنچاؤ کہ جب تم دنیا سے جا رہے ہو تو تم ہنس رہے ہو اور لوگ رو رہے ہوں کہ ہمارا فائدہ چھین گیا۔

واقعی جینا ان ہی کا جینا ہے بھلا دنیا میں

تو بہر حال! یہ قدرت کا اور فطرت کا قانون ہے کہ جو ''أنفع'' ہوتا ہے اور جو ''أصلح'' ہوتا ہے، وہ باقی رہتا ہے اور اسی کی قدر و قیمت ہوا کرتی ہے۔ ابھی جو آپ

کی قدر و قیمت ہے، وہ محض توقعات پر ہے اور فارغ ہونے کے بعد جب آپ اپنی علمی اور عملی صلاحیتوں کو پختہ بنا کر کے اس قابل بن جائیں گے کہ آپ کی ذات سے لوگوں کو خوب فائدہ پہنچے تو اس وقت آپ کی جو قدر و قیمت ہوگی، وہ حقیقی قدر و قیمت ہوگی، وہ توقعات پر نہیں بلکہ آپ سے پہنچنے والے فائدے پر ہوگی۔ اب جوں جوں آپ خدمات انجام دیتے جائیں گے اور اس میں اخلاص، استقامت، ہمت اور حوصلے سے کام لے کر آگے بڑھتے رہیں گے، توں توں آپ کی صلاحیتیں بھی مزید اجاگر ہوں گی اور آپ کا نفع بھی عام اور تام ہوتا جائے گا اور لوگ آپ سے اور زیادہ خوش ہوں گے۔ لوگ بھی خوش ہوں گے اور اگر آپ اخلاص اور للّٰہیت سے کام کرتے رہیں گے تو اللہ تبارک وتعالیٰ کے یہاں بھی آپ کو بڑا مقام اور مرتبہ حاصل ہوگا۔

اس زیاں خانے میں تیرا امتحاں ہے زندگی

لیکن یہ سب کچھ اس وقت ہے جب کہ اس وقت آپ کو جو موقع دیا گیا ہے آگے کی تیاری کرنے کا، اس موقع سے آپ فائدہ اٹھائیں۔ کوئی مکان بنایا جا رہا ہے تو آدمی مکان پر خرچ کیوں کرتا ہے؟ اس لیے کہ آگے اس سے فائدہ اٹھایا جا سکے۔ اگر آپ یہ چاہتے ہیں کہ آگے چل کر اللہ تبارک وتعالیٰ آپ سے دین کا کام لیں، لوگوں کو آپ سے فائدہ پہنچے، لوگ بھی آپ کی قدر و قیمت پہچانیں، لوگ بھی آپ کے ساتھ عزت واحترام کا معاملہ کریں۔ اگر آپ یہ چاہتے ہیں تو اس کے لیے ضروری ہے کہ اس وقت آپ کو جو موقع دیا گیا ہے، اس موقع سے آپ پورے پورا فائدہ اٹھائیں، آپ

اپنے اوقاتِ عزیز میں سے ایک لمحہ بھی ضائع نہ کریں۔ یہ علم حاصل کرنے کا زمانہ ہے، بننے کا زمانہ ہے۔ اس زمانے میں آپ کی معمولی سی غفلت بھی آپ کے بننے کے اس عمل میں کمزوری ڈال دے گی۔

خراب چیز بے مول ہوتی ہے

جیسے کپڑا ہے، کارخانے میں تیار ہوتا ہے، تیار ہونے کے زمانے میں اگر ذرا سی غلطی کاریگر سے ہو جائے تو کپڑے میں عیب رہ جاتا ہے اور وہ عیب ایسا ہوتا ہے کہ اس کپڑے کے بن جانے کے بعد کوئی بھی اس کی اصلاح نہیں کرسکتا۔ سبھی یہ کہیں گے کہ یہ تو کارخانے کا عیب ہے، سُدھر نہیں سکتا اور کارخانے والے بھی اس کو کم قیمت ہی میں فروخت کرتے ہیں، جانتے ہیں کہ یہ عیب دار ہے؛ اس لیے اس کی زیادہ قیمت نہیں ملے گی۔

بچہ ماں کے پیٹ میں تیار ہوتا ہے، وہاں کوئی عیب رہ گیا، پاؤں ٹھیک نہیں رہا یا آنکھ پیدائشی طور پر خراب رہی، کان ٹیڑھا رہ گیا تو دنیا کی کوئی طاقت اس کو سُدھار نہیں سکتی، وہ عیب جوں کا توں رہے گا۔

عملی کمی بھی آپ کی نیّا ڈبو سکتی ہے

مدرسہ میں رہ کر آپ اپنی علمی شخصیت کو بناتے ہیں، اگر بننے کے اس زمانے میں آپ کی علمی شخصیت میں کوئی کمی رہ گئی، کوئی عیب رہ گیا، کوئی کوتاہی رہ گئی تو اب یہاں سے فارغ ہونے کے بعد وہ ٹھیک ہونے والی نہیں ہے۔ عملی اعتبار سے بھی آپ

میں کوئی کمی رہ گئی کہ آپ نے پڑھنے کے زمانے میں محنت تو خوب کی، مطالعہ کیا، اسباق بھی یاد کیے، اس میں حاضری بھی پابندی کے ساتھ دی، تکرار بھی کیا اور اپنا علم پختہ کیا لیکن آپ نے جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کا اہتمام نہیں کیا، پڑھنے کے زمانے میں جماعت فوت ہوتی رہی تو فراغت کے بعد علمی صلاحیت تو پختہ رہے گی لیکن پڑھنے کے زمانے میں یہ جو عملی کمزوری رہ گئی ہے، وہ شاید آپ کو لے ڈوبے اور آپ کی اس علمی صلاحیت سے لوگوں کو فائدہ پہنچنے میں رکاوٹ بن جائے، لوگ کہیں گے کہ مولوی صاحب کی استعداد تو بہت اچھی ہے لیکن جماعت سے نماز نہیں پڑھتے، ہدایہ پڑھا رہے ہیں، بخاری پڑھا رہے ہیں لیکن ان کی جماعت جاتی ہے۔

اب پچھتاوے کیا ہووَت....

طلبہ چاہے خود جماعت سے نماز نہ پڑھتے ہوں لیکن استاذوں کو دیکھتے ہیں۔ ہمارے ایک دوست ہیں، وہ کہتے ہیں کہ طالبِ علم چاہے سبق کو نہ سمجھتا ہو لیکن استاذ کو سمجھتا ہے۔ معاملہ ایسا ہی ہے تو پڑھنے کے زمانے میں جو کمزوری رہ گئی، وہ کمزوری پھر دور ہونے والی نہیں ہے تو اس وقت اگر آپ افسوس کریں اور کفِ افسوس ملیں تو اس کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا، تب بہت دیر ہو چکی ہوگی۔

حصولِ علم سے متعلق کتابوں کا مطالعہ کیجیے

اسی لیے ابھی آپ کو تنبیہ کی جاتی ہے کہ طلبِ علم کی اس راہ کو آپ کیسے پار کریں گے اور کس طرح آپ اس منزل کو کامیابی کے ساتھ پا سکیں گے، اس کے

طریقے بھی بتلادئے گئے ہیں، ہمارے اکابر نے اس سلسلے میں باقاعدہ کتابیں لکھی ہیں، اس میں سب تفصیلات ہیں کہ ایک طالبِ علم خود کو کسی قابل بنانے کے لیے کیا کیا کرے، عملی اعتبار سے کمال حاصل کرنے کے لیے کیا کرنا چاہیے اور پھر یہ ہے کہ آپ کی ذات سے آگے چل کر لوگوں کو فائدہ پہنچے، آپ کی شخصیت لوگوں کے حق میں نافع بنے، اس کے لیے آپ کو اپنے اندر کن کن صفات کو پیدا کرنا چاہیے، وہ سب ان کتابوں کے اندر لکھا ہوا ہے۔

مسافر، سفر سے پہلے جائے سفر کے بارے میں معلومات حاصل کرتا ہے

کوئی آدمی جب کوئی منزل طے کرنے کا ارادہ کرتا ہے، جیسے آپ میں سے کوئی آدمی دِلّی جانے کا ارادہ کرتا ہو اور پہلے کبھی گیا نہیں ہے تو ایسا نہیں کہ وہ گاڑی لے کر نکل پڑے گا بلکہ اس سلسلے میں پہلے معلومات حاصل کرے گا۔ گائیڈ لکھے ہوئے ہیں جو دوکانوں پر ملتے ہیں، پہلے وہ ان کو حاصل کرے گا، جو جا کر آئے ہیں، ان سے ملے گا اور معلومات حاصل کرے گا کہ وہاں کا کیا ماحول ہے؟ کیسے جائیں گے، کہاں اترنا مناسب ہوگا، وہاں کے لوگ کیسے ہیں؟ یہ سب معلومات پہلے حاصل کرتا ہے پھر وہ آگے بڑھتا ہے۔

راہِ علم قدیم زمانے سے آباد ہے

اسی طریقے سے حصولِ علم کی اس راہ کو طے کرنے کے لیے بھی ہمارے

بزرگوں نے با قاعدہ کتابیں لکھی ہیں، ''**تعلیم المتعلم**'' با قاعدہ ایک موضوع ہے، جس میں یہ بتایا جاتا ہے کہ علم حاصل کرنے والے کن کن چیزوں کا خیال رکھیں، کس طرح پڑھیں اور کس طرح رہیں تو ان کو علم آئے گا، وہ ساری تفصیلات اس کے اندر ہے اور لکھا ہی نہیں بلکہ ہمارے اسلاف کر کے بھی دکھلا گئے، اس راہ پر چلنے والے ہم اور آپ پہلے نہیں ہیں، ایسا نہیں ہے کہ یہ وہ راستہ ہے جس کو ہم سب سے پہلے قطع کر رہے ہیں، ہم سے پہلے اس راستے سے کوئی گذرا نہیں ہے۔ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے سے اب تک برابر ہمارے بزرگوں نے یہ راہ قطع کی ہے اور اس پر چلے ہیں اور وہ جس طرح چلے اور جس طرح چل کر کے انھوں نے کامیابی حاصل کی، ہم بھی اگر اسی طرح چلیں گے اور اسی طرح یہ سفر طے کریں گے تو ہم بھی منزلِ مقصود پر پہنچیں گے اور ہمیں بھی کامیابی حاصل ہوگی اور اگر ہم نے اس راستے کو چھوڑ دیا، اس طریقے کو اختیار نہیں کیا تو ہمیں ناکامی کا منہ دیکھنا پڑے گا۔ جو منزلیں ان کی راہ میں آئیں، وہ سب منزلیں ہمارے راستے میں بھی آنی چاہئیں۔

جیسے ایک آدمی ہے، وہ ممبئی جانا چاہتا ہے، احمد آباد سے ٹرین میں سوار ہوا تو جب ٹرین چلے گی اور آگے کسی اسٹیشن پر جا کر ٹھیرے گی تو وہ کھڑکی میں سے منہ نکال کر دیکھے گا کہ کون سا اسٹیشن آیا، دیکھا کہ ''نڑیاڈ'' آیا تو اس کو اطمینان ہوگا کہ ٹھیک ہے، ہم ممبئی جا رہے ہیں اور ہماری یہ ٹرین بھی ممبئی ہی کی طرف جا رہی ہے اور اگر وہ دیکھے کہ یہ تو ''پالن پور'' آ گیا تو وہ گھبرا جائے گا کہ یہ کیا؟ ہمیں تو ممبئی جانا تھا، بیچ میں یہ پالن پور کیسے آ گیا؟ لگتا ہے کہ میں دوسری ٹرین میں بیٹھ گیا۔

اس راہ میں بزرگوں کو پیش آنے والے حالات ہمیں بھی پیش آنے ہی چاہئیں

اسی طرح اس راہ کو قطع کرتے ہوئے ہمارے بزرگوں کو جو جو حالات پیش آئے، اگر وہی حالات ہمیں بھی پیش آ رہے ہیں تو ڈرنے کی بات نہیں ہے اور گھبرانے کی چیز نہیں ہے بلکہ خوش ہونے کی چیز ہے کہ یہی تو وہ چیزیں ہیں جو ان کو پیش آئی تھیں، ہم کو بھی پیش آ رہی ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ ہم ٹھیک چل رہے ہیں۔

اس راہ میں اسلاف کو پہنچنے والی مشقتیں

اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ کو حصولِ علم کا موقع عطا فرمایا ہے اور اسی نسبت پر یہ ساری سہولتیں مہیا کی گئی ہیں، اس سے بھرپور فائدہ اٹھانا چاہیے۔ ہم تو کمزور لوگ ہیں، اللہ تبارک وتعالیٰ نے دورِ حاضر کے طالبین کی کمزوری کو دیکھتے ہوئے ان ساری سہولتوں کا انتظام فرما دیا ہے کہ یہاں ہمیں اپنی ضرورتوں کی تکمیل کے لیے کچھ کرنا نہیں پڑتا، سب کچھ بنا بنایا تیار ہے، ورنہ ہمارے اسلاف کے زمانے میں ایسے بنے بنائے مدرسے نہیں تھے، جن کے پاس حصولِ علم کے لیے جاتے تھے، ان کے درس میں حاضری تو مل جاتی تھی لیکن اپنی ساری ضروریات کا انتظام خود کو کرنا پڑتا تھا اور ان چیزوں کے انتظام میں ان کو کیسی کیسی مشقتیں اور تکلیفیں برداشت کرنی پڑتی تھیں، اگر ہمارے اس زمانے میں بھی اپنی ضرورتوں کی تکمیل کے لیے وہ سب مشقتیں اٹھانی پڑتیں تو میں تو سمجھتا ہوں کہ شاید ہی اس زمانے میں دو چار عالم بن پاتے، یہ تو اللہ

تبارک وتعالیٰ نے ہمارے لیے آسانی فراہم کردی۔

دو نعمتیں: جن سے لوگ غفلت میں ہیں

لیکن اس آسانی کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ہم مدرسے میں داخلہ لےکر کے مطمئن ہوجائیں کہ اطمینان سے کھاؤ، پیو۔ ہمارے ایک ساتھی ہیں پڑھانے والے، وہ بعض طلبہ سے کہتے ہیں: ارے بھائی! تونے کتنے سال یہاں مدرسے میں گذارے اور کتنے ''من'' گیہوں تو مدرسے کے کھا گیا۔ میں بتلانا یہ چاہتا ہوں کہ یہ ساری چیزیں اللہ تبارک وتعالیٰ کی نعمتیں ہیں، اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہمیں فارغ البالی دی، ہمیں موقع دیا، حدیث میں ہے: نِعْمَتَانِ مَغْبُونٌ فِيهِمَا كَثِيرٌ مِنَ النَّاسِ الصِّحَّةُ وَالْفَرَاغ: اللہ تبارک وتعالیٰ کی دو نعمتیں ایسی ہیں کہ ان نعمتوں کا حق ادا کرنے کے معاملے میں بہت سارے لوگ دھوکے اور گھاٹے میں ہیں اور ان سے جیسا فائدہ اٹھانا چاہیے، لوگ اٹھاتے نہیں ہیں: (۱) تن درستی، اور (۲) فرصت (۱)۔

اس نعمت کی قدر آپ کو آسمانوں کی بلندیوں کو پہنچا سکتی ہے

اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ کو فرصت دی، اب آپ کو کوئی فکر نہیں، آپ کو یہ فکر نہیں کہ میں کھانا کہاں سے کھاؤں گا، غسل کیسے اور کہاں کروں گا، کپڑے کہاں سے لاؤں گا، میرے بستر کا کیا ہوگا، میری رہائش کا کیا ہوگا؟ کچھ نہیں، ساری چیزیں موجود

---

(۱) صحيح البخاری، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، رَضِيَ اللّٰہُ تعالیٰ عَنْهُمَا، باب مَا جَاءَ فِي الرِّقَاقِ، وَأَنْ لاَ عَيْشَ إِلاَّ عَيْشُ الآخِرَةِ.

ہیں۔ اب آپ کو فرصت ملی ہوئی ہے اور عمر کی جس منزل سے آپ گذر رہے ہیں، اس میں آپ کو تن درستی بھی حاصل ہے، جب یہ دونوں چیزیں آپ کو حاصل ہیں تو اب آپ کو چاہیے کہ آپ خود کو پورے طور پر علم حاصل کرنے میں مشغول کردیں، آپ کا ایک لمحہ، ایک پل، ایک سیکنڈ بھی ضائع اور برباد نہ ہونے پائے، اگر اس میں آپ کی طرف سے کوتاہی ہوگی تو پھر اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے آپ کی گرفت ہوگی، ﴿لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ اِنَّ عَذَابِيْ لَشَدِيْدٌ﴾ [ابراهيم:۷] کہ: اگر تم نے میری نعمتوں کا شکر ادا کیا یعنی اس کا حق ادا کیا اور وہ نعمت جس مقصد کے لیے دی ہے، اس کو اس میں استعمال کیا تو ہم ان نعمتوں میں اضافہ کریں گے۔ اگر آپ اس کا حق ادا کریں گے، محنت سے پڑھیں گے تو اضافہ یہ ہوگا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ یہاں سے فراغت کے بعد آپ کو علمِ دین کی اشاعت اور دین کی خدمت کے لیے قبول فرمائیں گے اور آپ کو موقع دیں گے اور اسی طرح آپ آگے بڑھتے بڑھتے اپنی منزلِ مقصود تک پہنچ جائیں گے۔

مدرسے کے قوانین آپ کے فائدے ہی کے لیے بنے ہیں

بہر حال! اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ کو یہ جو موقع دیا ہے، اس کو غنیمت سمجھیں اور اس سے بھر پور فائدہ اٹھائیں۔ مدرسے کے جو قوانین ہیں اور مدرسے کے اندر جو پابندیاں ہیں، وہ حقیقت میں پابندیاں نہیں ہیں بلکہ یہ تو آپ اپنے حصولِ علم کا کام اچھی طرح سے انجام دیں، اس کا ایک انتظام ہے۔ طلبہ اس کو اپنے لیے پابندیاں سمجھتے

ہیں کہ ہم کو فلاں وقت کے بعد مدرسے کے احاطے سے باہر جانے نہیں دیتے کچھ کرنے نہیں دیتے۔ حالاں کہ چاہیے تو یہ تھا کہ آپ خود نہ نکلتے۔ آپ نے نکلنا شروع کیا تو مدرسے والوں نے قانون بنایا کہ آپ کو نکلنا نہیں ہے۔ یہ تو ویسے آپ کی ذمہ داری تھی، آپ کا فریضہ تھا، یہ کام تو آپ کو اپنی طرف سے از خود کرنا چاہیے تھا۔ اب جب آپ اپنی نادانی سے اس کو نہیں سمجھ رہے ہیں، خود نہیں کر رہے ہیں تو قانون بنا دیا۔

ہر کام کو انجام دینے کے لیے اس کے مطابق ماحول کا ہونا ضروری ہے

فلاں لباس نہیں پہننا ہے۔ جب آپ ہسپتال میں جاتے ہیں تو وہاں کیا ہوتا ہے؟ ہسپتال کا لباس پہنایا جاتا ہے، وہاں کوئی کہے کہ مجھے تو یہ لباس نہیں پہننا ہے تو نہیں چلے گا۔ آپ کہیں بھی چلے جائیں، وہاں اس کے مطابق ہی معاملہ ہوگا، وہ کام جہاں جس ماحول میں ہے، اس ماحول میں رہ کر کے اس کام کو انجام دیا جاسکتا ہے۔ اسی طرح مدرسے میں حصولِ علم کے مناسب فضا بنائی جاتی ہے، ماحول بنایا جاتا ہے، اسی ماحول کو بنانے کے لیے مدرسے کے قوانین ہیں، منتظمین ہیں، اساتذہ ہیں جو آپ کو ان قوانین کے مطابق چلنے کی تاکید کرتے ہیں، آپ کی خیر خواہی کرتے ہیں، یہ تو آپ کے حق میں باپ سے بھی بڑھ کر ہیں۔

آپ کے اساتذہ اور منتظمین کو آپ کا خیال آپ کے جسمانی والدین سے زیادہ ہے

باپ نے تو آپ کے لیے کھانے پینے کا انتظام کیا تھا اور یہاں کھانے پینے کے ساتھ آپ کی تعلیم وتربیت کا بھی انتظام ہے تو یہ باپ سے بھی بڑھ کر ہیں اور پھر یہ

ہے کہ دیکھئے! یہ حضرات آپ کی ان ضرورتوں کو پورا کرنے کے لیے لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلاتے ہیں۔ یہ مفتی امتیاز صاحب ہیں جو شہر احمد آباد میں چندہ کرنے کے لیے جاتے ہیں۔ آپ ان سے پوچھ لو کہ اپنے بیٹے کے کپڑوں کو بنوانے کے لیے کبھی کسی سے کوئی چندہ طلب کیا، اپنے کپڑوں کے لیے کبھی کسی کے سامنے ہاتھ پھیلایا؟ نہیں، ان کی غیرت یہ کبھی برداشت نہیں کرے گی لیکن آپ کی ضرورتوں کے لیے اپنے آپ کو داؤ پر لگا رہے ہیں اور آپ کے لیے لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلا رہے ہیں۔ آپ سے اگر محبت نہ ہوتی، تعلق نہ ہوتا، آپ سے آئندہ کے لیے کوئی اچھی توقعات نہ ہوتیں تو ایسا کیوں کرتے؟

اساتذہ اور منتظمین پر تنقید کرنے والے طلبہ محروم رہتے ہیں

اس لیے میں آپ سے کہوں گا کہ آپ ان چیزوں کی قدر جانیں، ان کی طرف سے اس طرح کے قوانین اور پابندیاں بھی ہوں تو یہ ان کی شفقت کا نتیجہ ہے اور وہ یہ چاہتے ہیں کہ آپ نادانی اور غفلت میں اپنے آپ کو ضائع نہ کر دیں؛ اسی لیے وہ ایسا کر رہے ہیں؛ اس لیے اس کو بھی آپ غنیمت سمجھیں اور ان کی شفقت ہی کا نتیجہ سمجھیں، اپنے ساتھ زیادتی نہ سمجھیں۔ طلبہ جب آپس میں گفتگو کرتے ہیں تو ان کی گفتگو کا موضوع یہی ہوتا ہے کہ مہتمم صاحب ایسے ہیں اور فلاں استاذ ایسے ہیں۔ میں کہا کرتا ہوں کہ طالبِ علم اگر زبان اور آنکھ کی حفاظت کر لے تو ولی ہے۔ حد تو یہ ہے کہ درس گاہوں میں بھی یہ گفتگو ہوتی رہتی ہے، تنقید، تبصرے ہوتے رہتے ہیں، اسی نے ہماری زندگیوں کو برباد کیا ہے۔ جو آدمی اپنے محسنین کے ساتھ ایسا برتاؤ کرتا ہو، اس کو کیا

کہا جائے! ایسی احسان کُشی اللہ تبارک وتعالیٰ کے یہاں برداشت نہیں کی جاتی پھر وہ محروم جاتا ہے؛ اس لیے ضرورت ہے کہ ان چیزوں کی طرف توجہ کریں۔

جیدالاستعداد بننے کے تین رہنما اصول

اور اپنے اسباق کی پابندی کریں، مطالعے کا اہتمام کریں، تکرار کا اہتمام کریں، یہی چیزیں آپ کو منزلِ مقصود تک پہنچانے والی ہیں۔ حضرت حکیم الامت نوّر اللہ مرقدہ فرماتے ہیں کہ طلبِ علم میں تین چیزیں رکن کی حیثیت رکھتی ہیں:
(۱) اسباق کی پابندی (۲) تکرار (۳) مطالعہ۔

مطالعہ کی اہمیت اور ہمارے اسلاف کا معمول

مطالعہ ہمارا ایک اصطلاحی لفظ ہے جو اہلِ علم میں بولا جاتا ہے۔ مطالعے کا مطلب یہ ہے کہ کل کو جو سبق ہونے والا ہے، اس کے لیے آپ تیاری کرلیں، اس کو آپ دیکھ لیں، اپنے ذہن اور طبیعت کو اس قابل بنالیں کہ کل استاذ جو سبق دینے والے ہیں، آپ اس کو اچھی طرح سمجھ لیں تو اس کے لیے ضروری ہے کہ آپ پہلے سے اس کی تیاری کرلیں، دیکھ لیں۔ ہمارے بزرگوں کے یہاں تو یہ تھا کہ (طلبہ نے) اگر مطالعہ نہیں کیا ہے تو پڑھاتے نہیں تھے۔ پوچھتے تھے کہ آج مطالعہ کیا ہے؟ اس زمانے کے طالبِ علم بھی سچے پکے ہوا کرتے تھے، اگر نہیں کیا تو کہتے تھے کہ نہیں کیا تو کہتے کہ جاؤ! مطالعہ نہیں کیا ہے تو سبق نہیں پڑھائیں گے۔ اس کا ان کو اتنا غم ہوتا تھا کہ کھانا نہیں کھایا جاتا تھا اور پھر آئندہ کبھی اس طرح کی غلطی کو دہراتے نہیں تھے اور اب تو یہ زمانہ آ گیا

کہ طلبہ کہیں گے کہ اچھا ہتھیار ہمارے ہاتھ آ گیا، سبق نہ پڑھنا ہو تو یوں کہہ دو کہ مطالعہ نہیں کیا۔

ایک لطیفہ، ایک حقیقت

ایک صاحب کی بیوی نماز نہیں پڑھتی تھی میں نے ان کو یوں کہا کہ ایسا کرو کہ تم کھانا نہ کھاؤ کہ آج تمھارے ہاتھ کا کھانا نہیں کھانا ہے تو وہ صاحب کہنے لگے کہ اگر میں کھانا نہیں کھاؤں گا تو اس کو تو اس کی کوئی پرواہی نہیں، وہ تو کھانا بنانا ہی چھوڑ دے گی۔ حالاں کہ ایک بیوی کو شوہر کے ساتھ جو تعلق اور لگاؤ ہوتا ہے، اس کی بنا پر اگر شوہر کھانا نہ کھاوے تو بیوی سے بھی کھانا کھایا نہیں جاتا لیکن اب تو ہر چیز میں مزاج بدلتے جارہے ہیں تو طلبہ کے مزاجوں میں بھی تبدیلی آتی جارہی ہے؛ اس لیے ان امور کا خیال رکھیں۔

کمی نہیں قدرداں کی اکبر کرے تو کوئی کمال پیدا

آج ہمارے علوم سے لوگوں کو جو فائدہ نہیں پہنچ رہا ہے، اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے۔ آج ہم جو یہ کہہ دیتے ہیں کہ قدردان ہی کہاں ہیں تو یہ غلط ہے، قدردان تو بہت ہیں، اگر آپ اپنے اندر کچھ پیدا کرلیں گے تو اللہ تبارک وتعالیٰ دنیا کے اندر آپ کو ہاتھوں ہاتھ لوگوں سے اٹھوائیں گے۔ اکبر الہ آبادی کا شعر ہے:

هجومِ بُلبُل ہوا چمن میں، کیا جو گُل نے جمال پیدا
کمی نہیں قدرداں کی اکبر کرے تو کوئی کمال پیدا

کمال پیدا کریں گے تو آپ کے بہت سارے قدردان بھی پیدا ہوں گے۔

ہجوم کیوں ہے شراب خانے میں

بخاری شریف میں روایت ہے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میرے سامنے سے انبیاء کو گذارا گیا تو کسی کے ساتھ ایک آدمی تھا، کسی کے ساتھ پانچ چھے، کسی کے ساتھ دس ہیں، کسی کے ساتھ بڑی جماعت ہے اور کوئی نبی ایسا بھی ہے جس کے ساتھ ایک بھی نہیں ہے، حالاں کہ وہ تو حضراتِ انبیاء تھے، ان کی طرف سے اپنے فریضے کی ادائگی میں کسی کوتاہی کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا، انھوں نے اپنے فریضے کو کماحقہٗ ادا کیا لیکن اس کے باوجود ایک آدمی بھی ایمان نہیں لایا، کسی پر پانچ لائے، کسی پر دس لائے۔ آپ اس زمانے میں دین کا کام کیجیے اور دیکھئے، اس میدان میں جب آپ آئیں گے تو اخلاص اور استقامت کے ساتھ کام کیجیے، پانچ نہیں، دس نہیں، سینکڑوں لوگ آپ کا ساتھ دینے والے پیدا ہو جائیں گے۔

یہ تو چلتی ہے تجھے اونچا اڑانے کے لیے

اب رہے تھوڑے سے مخالفین کہ فلانا میری مخالفت کرتا ہے تو یہ تو انبیاء کے ساتھ بھی ہوا ہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا مِّنَ الْمُجْرِمِيْنَ﴾ [الفرقان:۳۱] ہر نبی کے لیے دشمن اور مخالف اللہ تبارک وتعالیٰ نے پیدا کیا ہے؛ اس لیے مخالفین تو ہوں گے اور مخالفین نہ ہوں تو ہم لوگ فرعون بن جاویں۔ مخالفین کی وجہ سے آدمی ذرا حدود کی رعایت کرتے ہوئے چلا کرتا ہے، مخالفین کی مخالفت کی وجہ سے کوئی نقصان نہیں، فائدہ ہی پہنچتا ہے، بقول علامہ اقبال کے:

تندیٔ بادِ مخالف سے نہ گھبرا اے عقاب		یہ تو چلتی ہے تجھے اونچا اڑانے کے لیے

لوگوں کی مخالفت سنتِ انبیاء ہے

تو مخالفتیں تو ہوتی ہیں، ہم لوگ اسی کو دیکھتے ہیں اور اس میں اپنی صلاحیتوں کو ضائع کرتے ہیں، کیا نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مخالفت نہیں ہوئی؟ اور کیسی مخالفت کہ اپنا وطن چھوڑ کر جانا پڑا، وہاں جانے کے بعد بھی آپ کو چین لینے نہیں دیا، کفارِ قریش بار بار حملے کرتے رہے لیکن نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم استقامت کے ساتھ اپنا فریضہ انجام دیتے رہے اور نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد بھی جو افراد آئے جن کو آج بھی ہم نیک نامی کے ساتھ یاد کرتے ہیں، ان کی سوانح کا بھی مطالعہ کیجیے، ایسا نہیں تھا کہ ان کو سب لوگ ہاتھ پر اٹھائے ٹھائے لے کر چلنے والے تھے، ان کے مخالفین بھی تھے اور جیسے وہ بڑے تھے، ان کے مخالفین بھی بڑے تھے۔

آدمی جیسا ہوتا ہے، ویسی اس کی مخالفتیں ہوتی ہیں

نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مخالفین میں ابوجہل تھا، جس کا حال یہ تھا کہ میدانِ بدر میں جب جنگ ختم ہوگئی، نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ کوئی ہے جو ابوجہل کی خبر لے کر کے آوے تو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ میں جاتا ہوں، گئے اور دیکھا کہ ابھی کچھ رمق باقی ہے تو فرمایا: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي أَخْزَاكَ يَا عَدُوَّ اللهِ: اے اللہ کے دشمن! اللہ نے تجھے رسوا کیا تو اس نے کہا کہ کیسی رسوائی! ٹھیک ہے تیرا ارادہ کیا ہے؟ فرمایا کہ میرا ارداہ تیرا سر قلم کرنے کا ہے تو اس نے کہا کہ میرا سر ذرا نیچے سے کاٹنا؛

تاکہ میرا سر دوسروں کے سروں سے ذرا اونچا نظر آئے پھر اس نے کہا کہ میرا یہ پیغام محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو دے دینا کہ تمھاری عداوت میرے دل میں پہلے جتنی تھی، اب اس سے بھی زیادہ ہے۔ جب حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے یہ پیغام آپ کو پہنچایا تو آپ نے فرمایا کہ یہ میری امت کا فرعون ہے(۱) جو بنی اسرائیل کے فرعون سے بھی بڑھ کر ہے، جس نے موت کے وقت یہ کہا تھا: ﴿اٰمَنْتُ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا الَّذِيْۤ اٰمَنَتْ بِهٖ بَنُوْۤا اِسْرَاۤءِيْلَ وَاَنَا مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ﴾ [یونس:۹۰]: زبان سے تو اس نے کلمہ پڑھا تھا لیکن یہ تو موت کے وقت بھی ایسے کفریہ کلمات بکتے ہوئے گیا۔ تو آدمی جیسا ہوتا ہے، ویسی اس کی مخالفتیں ہوتی ہیں۔

مخالفین کے شرور وفتن سے بچنے کا قرآنی گُر

اس لیے ان چیزوں سے متاثر ہونے کی ضرورت نہیں بلکہ آدمی صحیح معنی میں تقویٰ اور صبر سے کام لے: ﴿وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا لَا يَضُرُّكُمْ كَيْدُهُمْ شَيْـًٔا﴾ [آل عمران:۱۲۰] قرآن نے ایک اصول بتلادیا کہ اگر تم تقوی اختیار کروگے یعنی ان کے معاملے میں بھی اللہ تبارک وتعالیٰ سے ڈرتے رہوگے اور ان کے ساتھ بھی کوئی زیادتی نہیں کروگے۔

تو جہاں میں کوئی برا نہ رہا

ایک بزرگ کے سامنے کسی نے حجاج بن یوسف کی برائی تو انھوں نے فرمایا

(۱) مُصنف ابن أبي شيبة، عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ رضي الله عنه، ما قالوا فِيمن استعان بِالسِّلاحِ مِن الغَنِيمةِ.

کہ بے شک حجاج بن یوسف بڑا ظالم تھا لیکن جولوگ اس کی برائی کر کے اپنے نامۂ اعمال کوسیاہ کرر ہے ہیں، اللہ تبارک وتعالیٰ ان سے بھی حساب لے گا۔

تو کامیابی آپ کے قدم چومے گی

بہر حال! ان چیزوں کودھیان میں رکھیں اوراپنا کام کرتے رہیں اوراگر شریعت کے بتائے ہوئے اصول کے مطابق کام کرتے رہیں توإن شاءاللہ تعالیٰ کامیابی آپ کے قدم چومے گی۔

یہ چیز جدا کرتی ہے بندے کوخدا سے

میں خاص طور پراساتذہ اورطلبہ سے کہوں گا کہ امانت اوردیانت کے تقاضوں کو پورا کرنے کی ضرورت ہے۔آج کل یہ ہوگیا کہ ہم لوگ ظاہرداری کے عادی بن گئے ہیں کہ فلاں دیکھ رہا ہے، فلاں کیا کہے گا؟ لوگوں کا توخیال رکھتے ہیں لیکن ’’میں اللہ تبارک وتعالیٰ کے یہاں جواب دِہ ہوں، وہاں مجھے جواب دیناہےاوراس کے لیے کیا کرنا چاہیے‘‘ یہ ہمارے دھیان میں نہیں رہتا۔بس لوگ ہی ہمارے دھیان میں ہے، ان لوگوں کوچھوڑیئے اوراللہ تبارک وتعالیٰ کومدِّ نظررکھتے ہوئے اپنا منصبی فریضہ ادا کرتے رہیں توإن شاءاللہ تعالیٰ کامیابی کہیں نہیں گئی ہے۔

مسلمِ خوابیدہ اُٹھ، ہنگامہ آراتوبھی ہو

میری طلبہ اوراساتذہ سے یہی استدعا ہے کہ دونوں پوری امانت اوردیانت کے ساتھ اپنے فریضے کوادا کرتے رہیں، یہ مخالفتیں تو قدرتی اورفطری ہیں، وہ توہوتی

رہیں گی، اس کی وجہ سے اپنے کام میں خلل ڈالنے کی ضرورت نہیں ہے، اپنا کام ہمت سے، اخلاص سے، استقامت سے، اللہ تبارک وتعالیٰ کے اجر وثواب کو مدِّ نظر رکھتے ہوئے کرتے رہیں گے تو إن شاءاللہ تعالیٰ ہم اپنی منزل تک پہنچ جائیں گے اور اگر ہم لوگوں کو دیکھتے رہیں گے، ان کی باتوں سے اثر لیتے رہیں گے تو ان کا جو مقصد ہے، وہ حاصل ہو جائے گا۔ شیطان کیا کرتا ہے؟ وہ کوشش کرتا ہے کہ آدمی کوئی عمل نہ کرے اور اگر کرے تو وہ ایسی تدبیریں کرتا ہے کہ جس سے اس کا یہ عمل بے کار ہو جاوے۔ اب ہم پڑھنے، پڑھانے میں محنت کر رہے ہیں اور ہمارے مخالفین ہمارے متعلق جو کچھ کر رہے ہیں، وہ شیطان کے ورغلانے سے کر رہے ہیں، شیطان ہمارے اس عمل کو ضائع اور برباد کرنا چاہتا ہے، اب اگر ہم اس میں لگ جائیں گے تو ہمارا عمل ضائع اور برباد ہو جائے گا؛ اس لیے ان امور سے صرفِ نظر کرنے کی ضرورت ہے اور ایسے موقع پر نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اسلافِ کرام کے طریقوں کو اختیار کرتے ہوئے ان کی تدبیریں عمل میں لاویں، ہماری طرف سے کوئی تدبیر غلط نہیں ہونی چاہیے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ مجھے اور آپ کو، سب کو اس کی توفیق اور سعادت عطا فرماوے۔ (آمین)

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔

رہنمائے طلبہ (٦)

اقتباس

آج سب سے بڑی غفلت جو مدارس میں طلبہ کی طرف سے برتی جاتی ہے، وہ یہی ہے کہ آتے ہیں اور اپنی زندگی کے اتنے قیمتی سال اس مقصد کے لیے لگا رہے ہیں، استعمال کر رہے ہیں لیکن اس مقصد کو حاصل کرنے کے لیے کیا طریقہ اختیار کرنا چاہیے اور اس کے لیے کیا کیا معلومات ہمیں حاصل کرنی چاہئیں، ان کی طرف کوئی توجہ ہی نہیں، حالاں کہ یہ ساری چیزیں ہمارے پاس موجود ہیں۔ چاہیے تو یہ تھا کہ ان کتابوں کو خرید کر پڑھتے جو عربی میں بھی ہیں، فارسی میں بھی ہیں، اردو میں بھی ہیں۔ ہمارے اکابر نے اردو زبان میں بھی اس موضوع پر چھوٹی بڑی بہت سی کتابیں تصنیف فرمائی ہیں: حضرت قاری سید صدیق احمد صاحب باندوی رحمۃ اللہ علیہ کا رسالہ ہے ''آداب المتعلمین'' اور حضرت حکیم الامت نور اللہ مرقدہ کے خلیفہ حضرت مولانا عبدالرحمٰن اعظمی رحمۃ اللہ علیہ کا رسالہ بھی اسی نام اور اسی عنوان سے ہے اور بھی بہت سی کتابیں اردو کے اندر موجود ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الحمد لله نحمده ونستعينه ونستغفره ونؤمن به ونتوكل عليه ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا، ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا، ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا، من يهده الله فلا مضل له، ومن يضلله فلا هادي له، ونشهد أن لا إله إلا الله وحده لا شريک له ونشهد أن سيدنا ومولانا محمدا عبده ورسوله، أرسله إلى كافّة الناس بشيرا ونذيرا، وداعيا إلى اللّٰه بإذنه وسراجا منيرا، صلى اللّٰه تعالىٰ عليه وعلى آله وأصحابه وبارک وسلّم تسليما كثيرا كثيرا، أما بعد:

فَاَعُوْذُ بِاللهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ: ﴿يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ﴾ [المجادلة:۱۱] وقال تعالىٰ: ﴿قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَالَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ﴾ [الزمر:۹] وقال تعالىٰ: ﴿وَقُلْ رَّبِّ زِدْنِيْ عِلْمًا﴾ [طه:۱۱٤]

وقال النبی صلى الله عليه وآله وسلم: وَإِنَّ الْعُلَمَاءَ وَرَثَةُ الأَنْبِيَاءِ وَإِنَّ الأَنْبِيَاءَ لَمْ يُوَرِّثُوا دِينَارًا وَلَا دِرْهَمًا وَرَّثُوا الْعِلْمَ فَمَنْ أَخَذَهُ أَخَذَ بِحَظٍّ وَافِرٍ (۱) أو كما قال عليه الصلاة والسلام.

حصولِ علم کا موقع اور توفیق اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے

عزیز طلبہ! اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ حضرات کے لیے اپنے دین کا علم

(۱) سنن أبی داود، عن أَبِی الدَّرْدَاءِ رضی الله عنه، باب الْحَثِّ عَلَى طَلَبِ الْعِلْمِ.

حاصل کرنے کے مواقع میسر فرمائے، اللہ تبارک وتعالیٰ کا یہ بہت بڑا انعام اور اکرام ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہ نعمت آپ کو عطا فرمائی۔

تحصیلِ علوم دین کے طریق صیغۂ راز میں نہیں ہیں

اب اس علم کو حاصل کرنے کے لیے جو طریقے اختیار کرنے چاہئیں، ضرورت ہے کہ ان طریقوں کو معلوم کر کے، سیکھ کر، ان کو اختیار کر کے ان کے مطابق علم کو حاصل کرنے کا اہتمام کیا جائے۔ اس راہ پر چلنے والے ہم اور آپ پہلے نہیں ہیں، ایسا نہیں ہے کہ یہ وہ راستہ ہے جس کو ہم سب سے پہلے قطع کر رہے ہیں، ہم سے پہلے اس راستے سے کوئی گذرا نہیں ہے بلکہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بابرکت زمانے سے حضراتِ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین سے لے کر ہمارے اگلے اور دورِ آخر کے اسلاف اس راستے کو طے کرتے چلے آئے ہیں، گویا علم کس طرح حاصل کرنا چاہیے، یہ کوئی ایسا سربستہ اور مخفی راز نہیں ہے بلکہ ہمارے اکابر اور اسلاف نے علم کس طرح حاصل کیا جائے، اس چیز کو باقاعدہ کتابی شکل میں مرتب فرما کر امت کے سامنے رکھ دیا ہے۔ یہ ایک مستقل موضوع ہے جس کو "تعلیم المتعلم" کہا جاتا ہے یعنی ایک طالبِ علم کس طرح علم حاصل کرے گا، اس کے لیے کیا کیا طریقے اختیار کرنے چاہئیں، کن آداب کا لحاظ کرنا چاہیے، یہ ساری چیزیں ہمارے اکابر نے کتابوں میں بہت واضح انداز میں لکھ کر امت کے سامنے پیش کر دی ہیں، ان کتابوں کو پڑھ کر ان میں موجود تفصیلات پر عمل کرنا چاہیے۔

لڑتے ہیں اور ہاتھ میں تلوار بھی نہیں

آج مدارس میں سب سے بڑی غفلت جو طلبہ کی طرف سے برتی جاتی ہے، وہ یہی ہے کہ آتے ہیں اور اپنی زندگی کے اتنے قیمتی سال اس مقصد کے لیے لگا رہے ہیں، استعمال کر رہے ہیں لیکن اس مقصد کو حاصل کرنے کے لیے کیا طریقہ اختیار کرنا چاہیے اور اس کے لیے کیا کیا معلومات ہمیں حاصل کرنی چاہئیں، ان کی طرف کوئی توجہ ہی نہیں، حالاں کہ یہ ساری چیزیں ہمارے پاس موجود ہیں۔ چاہیے تو یہ تھا کہ ان کتابوں کو خرید کر پڑھتے جو عربی میں بھی ہیں، فارسی میں بھی ہیں، اردو میں بھی ہیں۔ ہمارے اکابر نے اردو زبان میں بھی اس موضوع پر چھوٹی بڑی بہت سی کتابیں تصنیف فرمائی ہیں: حضرت قاری سید صدیق احمد صاحب باندوی رحمۃ اللہ علیہ کا رسالہ ہے ''آداب المتعلمین'' اور حضرت حکیم الامت نور اللہ مرقدہ کے خلیفہ حضرت مولانا عبدالرحمٰن اعظمی رحمۃ اللہ علیہ کا رسالہ بھی اسی نام اور اسی عنوان سے ہے اور بھی بہت سی کتابیں اردو کے اندر موجود ہیں۔

ہماری غفلت کی انتہا نہیں کوئی

چاہیے تو یہ تھا کہ آپ طلبہ ان کتابوں کو حاصل کرتے، ان کا مطالعہ کرتے اور ان کتابوں میں علم حاصل کرنے کے جن آداب کی رعایت کی تفصیلات بیان کی ہیں، ان آداب کی رعایت کرتے، ان کو عملی جامہ پہناتے لیکن یہ بہت بڑی غفلت ہے جو ہمارے یہاں برتی جاتی ہے کہ طلبہ کی اس کی طرف کوئی توجہ ہی نہیں۔ اہلِ مدرسہ کی

طرف سے، اساتذہ اور منتظمین کی طرف سے شروع سال میں یہ باتیں اختصار کے ساتھ بتائی جاتی ہیں۔ مدرسہ میں بطورِ مہمان آنے والے اہلِ علم کی زبان سے بھی آپ کی خدمت میں اس سلسلے میں یہ باتیں کہلوائی جاتی ہیں، ان کو بھی جس توجہ اور اعتناء کے ساتھ سننا چاہیے، اس میں بہت ساری کمی ہوتی ہے۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ علم کی طلب ہمارے اندر جس درجے کی ہونی چاہیے، وہ نہیں ہے۔ اپنے آپ کو کہتے تو طالبِ علم ہیں، طالبِ علم یعنی علم کا طلب گار، علم کی جستجو کرنے والا، علم کی تلاش میں نکلا ہوا۔ جو شخص کسی چیز کی تلاش میں نکلتا ہے، اس کی نظر چاروں طرف ہوتی ہے کہ وہ چیز مجھے کہیں سے مل جائے۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد مشکوۃ شریف میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کے حوالے سے منقول ہے: مَنْهُومَانِ لَا يَشْبَعَانِ، مَنْهُومٌ فِي الْعِلْمِ لَا يَشْبَعُ مِنْهُ، وَمَنْهُومٌ فِي الدُّنْيَا لَا يَشْبَعُ مِنْهَا۔

وعظ وتقریر کی مجلس کا ایک ادب اور ہماری کوتاہی

(سامعین کی عدمِ توجہ پر ناراضگی کا اظہار کرتے ہوئے حضرت نے فرمایا:)

دیکھیے! میں یہاں حدیث بیان کر رہا ہوں اور آپ اِدھر اُدھر دیکھ رہے ہیں، یہی تو مصیبت ہے، میرے سامنے بیٹھے ہیں اور آنے والوں کو دیکھ رہے ہیں پھر باتوں کی طرف توجہ کیسے ہوگی! یہ طریقہ صحیح نہیں ہے۔ اسی طرح یہاں چھوٹے طلبہ کو آگے بٹھا دیا، یہ طریقہ بھی غلط ہے، جب دینی باتوں کی مجلس ہوتی ہے تو بڑے طلبہ، اوپر کی جماعت کے طلبہ کو آگے بٹھایا جائے اور چھوٹے طلبہ کو پیچھے بٹھایا جائے؛ اس لیے کہ ایسی مجلسوں

میں چھوٹے طلبہ شوق میں آکرآگے بیٹھ تو جاتے ہیں لیکن پانچ، دس منٹ کے بعد اکتاہٹ کا شکار ہوکر سونے لگتے ہیں، اِدھراُدھر دیکھنے لگتے ہیں، کہنے والا جن جذبات کے ساتھ باتیں کہنا چاہتا ہے، ان کی روش اور طرز کو دیکھ کر اس کے حوصلے پست ہوجاتے ہیں۔ ہمارے مدارس میں ان چیزوں کی رعایت کرنے کی ضرورت ہے۔

جلسہ گاہ میں بیٹھنے کا طریقہ

اور مولانا وحید الزمان صاحب کیرانوی علیہ الرحمۃ کی تاکید

ہمارے استاذ حضرت مولانا وحید الزمان صاحب کیرانوی علیہ الرحمۃ جو دیوبند میں ادیب تھے، ان چیزوں کی بڑی تاکید فرماتے تھے کہ مجلس میں کس طرح بیٹھنا چاہیے، جب انجمن کے جلسے ہوتے تو حضرت کی طرف سے اس کی بڑی تاکید فرمائی جاتی تھی عام طور پر ایسا ہوتا ہے کہ جلسہ شروع ہوتا ہے تو عام لوگ آئے ہوئے نہیں ہوتے ہیں، طلبہ وہاں موجود ہیں تو حضرت طلبہ کو تاکید فرماتے تھے کہ جس جگہ جلسہ ہو رہا ہے، وہاں آگے اس طرح بیٹھ جاؤ کہ ہال خالی نظر نہیں آنا چاہیے پھر آپ جب دیکھیں کہ لوگ آرہے ہیں تو اصل جلسہ تو ان کے لیے قائم کیا گیا ہے؛ اس لیے تم دھیرے دھیرے پیچھے آجاؤ؛ تاکہ جن کے لیے جلسہ قائم کیا گیا ہے، ان کو آگے بیٹھنا کا موقع ملے۔ وہاں حضرت کی طرف سے اس کی خاص تربیت دی جاتی تھی۔

اس اصول پر عمل کی ضرورت

ہمیں بھی اس کی ضرورت ہے، ہمارے اساتذہ کو چاہیے کہ وہ مجلس کے ان

آداب کی طرف طلبہ کی توجہ مبذول کریں اور ان کی تربیت کریں۔ اب ہمارا انداز دیکھیے کہ اتنا سب کہہ رہا ہوں، اس کے باوجود یہ طالب علم اُدھر دیکھ رہا ہے۔ یہ چیز بولنے والے کی توجہ کو بھی ختم کر دیتی ہے، ہماری مجالس میں پایا جانے والا یہ طریقہ صحیح نہیں ہے، اس کی طرف خاص توجہ دینے کی ضرورت ہے۔

کتابیں خریدنے ہی کے لیے ہمارے پاس پیسے نہیں ہوتے

بہرحال! میں یہ عرض کر رہا تھا کہ علم حاصل کرنے کے لیے کون سا طریقہ اختیار کیا جائے، کون سے آداب برتے جائیں اور انھیں عملی جامہ پہنایا جائے، یہ سب کچھ کتابوں میں لکھا ہوا ہے۔ ضرورت اس بات کی تھی کہ طلبہ اس طرح کی کتابیں حاصل کرتے، آج کل الحمد للہ! اکثر طلبہ کے پاس وسعت ہوتی ہے، ان میں اکثریت ان طلبہ کی ہے جو اپنے پیسے اِدھر اُدھر لغویات میں صرف کرتے ہیں لیکن ان کو یہ توفیق نہیں ہوتی کہ اس طرح کی کتابیں حاصل کر کے، ان کو پڑھ کر کے علم حاصل کرنے کے لیے جو انداز اختیار کرنا چاہیے، اس کو اختیار کرنے کی کوشش کریں؛ اس لیے کہ جب تک اپنا طالب ہونا اور علم کی طلب کو اللہ تبارک وتعالیٰ کے سامنے پیش نہیں کیا جائے گا اور عملی طور پر خود کو طالب نہیں بنائیں گے، اس وقت تک علم آئے گا نہیں۔

دو حریص اور لالچی

میں حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کرنے جا رہا تھا کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے منقول ہے: مَنْهُومَانِ لَا يَشْبَعَانِ، مَنْهُومٌ فِي الْعِلْمِ لَا يَشْبَعُ مِنْهُ، وَمَنْهُومٌ فِي الدُّنْيَا

لَا یَشْبَعُ مِنْهَا کہ: دو بھوکے، دو حریص ایسے ہیں جن کا پیٹ بھرتا نہیں ہے، جن کی حرص اور لالچ ختم نہیں ہوتی: مَنْهُومٌ فِي الْعِلْمِ لَا يَشْبَعُ مِنْهُ، وَمَنْهُومٌ فِي الدُّنْيَا لَا يَشْبَعُ مِنْهَا:

دنیا کے حریص کا حال

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ ایک تو دنیا کا حریص ہے کہ جو دنیا کا طلب گار ہوتا ہے، اس کو کتنی ہی دنیا مل جائے، اس کا پیٹ بھرتا نہیں ہے، جیسا کہ ایک دوسری حدیث میں آتا ہے کہ اگر اس کو مال کی ایک وادی مل جائے تو وہ دوسری کی تمنا کرتا ہے اور دوسری مل جائے تو تیسری اور تیسری مل جائے تو چوتھی (۱)، آج تک آپ نے کبھی نہیں دیکھا ہوگا کہ دنیا کے حریص اور دنیا کے طلب گار کا پیٹ بھرا ہو، چاہے اس کے پاس اتنی دولت ہو جائے کہ اس کی دس نسلیں آرام سے کھا سکتی ہیں، پل سکتی ہیں تو بھی وہ اپنے کمانے اور دولت حاصل کرنے کے سلسلے کو بند نہیں کرے گا بلکہ اس کی حرص بڑھتی ہی جائے گی کہ میں اور زیادہ حاصل کروں، یہ تو دنیا کے حریص اور دنیا کے طلب گار کا حال ہے۔

علم کے حریص اور طالب کا بھی یہی حال ہونا چاہیے

نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ علم کا جو طلب گار ہے، علم کا جو حریص ہے، اس کی حرص اور طلب کا بھی یہی حال ہونا چاہیے کہ اس کی بھی حرص اور لالچ میں کبھی بھی کمی نہیں آنی چاہیے، وہ کتنا ہی علم کیوں نہ حاصل کرلے، پھر بھی اس کی علم کی طلب اور جستجو کا

---

(۱) صحیح البخاری، عن ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا، باب مَا يُحْذَرُ مِنْ زَهْرَةِ الدُّنْيَا وَ التَّنَافُسِ فِيهَا.

سلسلہ کبھی ختم نہیں ہونا چاہیے، جاری رہنا چاہیے۔ علم ایک ایسی چیز ہے کہ جس کی طلب کسی حد پر آ کر رکتی نہیں ہے۔

دورِ طالبِ علمی کی کوئی حد نہیں ہے

اسی لیے ہمارے اکابر میں سے غالباً امامِ احمدؒ یا حضرت عبداللہ بن مبارکؒ میں سے کسی سے پوچھا گیا ہے کہ علم کی طلب کب سے کب تک ہے تو انھوں نے جواب میں فرمایا تھا: من المهد الى اللحد کہ: علم کی طلب کا سلسلہ تو گھوارے سے لے کر قبر تک ہونا چاہیے، علم حاصل کرنے کا سلسلہ بچے کی پیدائش سے لے کر موت تک جاری رہتا ہے[1]۔

نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو زیادت فی العلم کی دعا کا حکم

خود نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی اللہ تبارک وتعالیٰ حکم دے رہے ہیں: وَقُلْ رَّبِّ زِدْنِيْ عِلْمًا: اے نبی خود آپ بھی اس دعا کا اہتمام کیجیے کہ اے میرے پروردگار! تو میرے علم میں ترقی عطا فرما۔ حالاں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جو علم اللہ تبارک وتعالیٰ نے عطا فرمایا تھا، جیسا کہ روایتوں میں ہے، نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: أعطیت علم الاولین والآخرین: کہ مجھے اگلوں اور پچھلوں کا علم دیا گیا، پھر بھی اللہ تبارک وتعالیٰ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حکم دے رہے ہیں کہ آپ ہمیشہ اللہ تبارک وتعالیٰ سے اپنے علم میں

---

(۱) وقيل لابن المبارك - رحمه الله - الى متى تطلب العلم؟ قال: حتى الممات ان شاء الله. (اتحاف النبلاء، ص ۱۴۱)

زیادتی کی دعا کرتے رہیے؛ اس لیے کہ علم کے مراتب کی کوئی انتہا نہیں، علم تو اللہ تبارک وتعالیٰ کی صفت ہے، جیسے اللہ تبارک وتعالیٰ بے نہایت ہیں، اسی طرح سے علم کی بھی کوئی انتہا نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ کا علم بے نہایہ ہے

بخاری شریف میں واقعہ موجود ہے کہ جب حضرت موسیٰ علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام حضرت خضر علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام کے پاس اس علم کو حاصل کرنے کے لیے پہنچے جو اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت خضر علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام کو عطا فرمایا تھا۔ اس کے بعد یہ دونوں حضرات دریا کے کنارے کنارے چل پڑے، ایک کشتی آئی اور حضرت خضر نے کشتی والوں سے بات کی اور حضرتِ موسی، حضرت خضر اور حضرتِ موسی کے خادم حضرت یوشع بن نون، تینوں اس میں سوار ہو گئے۔ بخاری شریف کی روایت میں ہے کہ اس دوران ایک چڑیا آئی اور جس ندی میں یہ کشتی چل رہی تھی، اس میں اپنی چونچ ڈبو کر کے پانی پینا شروع کیا، یہ منظر دیکھ کر حضرت خضر حضرت موسی سے فرمارہے ہیں کہ میرے اور تمھارے اور سارے عالم کے لوگوں کے علم کا حال اللہ تبارک وتعالیٰ کے علم کے سامنے ایسا ہے، جیسا کہ چڑیا کے اپنے چونچ میں لیے ہوئے پانی کا حال اس دریا کے پانی کے سامنے ہے[۱]۔

(۱) صحیح البخاری، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ تعالیٰ عنہما، باب حَدِیثِ الْخَضِرِ مَعَ مُوسَی عَلَیْہِمَا السَّلاَمُ.

چہ نسبت خاک را با عالمِ پاک

وہاں حدیث کی شرح کرنے والے علماء نے لکھا ہے کہ یہ بھی سمجھنے کے لیے بطورِ مثال ہے، ورنہ حقیقت تو یہ ہے کہ دونوں کے علم میں کوئی مناسبت ہی نہیں؛ اس لیے کہ چڑیا نے اپنی چونچ میں جو کچھ لیا ہے، وہ بھی متناہی ہے اور دریا کا پانی چاہے کتنا ہی زیادہ ہو، وہ بھی متناہی ہے اور ایک متناہی کو دوسرے متناہی کے ساتھ کوئی نہ کوئی نسبت تو ہوگی: ہزارواں، لاکھواں، اربواں حصہ تو ہوگا لیکن یہاں اہلِ دنیا کا علم جتنا بھی ہو، وہ متناہی ہے اور اللہ تبارک وتعالیٰ کا علم غیر متناہی ہے اور کسی متناہی کو غیر متناہی کے ساتھ کوئی نسبت ہو ہی نہیں سکتی۔ جب علم کا یہ حال ہے تو اس کی طلب اور جستجو بھی ہمیشہ باقی رہنی چاہیے۔

ناقص تمام عمر وہ رہتے ہیں علم سے

چنانچہ ہمارے اکابر کا حال یہ تھا کہ وہ علم کے سمندر کے سمندر پئے ہوئے ہوتے تھے، پھر بھی ان کی علم کی طلب کا سلسلہ ختم نہیں ہوتا تھا۔ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے واقعات آپ نے پڑھے ہوں گے کہ موت کے وقت بھی علمی مسائل کو حل کرنے میں مشغول تھے۔ ہمارے حضرت قاری صدیق احمد صاحب فرماتے ہیں کہ اگر طالبِ علمی کے زمانے میں طالبِ علم کو مطالعے کا شوق پیدا نہیں ہوا تو کچھ بھی نہیں۔

طلبِ علم کی راہ میں تعلقات، دوستیاں بہت بڑی مانع ہیں

آج ہمارا حال تو یہ ہے کہ ہم ساری لغویات میں مشغول ہیں، سوائے علم کی

طلب کے۔ علم کے حصول کے علاوہ سارے دھندے ہم کرتے ہیں۔ اس طرح علم نہیں آتا، علم کے حصول کے لیے یکسوئی ضروری ہے۔ ہمارے حضرت شیخ مولانا زکریا صاحب نور اللہ مرقدہ اپنے والدِ بزرگوار حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحب نور اللہ مرقدہ کا مقولہ نقل فرماتے ہیں کہ میرے والد صاحب فرمایا کرتے تھے کہ طالبِ علم کتنا ہی ہوشیار ہو لیکن اگر اس میں دوستی کی عادت ہے کہ اِدھر کسی سے دوستی اور اُدھر کسی سے دوستی ہے تو وہ کبھی نہیں پڑھ پائے گا، اسی میں ضائع اور برباد ہو جائے گا اور طالبِ علم کتنا ہی غبی کیوں نہ ہو لیکن اگر یکسوئی کے ساتھ پڑھتا ہے، کسی سے دوستی نہیں ہے تو اِن شاء اللہ تعالیٰ کچھ نہ کچھ حاصل کر کے جائے گا۔ حقیقت تو یہ ہے کہ پڑھنے کے زمانے میں اپنے آپ کو ساری چیزوں سے نکال کر کے اسی میں مشغول کرنے کی ضرورت ہے۔

حصولِ علم کے لیے یکسوئی بہت ضروری ہے

اسی لیے تو حصولِ علم کے لیے گھر چھوڑا جاتا ہے؛ اس لیے کہ گھر پر رہتے ہوئے آدمی کے گھر کا جو ماحول ہوتا ہے کہ ماں باپ ہیں، بھائی بہن ہیں، رشتہ دار ہیں تو ان تعلقات کو نبھانے کے چکر میں علم حاصل کرنے کے لیے جیسی یکسوئی حاصل ہونی چاہیے، وہ حاصل نہیں ہوتی؛ اسی لیے بزرگوں نے لکھا ہے کہ علم حاصل کرنے کے لیے آدمی وطن چھوڑ کر دوسری جگہ جائے۔ پہلے زمانے میں تو ایسا ہوتا تھا کہ علم حاصل کرنے کے لیے وطن چھوڑ کر دوسری جگہ گئے تو علم حاصل کر لینے تک وطن کے ساتھ کوئی تعلق باقی نہیں رہتا تھا، یہاں تک اگر ان کے گھر والوں کو ان کا پتہ معلوم ہے اور وہ کوئی خط بھیجتے

تھے تو اس کو بھی وہ پڑھتے نہیں تھے۔

حصولِ علم کے دوران یکسوئی حاصل کرنے کے لیے

ہمارے اسلاف کا اہتمام

حضرت شیخ نجم الدین کبری علیہ الرحمۃ کے حالات میں لکھا ہے کہ ان کے پاس خطوط آتے تھے تو ایک ہنڈیا تھی، اس میں ڈالا کرتے تھے، یہاں تک کہ پڑھنے کے پورے زمانے میں کوئی خط نہیں پڑھا، جب حصولِ علم سے فارغ ہوئے تو اس ہنڈیا کو الٹا تو جو خط سب سے نیچے تھا، وہ اوپر آیا، اس کو پڑھا، دوسرا پڑھا، کسی میں یہ لکھا ہے کہ فلانے کا انتقال ہوگیا تو اِنّا للہ پڑھی اور دعائے مغفرت کی۔ یہ یکسوئی تھی، اسی کا نتیجہ تھا کہ یہ حضرات علم حاصل کر کے جاتے تھے۔

طالبِ علمی کے زمانے میں تو آدمی پاؤں توڑ کر بیٹھ جائے

آج ہمارے دور میں تو اس موبائل نے آ کر ویسے بھی سارا کباڑا کر دیا ہے، اس کی وجہ ہمارے طلبہ ساری دنیا کی پل پل کی خبریں رکھتے ہیں، اگر خبر نہیں رکھتے تو علم اور اس کے متعلقات کی خبر نہیں رکھتے۔ ہمیں سارے شوق ہیں، پڑھنے کے زمانے میں اِدھر اُدھر جانا اور لوگوں کے ساتھ اپنے تعلقات بنانا، یہ طلبِ علم سے میل کھانے والی چیز نہیں ہے بلکہ طالبِ علمی کے زمانے میں تو آدمی پاؤں توڑ کر بیٹھ جائے۔

کئی ایام تک چپلوں کی ضرورت نہیں پڑی

حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے آپ بیتی میں اپنا قصہ لکھا ہے۔ جیسے ہم دارالاقامہ میں رہتے ہیں، حضرت اس طرح مدرسے کے دارالاقامہ میں رہتے نہیں تھے، اپنے گھر قیام رہتا تھا لیکن حضرت فرماتے ہیں کہ میرے چپل چوری ہو گئے تھے تو کئی دن تک مجھے چپل کی ضرورت پیش نہیں آئی؛ اس لیے کہ وہیں مدرسے میں رہتے تھے، کہیں آنے جانے کی ضرورت زیادہ پیش نہیں آتی تھی، زیادہ سے زیادہ استنجے کے لیے جانے کی ضرورت پیش آتی تو عام طور پر وہاں بیت الخلاء کے پاس دو چار چپلیں ہوا کرتی ہیں تو ان حضرات کا یہ حال تھا کہ کبھی نکلنے کی نوبت نہیں آتی تھی۔

حضرت مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور اسباق کی حاضری کا فکر

حضرت مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے حالات میں لکھا ہے کہ جس زمانے میں حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کے والد حضرت مولانا یحیی صاحب رحمۃ اللہ علیہ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں رہتے تھے؛ کیوں کہ آپ ان کے خادم تھے، حضرت مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ ان کے چھوٹے بھائی ہیں، وہ بھی ان کے ساتھ وہیں پر رہتے تھے۔ اب گنگوہ سے کاندھلہ کوئی زیادہ دور نہیں ہے، جو لوگ گئے ہیں، وہ جانتے ہیں کہ ایک ہی سڑک پر پہلے گنگوہ پھر کاندھلہ آتا ہے تو حضرت مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی والدہ نے خط لکھا، کہلوایا کہ بہت دن ہو گئے ہیں، الیاس کو دیکھا نہیں ہے، وہ گھر آ جائیں تو میں دیکھ لوں تو حضرت مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ جواب میں کہلوا دیتے تھے یا خط لکھ

دیتے تھے کہ میں آؤں گا تو سبق کا نقصان ہوگا؛ اس لیے میں نہیں آتا۔ جب بہت دن ہو گئے تو حضرت مولانا الیاس صاحب علیہ الرحمۃ کی والدہ نے حضرت گنگوہی علیہ الرحمۃ کو کہلوایا کہ میں الیاس کو کہتی ہوں کہ بہت دن ہو گئے، تو آکر مل لے، میں نے بہت دنوں سے دیکھا نہیں ہے لیکن وہ نہیں آتا تو حضرت گنگوہی علیہ الرحمۃ نے ان کو بلا کر کہا کہ تمھاری والدہ چاہتی ہیں تو جا کر مل آؤ تو جواب دیا کہ حضرت! میں جاؤں گا تو سبق کا ناغہ ہوگا تو حضرت گنگوہی علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ جاؤ، جب تک تم نہیں آؤ گے، سبق نہیں ہوگا، تب گئے۔ آدمی کو علم کا ایسا شوق ہونا چاہیے کہ سبق کی حاضری کا اتنا زیادہ اہتمام ہو۔

دو چار دن رہے تھے کسی کی نگاہ میں

حضرت مولانا قاری صدیق صاحب باندوی علیہ الرحمۃ نے اپنے رسالے ''آداب المتعلیمن'' میں حضرت قاری عبدالرحمٰن صاحب علیہ الرحمۃ کا واقعہ لکھا ہے۔ یہ ہمارے اکابر میں سے ہیں، حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدثِ دہلوی علیہ الرحمۃ کے پاس علم حاصل کرنے کے لیے آئے تھے پھر کچھ دنوں ہی میں حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ کا انتقال ہو گیا تھا تو حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمۃ کے گھر والوں نے حضرت مولانا شاہ محمد اسحاق صاحب علیہ الرحمۃ کو حدیث کا درس دینے کے لیے ان کا جانشین مقرر کیا۔ اب عام طور پر ایسا ہوتا ہے کہ جنھوں نے بڑوں کو دیکھا ہوا ہوتا ہے، چھوٹے ان کی نگاہوں میں جچتے نہیں ہیں۔ اب آپ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدثِ دہلوی علیہ الرحمۃ کی خدمت میں کچھ دن رہے تھے اور ان کے انتقال کے بعد ان کی جگہ پر حضرت مولانا شاہ محمد

اسحاق صاحب علیہ الرحمۃ کو طے کیا گیا تو حضرت مولانا شاہ محمد اسحاق صاحب علیہ الرحمۃ کے متعلق ان کے دل میں یہ آیا کہ اب ان سے علم کیا حاصل کروں؟ تو آپ نے حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدثِ دہلوی علیہ الرحمۃ کو خواب میں دیکھا کہ آپ فرمارہے ہیں: عبدالرحمٰن! تم محمد اسحاق کے درس میں جایا کرو، ان سے تمہیں وہی فائدہ پہنچے گا جو مجھ سے پہنچتا تھا۔

قدیم زمانے میں طلبہ کے کھانے اور رہائش کے نظم کی ایک صورت

اس زمانے میں جیسے ہمارے مدرسوں میں دارالاقامہ ہوا کرتے ہیں، اس طرح کے دارالاقامہ اور مدرسے کی مستقل عمارتیں تو تھیں نہیں۔ حضرت مولانا شاہ محمد اسحاق صاحب علیہ الرحمۃ کا درس اکبری مسجد میں ہوا کرتا تھا۔ انگریزوں نے ۱۸۵۷ء کے بعد اس اکبری کو مسجد کو ختم کر دیا اور اب دہلی کی جامع مسجد کے سامنے جو ایڈورڈ پارک ہے، اسی میں ایک جگہ یہ مسجد تھی۔ وہاں درس ہوتا تھا اور طلبہ دہلی کی دوسری مسجدوں میں قیام کرتے تھے۔ اس زمانے میں باہر سے آنے والا طلبہ کے قیام کا یہیں انتظام ہوتا تھا کہ مسجد کے حجرے ہوتے تھے، اسی میں یہ حضرات ٹھیرتے تھے پھر محلے میں سے کسی کے یہاں سے کھانا آجاتا تھا۔

مجھے یقین تھا کہ عبدالرحمٰن سبق کا ناغہ نہیں کریں گے

تو حضرت قاری عبدالرحمٰن صاحب علیہ الرحمۃ پڑھنے کے زمانے میں ذرا دور کی مسجد میں رہتے تھے۔ ایک مرتبہ سردی کے زمانے میں ایسا ہوا کہ بہت زیادہ بارش

شروع ہوگئی اور وہاں یوپی میں سردی کے زمانے میں جب بارش ہوتی ہے تو سردی بھی بڑھ جاتی ہے، خاص کر کے چلّے کا زمانہ: دسمبر، جنوری کا۔ اس میں کبھی بارش ہو جاتی ہے اور سردی شباب پر ہوتی ہے۔ تو بڑی تیز بارش ہونے لگی۔ سبق کا وقت ہو گیا، تمام طلبہ آ کر حضرت مولانا شاہ محمد اسحاق صاحب علیہ الرحمۃ کے سامنے بیٹھ گئے لیکن حضرت قاری عبدالرحمٰن صاحب علیہ الرحمۃ ابھی نظر نہیں آ رہے ہیں تو حضرت مولانا شاہ محمد اسحاق صاحب علیہ الرحمۃ نے سبق شروع نہیں کرایا۔ طلبہ سمجھ گئے کہ قاری صاحب ابھی نہیں آئے ہیں؛ اس لیے ابھی سبق شروع نہیں کرایا ہے۔ کسی نے کہا -طلبہ کی عادت ہوتی ہے- کہ قاری صاحب تو دور رہتے ہیں، شاید اتنی تیز بارش میں نہیں آئیں گے تو حضرت شاہ صاحب نے کوئی جواب نہیں دیا، یہ بات ابھی تو پوری ہوئی نہیں تھی کہ قاری عبدالرحمٰن صاحب بارش میں بھیگتے ہوئے اور کتاب کو ایک مٹکے میں رکھ کر اور مٹکے کو الٹا لٹکائے ہوئے -تا کہ کتاب بھیگنے نہ پائے- اور خود بھیگتے ہوئے آئے اور درس میں شریک ہو گئے۔ یہ دیکھ کر حضرت شاہ اسحاق صاحب علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ مجھے یقین تھا کہ عبدالرحمٰن سبق کا ناغہ نہیں کریں گے، اس کے بعد شاگردوں سے ایک جملہ فرمایا کہ تمھیں معلوم ہے کہ حدیث کے الفاظ یہ مجھ سے حاصل کرتے ہیں اور ان کے معانی میں ان سے حاصل کرتا ہوں، سبق کی حاضری کا اتنا اہتمام اور اس کے نتیجے میں استاذ کے ایک شاگرد کے بارے میں اتنی بڑی سند! سوچنے کا مقام ہے۔

حضرت قاری عبدالرحمٰن صاحب علیہ الرحمۃ اور اختلاط سے پرہیز

ان ہی کے حالات میں لکھا ہے کہ آپ چوں کہ پانی پت کے رہنے والے

تھے اور پانی پت دلّی سے کوئی زیادہ دور نہیں ہے؛ اس لیے ان کی بستی سے لوگ کام کاج کے لیے آیا کرتے تھے تو راستے میں اگر بستی کا کوئی آدمی مل جاتا تو سلام کر کے فوراً کہتے کہ میں تو یہاں پڑھنے کے لیے آیا ہوں، ابھی میرے پاس آپ سے ملاقات کے لیے وقت نہیں ہے، جب میں وطن میں آؤں گا تو آپ سے ملوں گا، کسی سے ملتے نہیں تھے۔

ببیں تفاوت رہ از کجا تا بہ کجا

اور آج کل کیا ہو گیا ہے؟ اگر یہاں ہمارے گاؤں کا کوئی آدمی اپنے کام کے لیے بھی آ گیا ہو تو ہمارے طلبہ اس کو اٹھائے اٹھائے پھرتے ہیں اور اس کے لیے کھانے پینے کا بہترین انتظام کرتے ہیں، وہ بھی سوچنے لگتا ہے کہ ایسا محبت کرنے والا تو ہم کو کبھی ملا ہی نہیں۔ ایسا اس لیے کرتا ہے؛ تاکہ اس بہانے سے ایک سبق کی چھٹی مل جائے، گویا ہم اسی انتظار اور ادھیڑ بن میں رہتے ہیں کہ کسی بھی بہانے سے ہمیں سبق میں غیر حاضری کا موقع مل جائے۔ اب جب ہمارا مزاج یہ ہو اور ہماری طلب کا حال یہ ہو تو پھر علم کیسے آئے گا؟ علم دینا اللہ تبارک وتعالیٰ کا کام ہے اور وہ تو حقیقتِ حال سے واقف ہیں؛ اس لیے ضرورت ہے کہ ہم اپنی ذات کو حقیقی معنے میں طالبِ علم بنائیں۔

طلبہ کے منہ سے نکلنے والا ایک ناشائستہ جملہ

ہم اپنے آپ کو علم حاصل کرنے کے پیچھے ایسا لگائیں اور اتنی محنت کریں کہ دیکھنے والے یہ کہیں کہ یہ تو علم کو حاصل کرنے میں محنت کر کر کے اپنے آپ کو بیمار کر

ڈالے گا، ہمارے اساتذہ ہمیں یہ کہیں لیکن ہمارا حال یہ ہے کہ محنت تو کرتے نہیں اور اگر کوئی کہے کہ محنت کرو، راتوں میں کتابوں کا مطالعہ کرو، سبق یاد کرو تو یہ جواب میں کہے گا: وَلِنَفْسِكَ عَلَيْكَ حَقًّا کہ: تمھاری ذات کا بھی تم پر حق ہے! تو میں کہتا ہوں کہ یہ جو وَلِنَفْسِكَ عَلَيْكَ حَقًّا ہے، یہ ہم اپنے لیے نہیں بولیں گے، یہ تو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو اس وقت کہا تھا، جب کہ ان کے والد بزرگ وار نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ شکایت کی تھی کہ میرا بیٹا رات بھر نماز میں مشغول رہتا ہے اور دن بھر روزہ رکھتا ہے، تب نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے یہ کہا تھا تو ہم بھی رات رات بھر کتابیں یاد کرنے کے لیے بیٹھے رہیں اور ہمارے اساتذہ ہم سے یوں کہیں: وَلِنَفْسِكَ عَلَيْكَ حَقًّا، تب یہ جملہ اپنی جگہ پر برابر ہے، ورنہ ہم اپنے منہ سے یہ بات کہیں کہ وَلِنَفْسِكَ عَلَيْكَ حَقًّا تو یہ تو فضول اور مذاق جیسی بات ہوگئی۔

حصولِ علم کی راہ میں شانِ بے نیازی مُہلِک ہے

دیکھو بھائی! اللہ تبارک وتعالیٰ کے یہاں دینے کا مدار صلاحیت پر نہیں ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ تو طلب پر دیتے ہیں، جیسی طلب ہوگی، ویسی عطا ہوگی تو اگر ہم لگے رہیں گے تو اللہ تبارک وتعالیٰ عطا فرمائیں گے، اس کے خزانے میں کوئی کمی نہیں ہے اور اگر ہم بے پروائی والا، بے اعتنائی والا انداز اختیار کریں گے، بے نیازی کی شان کا اظہار کریں گے کہ گویا ہم کو علم کی کوئی ضرورت نہیں ہے تو ہم کو علم کی ضرورت نہیں ہے تو کیا۔ نعوذ باللہ۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کو ضرورت ہے کہ وہ ہم کو دیں گے؟ اس کی ذات تو

بڑی بے نیاز ہے۔

العلم لا يعطيك بعضه حتى تعطيه كلك

علم کے متعلق تو آپ نے نفحۃ العرب میں پڑھا ہوگا۔ حضرت مولانا اعزاز علی صاحب علیہ الرحمۃ نے ایک عنوان قائم کیا ہے: العلم لا يعطيك بعضه حتى تعطيه كلك: یہ علم تمھیں اپنا بعض حصہ بھی نہیں دے گا، جب تک تم اپنا سب کچھ علم کو نہ دے ڈالو(۱)۔ یعنی اپنا سب کچھ قربان کروگے، تب جا کر تمھیں تھوڑا سا علم آئے گا۔

مانگتا ہے ہم سے قربانی بہت

اسی کتاب میں امام ابو یوسف علیہ الرحمۃ کے بارے میں لکھا ہے کہ ''۲۹'' سال تک امام ابوحنیفہ علیہ الرحمۃ کی مجلسِ درس میں شریک رہے اور امام ابوحنیفہ علیہ الرحمۃ کی مجلس فجر کے بعد شروع ہو جاتی تھی تو ''۲۹'' سال تک امام ابو یوسف علیہ الرحمۃ نے جس مسجد میں امام ابوحنیفہ علیہ الرحمۃ کا درس ہوتا تھا، وہیں نماز پڑھی، چاہے عید الفطر ہو یا عید الاضحیٰ ہو، عید کے دن بھی کبھی غیر حاضری نہیں کی۔

درس میں حاضری کے لیے بچے کی تکفین وتدفین میں شرکت سے معذرت

آپ کے حالات میں لکھا ہے کہ ایک مرتبہ آپ کا چھوٹا دودھ پیتا بچہ رات

(۱) بعض نے اس جملے کو امام ابو یوسف علیہ الرحمۃ کا مقولہ قرار دیا ہے۔ (شذرات الذهب في أخبار من ذهب ۱/ ۲۹۹) اور بعض نے علی بن جعد علیہ الرحمۃ کی طرف منسوب کیا ہے۔ (الجواهر المضية في طبقات الحنفية ۲/ ۵۲۳)

میں انتقال کر گیا تو گھر والوں سے کہا کہ تم اس کے کفن دفن کا انتظام کرنا، میں تو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی مجلسِ درس میں حاضری دینے جارہا ہوں۔ ایسی قربانیوں کے ساتھ جب انھوں نے علم حاصل کیا تو پھر اللہ تبارک وتعالیٰ نے انھیں اس طرح نوازا تو حقیقت یہی ہے کہ جب آدمی اللہ تبارک وتعالیٰ کے لیے قربانیاں دیتا ہے، اس کے لیے کچھ مشقت برداشت کرتا ہے تو پھر اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے اس کو نوازا جاتا ہے۔

ایسے مواقع زندگی میں بار بار آیا نہیں کرتے

اللہ تبارک وتعالیٰ کا کتنا بڑا انعام ہے کہ اس نے آپ لوگوں کو یہاں پہنچادیا اور آپ کی ساری ضرورتوں کا انتظام فرمادیا، ورنہ ہمارے اکابر اور اسلاف کے زمانے میں یہ سہولتیں کہاں میسر تھیں؟ آپ کو یہ ساری سہولتیں محض اتنی بات پر اللہ تبارک وتعالیٰ نے مہیا فرمادیں کہ آپ نے مدرسے میں داخل ہو کر اپنے آپ کو طالبِ علم ظاہر کیا تو اگر آپ حقیقی معنی میں علم حاصل کرلیں گے اور پھر علمی خدمات کے لیے اپنے آپ کو وقف کردیں گے تو پھر اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے کیا کچھ آپ کو نہیں عطا کیا جائے گا!؟ سوچنے کی چیز ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ کو موقع دیا ہے تو اپنے آپ کو پوری توجہ کے ساتھ علم حاصل کرنے میں لگائیے، ایسے مواقع زندگی میں بار بار آیا نہیں کرتے۔

گیا وقت پھر ہاتھ آتا نہیں

یہ علم آپ اپنی زندگی کے ''۲۴''، ''۲۵'' سال تک حاصل کرسکتے ہیں۔ ''۲۵'' سال پار کر گئے تو پھر آپ کی ذمہ داریوں کا دور آجائے گا، گھر والے آپ کی

شادی کرادیں گے پھر بچے ہوں گے تو ان کی فکر آپ کے سر آپڑے گی پھر آپ یہ چاہیں کہ میں کسی مدرسے میں داخلہ لے لوں اور پڑھ لوں تو یہ ممکن نہیں ہوگا، وہ دور تو چلا گیا تو آپ جس دور میں ہیں، وہ طلبِ علم کا دور ہے، ضرورت ہے کہ اس کو غنیمت جان کر علم حاصل کرنے میں لگ جائیں۔

مطالعہ کی اہمیت اور اس کی طرف سے ہماری غفلت

علم حاصل کرنے کے لیے تین چیزوں کی ضرورت ہے: ایک تو مطالعہ ہے، مطالعہ کا مطلب یہ ہے کہ اگلے دن کے سبق کی تیاری کرلیں، اس کو آپ دیکھ لیں، اپنے ذہن اور طبیعت کو اس قابل بنالیں کہ کل استاذ جو سبق دینے والے ہیں، آپ اس کو اچھی طرح سمجھ لیں تو اس کے لیے ضروری ہے کہ آپ پہلے سے اس کی تیاری کرلیں، دیکھ لیں۔ آج کل مطالعہ کا مزاج ہمارے مدارس سے ختم ہی ہوگیا، طلبہ مطالعہ تو کرتے ہی نہیں یعنی آئندہ کل جو سبق ہونے والا ہے، اس کو دیکھنے کا سلسلہ ختم ہوگیا اور اس کا نتیجہ یہ ہے کہ سبق سمجھ میں نہیں آتا تو سارا الزام استاذ کے سر ڈالا جاتا ہے کہ سبق ایسا پڑھاتے ہیں کہ سمجھ میں نہیں آتا۔ بھائی! آپ نے مطالعہ ہی نہیں کیا تو سمجھ میں کیسے آئے گا؟ ہمارے بزرگوں کے حالات میں لکھا ہے کہ ان کے یہاں یہ اصول تھا کہ (طلبہ نے) اگر مطالعہ نہیں کیا ہے تو پڑھاتے نہیں تھے۔ اب اگر آج کل اساتذہ ایسا کرنے لگیں تو کسی دن سبق ہی نہیں ہوگا؛ اس لیے کہ کوئی مطالعہ کرکے ہی نہیں آتا۔ مطالعہ کے بغیر سبق کیسے سمجھ میں آئے گا؟

کسی بھی کام کو انجام دینے سے پہلے اس کے لیے پیشگی تیاریاں انجام دی جاتی ہیں

مطالعہ کیا ہے؟ استاذ جو سبق دے رہے ہیں، اس کی تیاری کرنا۔ ہر چیز کے لیے تیاری کی جاتی ہے، جیسے آپ میلے کپڑے دھوتے ہیں تو کیا ایسے ہی صابون لگا کر دھونا شروع کر دیتے ہیں؟ نہیں، بلکہ دھونے سے پہلے آپ ان کپڑوں کو ایک بالٹی میں ڈال کر کے پندرہ، بیس منٹ تک پانی میں ڈبوئے رکھیں گے پھر نکالیں گے اور اس پر صابون گھسیں گے اور صابون گھسنے کے بعد پندرہ، بیس منٹ کے لیے اس کو چھوڑ دیں گے؛ تاکہ کپڑوں کے اندر موجود میل میں صابون اپنا اثر دکھاوے اور وہ اس میل کو کپڑے سے چھڑاوے اور پندرہ، بیس منٹ کے بعد جب اس کو تھپتھپائیں گے اور اس پر پانی ڈال دیں گے تو سارا میل کچیل نکل جائے گا۔ اب دیکھیے! اگر کوئی آدمی کپڑے دھونے کا یہ طریقہ اختیار کیے بغیر اور ان کو پانی میں ڈبوئے بغیر ہی ان پر صابون ملنا شروع کر دے تو کیا میل نکلے گا؟ میل تو کیا نکلے گا، یہ جو ہے، وہ بھی ایسا چپک جائے گا کہ پھر لونڈری میں ڈالو گے تو بھی وہ نکلنے والا نہیں ہے۔

یہ تجربہ ہے، خوب سمجھتے ہیں وہ سبق

دیکھیے! آپ سوئی میں تاگہ پروتے ہیں تو کیا کرتے ہیں؟ تاگے کا سِرا لے کر اس کو یوں ہی سوئی میں ڈالو گے تو کیا وہ چلا جائے گا؟ ہرگز نہیں جائے گا بلکہ تاگے کا سِرا لے کر اس کو انگلی سے نوکیلا بنائیں گے، گویا اس کو ایسا بنائیں گے کہ وہ سوئی کے ناکے

میں جانے کے قابل ہو جائے پھر ڈالیں گے، ایسے ہی نہیں جائے گا تو اسی طرح آپ کی سمجھ میں سبق آوے، اس کے لیے پہلے سے تیاری کرنی پڑے گی، اسی کا نام مطالعہ ہے اور مطالعہ کرنے کے بعد سبق پڑھیں گے تو اب سمجھ میں آ جائے گا لیکن اب سمجھ میں آنے کی وجہ سے کسی غلط فہمی میں مبتلا مت ہو جانا، یہ سمجھ میں آیا ہوا باقی اس وقت رہے گا، جب آپ اس کی تکرار کریں گے۔

تکرار کا مفہوم

تکرار کا مطلب یہ ہے کہ دو دو بیٹھ جائیں اور استاذ نے جس طرح سبق سمجھایا ہے، ایک اس طرح اس سبق کا اعادہ کرے اور دوسرا سنے پھر دوسرا بولے اور پہلا سنے، اس طرح استاذ کا سمجھایا ہوا جب ہم اس طرح ایک دوسرے کے سامنے دہرائیں گے تو وہ ہمارے ذہن میں پکا ہو جائے گا۔

تکرار کا فائدہ

یہ ایسا ہی ہے جیسے دیکھو! وہ دھاگہ پِرونے سے پہلے اس کو نوکیلا بناتے ہیں، تب وہ ناکے میں جائے گا، اب ناکے میں داخل ہوا اور آپ نے اس کو چھوڑ دیا تو وہ نکل جائے گا تو دیکھو نوکیلا بنانے سے تاگہ اندر جانے کے قابل ہوا، ایسے ہی مطالعے کی وجہ سے ذہن اس قابل ہوا کہ استاذ کا سبق سمجھ سکے۔ اب سمجھ میں آیا اور آپ بے فکر ہو گئے، نہیں بلکہ تاگہ ناکے میں داخل ہونے کے بعد اس کو دوسری طرف سے پکڑ کر تھوڑا کھینچ لیں گے تو تاگہ اس میں اچھی طرح جم جائے گا۔ یہ ہے تکرار۔ اب اس کو

زمین پر بھی ڈال دو تو بھی وہ تاگہ نکلنے والا نہیں ہے، ایسے ہی تکرار کی وجہ سے سبق ذہن میں ایسا پختہ ہو جائے گا کہ پھر وہ جلدی نکلنے والا نہیں۔

حضرت تھانوی علیہ الرحمۃ کی گارنٹی

حضرت تھانوی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ طالبِ علم اگر ان تین چیزوں کا اہتمام کر لے: (۱) مطالعہ (۲) سبق کی حاضری (۳) تکرار، تو میں گارنٹی دیتا ہوں کہ وہ علم ضرور حاصل کر لے گا۔ یہ تو ارکان کی حیثیت رکھتے ہیں۔

زندگی خود بھی گناہوں کی سزا دیتی ہے

اس کے علاوہ اساتذہ کا ادب واحترام، کتابوں کا ادب واحترام، درس گاہوں اور دیگر آلاتِ علم کا ادب واحترام۔ اسی طریقے سے اعمال کا اہتمام، گناہوں سے اپنے آپ کو بچانے کا اہتمام۔ طالبِ علمی کے زمانے میں گناہوں سے خود کو بچانے کا اہتمام بہت ضروری ہے، جو طالبِ علم اپنے آپ کو گناہوں سے بچاتا نہیں، اس کو علم نہیں آتا اور اگر علم آ بھی گیا تو بزرگوں نے لکھا ہے کہ وہ علم اس کو فائدہ نہیں پہنچاتا، یا تو وہ مال داروں اور امیروں کے دروازوں پر ٹھوکریں کھاتا پھرے گا یا پھر جوانی میں موت آ جائے گی، اس کے علم سے اس کو اور دوسروں کو فائدہ نہیں پہنچے گا، اگر اس نے گناہ کیے ہیں؛ اس لیے اپنے آپ کو گناہوں سے بچانے کی ضرورت ہے۔

آنکھ اور زبان کی حفاظت کیجیے

آج کل طلبہ میں آنکھ کی حفاظت، زبان کی حفاظت کا اہتمام بالکل نہیں، یہ

آنکھ کی بے احتیاطی، زبان کی بے احتیاطی اتنی عام ہوگئی کہ بس اللہ کی پناہ! دوسرے گناہ تو اپنی جگہ پر ہیں تو اپنے آپ کو گناہوں سے بچانے کا اہتمام بہت ضروری ہے۔ آپ بدنگاہی کرتے ہیں، کسی نامحرم عورت کو دیکھتے ہیں، کسی بے ریش لڑکے کو دیکھتے ہیں تو اس حدیث کا مصداق بن جاتے ہیں، مشکوۃ کی روایت ہے: لَعَنَ اللّٰهُ النَّاظِرَ وَالْمَنْظُوْرَ إِلَيْهِ کہ: دیکھنے والے پر بھی لعنت اور جس کو دیکھا جا رہا ہے، اس پر بھی لعنت ہوگی (۱)۔ اب اس لعنت کے ساتھ علم کہاں آسکتا ہے!

اساتذہ کا ادب واحترام بھی نہایت ہی ضروری ہے

اساتذہ کا ادب واحترام بھی نہایت ہی ضروری ہے، جب تک اساتذہ کا ادب نہیں ہوگا، علم نہیں آئے گا۔ قدرت کا ایک قانون رہا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ استاذ کے قلب کے واسطے سے آپ کے قلب پر علم کا فیضان کریں گے، علم اسی طرح آئے گا۔ لوگ یوں سمجھیں کہ ہم انٹرنیٹ پر دیکھ لیں گے، فلاں سائٹ کھول لیں گے اور کمپیوٹر کی مدد سے علم حاصل کرلیں گے تو اس سے کچھ ہونے والا نہیں ہے۔ علم کے سلسلے میں آپ جب تک اساتذہ کے سامنے زانوئے ادب تہہ نہیں کریں گے، وہاں تک دین کا علم آسکتا نہیں ہے، یہ قدرت کا ایک قانون ہے۔ اس کائنات کا نظام چلانے کے لیے اللہ تبارک وتعالیٰ نے اسباب اور مسببات کا ایک سلسلہ قائم فرمایا ہے، علم بھی اس سلسلے میں آتا ہے اور علم کا ایک سبب یہ ہے کہ طالبِ علم بحیثیت طالبِ علم کے استاذ کے سامنے

---

(۱) السنن الکبری للبیهقی، عَنِ الْحَسَنِ علیہ الرحمۃ، باب مَا جَاءَ فِي الرَّجُلِ يَنْظُرُ إِلَى عَوْرَةِ الرَّجُلِ الخ

زانوئے ادب تہہ کرے۔

اساتذہ کی دعائیں لیتے رہیے

اپنے استاذ کو کبھی کمتر مت سمجھو، چاہے آپ کی صلاحیت کتنی ہی اونچی کیوں نہ ہوجائے، یوں سمجھتے رہو کہ اللہ تبارک وتعالیٰ مجھے ان کے واسطے سے علم عطا فرمائیں گے۔ اس کے بغیر علم آنے والا نہیں ہے؛ اس لیے اساتذہ کا ادب واحترام، ان کی خدمت، ان کا پاس ولحاظ، ان کی دعائیں لینا، ان باتوں کو اپنا معمول بنالو۔

کوئی کارواں سے ٹوٹا، کوئی بدگماں حرم سے

اپنے ساتھیوں کا بھی ادب واحترام کرو، ان کے ساتھ حسنِ سلوک سے پیش آؤ، ان کو اپنی ذات سے کوئی تکلیف نہ پہنچنے دو۔ آج کل کیا ہوگیا ہے؟ طلبہ کا ایک مزاج بنا ہوا کہ دوسروں کے پیچھے لگ جاتے ہیں، خاص کر کے جو محنتی ہوتے ہیں، اپنے کام میں لگے ہوئے ہوتے ہیں، ان کے پیچھے لگ جائیں گے، نہ خود پڑھیں گے، نہ ان کو پڑھنے دیں گے، بس مدرسے میں شرارت کا ایک سلسلہ چل رہا ہے، کسی کو چین سے بیٹھنے نہیں دینا ہے، بے چارے اچھے اچھے محنتی طلبہ ان شرارت پسند لڑکوں کی وجہ سے مجبوراً مدرسہ چھوڑ دیتے ہیں۔

کبھی بھول کر کسی سے نہ کرو سلوک ایسا

حضرت مولانا علی میاں صاحبؒ نے کئی جلدوں میں اپنی آپ بیتی لکھی ہے، اس کا نام ہے: کاروانِ زندگی۔ اس کی پہلی جلد میں خاص طور پر لکھا ہے کہ ان کی والدہ

کی عادت تھی کہ کسی چھوٹے کو نہ ستائیں۔ یہ طالبِ علمی کے زمانے میں بچوں کی جو عادت ہوتی ہے نا کہ اپنے سے چھوٹوں یا ہم عمروں کو ستاتے ہیں تو اس ستانے کے نتیجے میں یہ لوگ علم سے محروم رہتے ہیں تو یہ علم سے محروم رکھنے والی چیز ہے؛ اس لیے کبھی بھی کسی کو مت ستاؤ، کسی کا دل مت دکھاؤ، اگر ستاؤ گے تو علم سے تو محروم رہو گے ہی، آپ کی زندگی پر مہر لگ جائے گی؛ اس لیے اس کا بھی بڑا اہتمام کریں۔

اصلاحِ نفس کا یہ موقع ہاتھ سے مت جانے دیجیے

اس کے علاوہ جماعت کے ساتھ نماز پڑھا کیجیے، ابھی سے اس کی عادت ڈالیے، ابھی پڑھنے کے زمانے میں اگر اس کی عادت نہ ڈالی تو بعد میں بھی یہی حال رہے گا۔ آپ یوں مت سمجھیے کہ ابھی یوں ہی چلالو، بعد میں عادت ڈال لیں گے، نہیں، بچپن میں جو عادت بنتی ہے، وہی پختہ بن جاتی ہے، وہی آگے جا کر باقی رہتی ہے؛ اس لیے اگر ابھی سے جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کی عادت ڈالیں گے تو فراغت کے بعد بھی یہی عادت برقرار رہے گی۔

اخلاق درست کر کہ زینت ہے یہی

اچھے اخلاق، معاملات کی درستگی کا بھی اہتمام ہو، الغرض! پڑھنے کے زمانے میں علمی اور عملی اعتبار سے آپ اپنے آپ کو جتنا زیادہ بنانے کا اہتمام کریں گے، اتنا ہی آپ کو فائدہ ہوگا، یہی آپ کے بننے اور بگڑنے کا زمانہ ہے؛ اس لیے ہر پہلو سے اپنے آپ کو بنانے کی محنت کیجیے تو اللہ تبارک وتعالیٰ بھی آپ کو بنائیں گے۔

اہلِ مدرسہ کے خلاف بھڑکانے والے آپ کے خیرخواہ نہیں ہیں

آپ کے اساتذہ ہیں، منتظمین ہیں، مربی ہیں، نگران ہیں، ان کی طرف سے جو ہدایتیں دی جائیں، ان ہدایتوں کو پوری اطاعت اور فرماں برداری کے ساتھ قبول کر کے عمل کا جامہ پہنائیے۔ حقیقی معنی میں آپ کے خیرخواہ یہی ہیں۔ آج کل ایک بات اور بھی ہوگئی ہے کہ لوگ طلبہ کو اساتذہ اور منتظمین کے خلاف ورغلاتے ہیں تو آپ ذرا سمجھ داری سے کام لیجیے۔ جو آدمی ''میرا خیرخواہ کون ہے اور میرا بدخواہ کون ہے، میرا دشمن کون ہے اور میرا دوست کون ہے'' اس میں اگر تمیز نہیں کرسکتا تو وہ آدمی زندگی میں کبھی بھی کامیابی حاصل نہیں کرسکتا۔ جو لوگ آپ کے اساتذہ، منتظمین اور مربیوں کے خلاف آپ کا ذہن بناتے ہیں، وہ آپ کے خیرخواہ نہیں ہیں بلکہ دشمن ہیں، یہ اساتذہ اور منتظمین آپ کے خیرخواہ ہیں، ان کی باتوں پر عمل کیجیے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ ان باتوں پر عمل کی توفیق اور سعادت عطا فرمائے۔ (آمین)

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔

طالبانِ علومِ نبوت سے

کچھ باتیں، کچھ نصیحتیں

بمقام: جامعہ اسدیہ

بوقت: ۳۱/۱/ ۲۰۱۳

اقتباس

اب طالبِ علم کس کو کہتے ہیں؟ اس کی تعریف کیا ہے تو حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب نور اللہ مرقدہ فرمایا کرتے تھے کہ طالبِ علم وہ ہے کہ ہر وقت اور ہر گھڑی اس کے دل ودماغ میں کوئی مسئلہ گردش کرتا رہتا ہو، جس کو سلجھانے میں وہ لگا رہتا ہو، گویا ''۲۴'' گھنٹے اس کا دماغ اسی میں مصروف ہو۔ جیسے ایک دوکان دار ہے، وہ بازار میں دوکان کھولے تجارت کے لیے بیٹھتا ہے تو ایسا نہیں ہے کہ جب وہ دوکان کھول کر بیٹھتا ہے، اسی وقت وہ تاجر ہے بلکہ دوکان بند کر کے جب گھر جائے گا، کھانا کھانے کے لیے دستر خوان پر بیٹھے گا، تب بھی اس کا دماغ اپنی دوکان میں ہوگا، آرام کے لیے بستر پر لیٹے گا، قضائے حاجت کے لیے بیت الخلا جائے گا تو وہاں پر بھی اس کی دوکان اس کے دل ودماغ پر سوار ہے تو وہ ''۲۴'' گھنٹے تاجر ہے، ایسا نہیں کہ جب دوکان میں ہے، تبھی دوکان دار اور تاجر ہے۔

یہی حال طالبِ علم کا ہونا چاہیے، ایسا نہیں کہ درس گاہ میں استاذ کے سامنے کتاب کھول کر بیٹھا ہے، تبھی طالبِ علم ہے اور چھٹی ہوئی تو سب بھول بھال گیا، نہیں بلکہ چھٹی کے بعد بھی جب مطبخ میں کھانے کے لیے جائے گا تو اس کے دل ودماغ پر کتابیں سوار رہنی چاہئیں، مسائل کو سلجھانے میں مشغول ہونا چاہیے۔ ہم اپنے اکابر کی زندگیوں کا مطالعہ کرتے ہیں تو یہ چیز صاف نظر آتی ہے۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

الحمدُ لله رب العالمين والصلوة والسلام على سيد الأنبياءِ والمرسلين، سيدنا ونبينا وحبيبنا وشفيعنا محمد وآله وأصحابه أجمعين، أمّا بعد:

فَاَعُوۡذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيۡطٰنِ الرَّجِيۡمِ بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ: ﴿وَقُلۡ رَّبِّ زِدۡنِيۡ عِلۡمًا﴾ [طه:۱۱۴]

وقال النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: مَنۡهُومَانِ لَا يَشۡبَعَانِ، مَنۡهُومٌ فِي الۡعِلۡمِ لَا يَشۡبَعُ مِنۡهُ، وَمَنۡهُومٌ فِي الدُّنۡيَا لَا يَشۡبَعُ مِنۡهَا. (شعب الإيمان، عَنۡ أَنَسٍ رضی اللہ عنہ، بَابٌ فِي الزُّهۡدِ وَقِصَرِ الۡأَمَلِ)

ایک واقعہ

عزیز طلبہ! علم کے فضائل اور مناقب ہم دن رات بیان کرتے رہتے ہیں، سنتے رہتے ہیں، آپ حضرات اس سے واقف ہیں، ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم حقیقی معنے میں طالبِ علم بن جائیں۔ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا نور اللہ مرقدہ جب براہِ کراچی حجاز تشریف لے گئے تو وہاں کراچی کے قیام کے دوران دار العلوم کورنگی جو حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب نور اللہ مرقدہ کا قائم کیا ہوا مدرسہ ہے، وہاں تشریف لے گئے۔ یہ واقعہ میں نے براہِ راست حضرت مفتی تقی عثمانی صاحب دامت برکاتھم سے سنا۔ آج سے تقریباً ''۳۰'' سال پہلے ایک فقہی سیمنار میں حیدر آباد تشریف لائے تھے، وہاں طلبہ کی طرف سے ایک استقبالیہ دیا گیا تھا، اس موقع پر آپ نے یہ واقعہ سنایا تھا۔

پیارو! اپنی قدر پہچانو اور واقعی طالبِ علم بننے کی کوشش کرو

حضرت شیخ علیہ الرحمۃ کے متعلق سب جانتے ہیں کہ حضرت کوئی تقریر نہیں فرماتے تھے، آپ کا علمی مقام بڑا اونچا تھا، آج اہلِ علم حضرات میں سے کون ایسا ہے جس پر حضرت کا علمی احسان نہ ہو لیکن حضرت کی عادت تقریر کی تھی نہیں۔ حضرت مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتھم فرماتے ہیں کہ ہم اساتذہ اور طلبہ نے حضرت سے درخواست کی کہ حضرت کچھ نصیحت فرمائیں تو حضرت نے ایک جملہ ارشاد فرمایا: پیارو! -حضرت شیخ کا تکیہ کلام تھا: (پیارو- پیارو!) اپنی قدر پہچانو اور واقعی طالبِ علم بننے کی کوشش کرو۔ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب نور اللہ مرقدہ کا جملہ انھوں نے اسی مجلس میں نقل فرمایا تھا کہ وہ فرمایا کرتے تھے کہ اگر تم حقیقی معنے میں طالبِ علم بن جاؤ تو دین اور دنیا کی تمام نعمتیں تمھیں حاصل ہیں۔ اصل ضرورت طالبِ علم بننے کی ہے۔

طالبِ علم کی حقیقت

اب طالبِ علم کس کو کہتے ہیں؟ اس کی تعریف کیا ہے تو حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب نور اللہ مرقدہ فرمایا کرتے تھے کہ طالبِ علم وہ ہے کہ ہر وقت اور ہر گھڑی اس کے دل و دماغ میں کوئی مسئلہ گردش کرتا رہتا ہو، جس کو سلجھانے میں وہ لگا رہتا ہو، گویا ''۲۴'' گھنٹے اس کا دماغ اسی میں مصروف ہو۔ جیسے ایک دوکان دار ہے، وہ بازار میں دوکان کھولے تجارت کے لیے بیٹھتا ہے تو ایسا نہیں ہے کہ جب وہ دوکان کھول کر بیٹھتا ہے، اسی وقت وہ تاجر ہے بلکہ دوکان بند کر کے جب گھر جائے گا، کھانا کھانے

کے لیے دستر خوان پر بیٹھے گا، تب بھی اس کا دماغ اپنی دوکان میں ہوگا، آرام کے لیے بستر پر لیٹے گا، تب بھی اس کے دل ودماغ میں اس کی دوکان ہی ہوگی، قضائے حاجت کے لیے بیت الخلا جائے گا تو وہاں پر بھی اس کی دوکان اس کے دل ودماغ پر سوار ہے تو وہ ''۲۴'' گھنٹے تاجر ہے، ایسا نہیں کہ جب دوکان میں ہے، تبھی دوکان دار اور تاجر ہے، اس کا ذہن اس میں مشغول ہے۔ یہی حال طالبِ علم کا ہونا چاہیے، ایسا نہیں کہ درس گاہ میں استاذ کے سامنے کتاب کھول کر بیٹھا ہے، تبھی طالبِ علم ہے اور چھٹی ہوئی تو سب بھول بھال گیا، نہیں بلکہ چھٹی کے بعد بھی جب مطبخ میں کھانے کے لیے جائے گا تو اس کے دل ودماغ پر کتابیں سوار رہنی چاہئیں، مسائل کو سلجھانے میں مشغول ہونا چاہیے۔ ہم اپنے اکابر کی زندگیوں کا مطالعہ کرتے ہیں تو یہ چیز صاف نظر آتی ہے۔

امام ابو یوسف علیہ الرحمۃ اور آپ کی علمی حرص

امام ابو یوسف علیہ الرحمۃ جو امام ابو حنیفہ علیہ الرحمۃ کے شاگردوں میں اولین مقام رکھتے ہیں اور فقہائے احناف میں ان کا اول درجہ ہے، ان کے حالات میں لکھا ہے اور علامہ عبد الحی لکھنوی علیہ الرحمۃ نے یہ واقعہ ہدایہ کے حاشیہ میں کتاب الحج میں جہاں رمی الجمار کا مسئلہ ہے، وہاں نقل بھی فرمایا ہے کہ امام ابو یوسف علیہ الرحمۃ مرض الوفات میں مبتلا تھے، ابراہیم بن جراح علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ میں آپ کی عیادت کے لیے حاضر ہوا، جب آپ کے سامنے بیٹھا تو آپ نے مجھ سے پوچھا کہ یہ رمی الجمار کس طرح کریں گے؟ پیدل کریں گے یا سوار ہو کر؟ تو میں نے عرض کیا کہ پیدل کریں گے۔ تو

آپ نے جواب دیا کہ تم غلط کہتے ہو۔ پھر میں نے عرض کیا سوار ہو کر کریں گے۔ تو فرمایا: تم غلط کہتے ہو پھر خود ہی فرمایا کہ ہر وہ رمی جس کے بعد دوسری رمی ہے تو وہ تو پیدل کی جائے گی اور جس رمی کے بعد دوسری رمی نہیں ہے، وہ سوار ہونے کی حالت میں کی جائے گی۔ حضرت ابراہیم بن جراح علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ میں اس کے بعد اٹھ کر واپس جانے لگا، ابھی تو صدر دروازے پر پہنچا بھی نہیں تھا کہ رونے والیوں کی آواز سنی، معلوم ہوا کہ حضرت الامام کا انتقال ہو گیا، فرماتے ہیں کہ مجھے امام ابو یوسف علیہ الرحمۃ کی حرصِ علم پر تعجب ہوا کہ موت کی گھڑی میں بھی ان کا دماغ مسئلے کو سلجھا رہا تھا۔

امام محمد علیہ الرحمۃ اور ان کا علمی شغف

حضرت امام محمد بن حسن شیبانی علیہ الرحمۃ امام ابوحنیفہ علیہ الرحمۃ کے شاگردوں میں دوسرا مقام رکھتے ہیں، فقہِ حنفی کی تدوین کا سہرا انہی کے سر ہے، انہی کی کتابوں کو ظاہری روایت اور غیر ظاہری روایت سے تعبیر کرتے ہیں۔ ان کے حالات میں لکھا ہے کہ انتقال کے بعد کسی نے ان کو خواب میں دیکھا تو پوچھا کہ آپ کی موت کس طرح ہوئی؟ تو انھوں نے جواب دیا کہ میں تو مُکاتب کے ایک مسئلے میں غور کر رہا تھا، میری روح کس طرح قبض ہوئی، مجھے پتہ ہی نہیں چلا تو موت کی سختی کی حالت میں بھی ان حضرات کا دل و دماغ مسائل کو سلجھانے میں لگا ہوا تھا۔

ابو ریحان بیرونی اور ان کا علمی ولولہ

ابوالحسن علی بن عیسی علیہ الرحمۃ کہتے ہیں کہ ابو ریحان بیرونی جو علمِ ہیئت کا بہت بڑا

ماہر ہے، ترقی کے اس دور میں بھی ہیئت داں ان کی کتابوں سے مستغنی نہیں ہیں تو کہتے ہیں کہ میں ان کے پاس حاضر ہوا، بالکل آخری وقت ہے، انھوں نے مجھ سے کہا کہ وہ جدّاتِ فاسدہ کا مسئلہ جو تم نے ایک مرتبہ مجھ سے بیان کیا تھا، ذرا دوبارہ بیان کرو۔ ابوالحسن کہتے ہیں کہ مجھے ان کے اوپر ترس آیا اور کہا کہ اس حالت میں؟ تو انھوں نے جواب دیا کہ میں کسی چیز کا علم دنیا سے لے کر جاؤں، یہ میرے لیے بہتر ہے اس سے کہ میں جاہلوں کی طرح جاؤں۔ ابوالحسن کہتے ہیں کہ میں نے ان کے سامنے وہ مسئلہ بیان کیا، انھوں نے وہ مسئلہ یاد کرلیا اور میرے سامنے ان کی روح پرواز کرگئی، یہ ہے علم کا شوق!

حضرت مفتی عزیز الرحمٰن صاحب عثمانی علیہ الرحمۃ اور ان کا علمی ذوق

آپ کہیں گے کہ مولوی صاحب! یہ تو پرانے زمانے کی بات ہے، نہیں۔ ہمارے اسلاف نے ان حضرات کے کارناموں کو تازہ کیا ہے۔ حضرت مفتی عزیز الرحمٰن صاحب عثمانی نور اللہ مرقدہ جو دارالعلوم دیوبند کے سب سے پہلے صدر مفتی ہیں، ان کے حالات میں لکھا ہے کہ جب ان کا انتقال ہوا تو ایک استفتاء تھا جس کو وہ پڑھ رہے تھے اور وہی ان کے سینے پر موت کے وقت پڑا ہوا تھا تو زندگی کے آخری لمحات میں بھی ان کا مشغلہ یہی تھا۔

حضرت علامہ انور شاہ کشمیری علیہ الرحمۃ اور ان کی علمی تشنگی

حضرت علامہ انور شاہ کشمیری علیہ الرحمۃ جن کے متعلق ہم سب ہی جانتے ہیں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان کو علم کا بحرِ ذخار بنایا تھا، حضرت مفتی محمد شفیع صاحب نور اللہ مرقدہ

نے مرض الوفات کے وقت کا واقعہ لکھا ہے کہ ایک روز صبحِ صادق کے وقت دیو بند میں یہ افواہ پھیلی کہ حضرت شاہ صاحب کا انتقال ہو گیا، بیمار تو تھے ہی۔ حضرت کے جو متعلقین تھے، ان پر غم کا پہاڑ ٹوٹ پڑا، نماز سے فارغ ہو کر ہم سب حضرت کی حالت معلوم کرنے کے لیے آپ کے گھر پر حاضر ہوئے، حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی علیہ الرحمۃ بھی تھے، جب گھر پہنچے تو معلوم ہوا کہ الحمد للہ وہ خبر غلط تھی، حضرت ابھی بقیدِ حیات ہیں، حضرت کے کمرے میں جب پہنچے تو دیکھا کہ جس چوکی پر نماز ادا فرماتے تھے، وہاں تکیے پر کتاب رکھی ہوئی ہے اور صبح کی روشنی کم ہونے کی وجہ سے جھک کر اس کے مطالعے میں مشغول ہیں۔ یہ منظر دیکھ کر حیرت ہوئی۔

یہ کتاب بھی ایک ’’روگ‘‘ ہے جو مجھ کو لگا ہوا ہے

حضرت علامہ عثمانی علیہ الرحمۃ نے ناز کے ساتھ ہمت کر کے عرض کیا: حضرت! بات سمجھ میں نہیں آئی، آخر وہ کون سی ایسی بحث ہے جو آپ کے مطالعے میں نہ آئی ہو اور اگر نہیں آئی تو ایسی کون سی فوری ضرورت پیش آ گئی جس کی وجہ سے بیماری کی اس حالت میں آپ کو مطالعہ کرنا پڑا اور اگر ایسا ہی تھا تو ہم خدام کیا مر گئے تھے، آپ ہمیں فرما دیتے تو ہم دیکھ کر آپ کو عرض کر دیتے لیکن اپنی اس بیماری میں آپ کتاب کے مطالعے میں مشغول ہیں! آپ اپنی صحت کا خیال نہیں فرما رہے ہیں، حضرت مفتی صاحب فرماتے ہیں کہ یہ بات سن کر حضرت شاہ صاحب بڑی معصومیت کے ساتھ، سادگی کے ساتھ تھوڑی دیر تو علامہ عثمانی علیہ الرحمۃ کو دیکھتے رہے پھر فرمایا کہ یہ کتاب بھی

ایک ''روگ'' ہے جو مجھ کو لگا ہوا ہے۔

پگھلنا علم کے خاطر مثالِ شمع زیبا ہے

آج ضرورت ہے کہ یہ کتاب والا روگ ہم خود لگالیں، جب تک ہمارا مزاج اس نوع کا نہیں بنے گا، ہم کچھ بن نہیں سکتے۔ حضرت مولانا قاری صدیق صاحب باندوی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ جب تک طالبِ علم کا مزاج علمی نہ بنے کہ ہر وقت اس کے ہاتھ میں کتاب ہو، ہر وقت وہ کسی نہ کسی مسئلے کو سلجھانے میں مشغول ہو، اس وقت تک وہ علمی خدمات انجام نہیں دے سکتا۔

واقعی جینا انہی کا ہے بھلا دنیا میں

حضرت حکیم الامت نور اللہ مرقدہ کے متعلق حضرت ڈاکٹر عبدالحی صاحب عارفی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ آخری بیماری کے وقت میں اطباء نے آپ کو لوگوں کے ساتھ ملاقات سے، بات چیت سے منع کر دیا تھا، بستر پر لیٹے ہوئے ہیں، آنکھیں بند ہیں، آنکھ کھلی تو دریافت فرمایا کہ مولوی محمد شفیع صاحب کہاں ہیں؟ تو ان کو بلایا گیا، وہ آئے تو فرمایا کہ میں ابھی لیٹے لیٹے فلاں آیت میں غور کر رہا تھا، اس کے اندر سے یہ مسئلہ مستنبط ہوتا ہے، میں نے کسی کتاب میں یہ مسئلہ نہیں دیکھا، چوں کہ تم احکام القرآن ترتیب دے رہے ہو؛ اس لیے تم کو بتا دیا؛ تا کہ جب تم اس آیت پر پہنچو تو اس کو لکھ لو۔ لوگوں نے کہا کہ حضرت! اطباء نے آپ کو بات چیت کرنے سے منع کر دیا ہے، اس کے باوجود آپ اس طرح بات چیت کر رہے ہیں تو جواب میں فرمایا: مولوی صاحب!

زندگی کے وہ لمحات جو کسی کے کام نہ آئیں، وہ کس مقصد کے!

علم میں زیادتی کی دعا کا حکم حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی ہے

تو ہماری زندگی کا یہ مقصد ہونا چاہیے۔ علم ایک بحرِ ناپیدا کنار ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کیا حکم دیا؟ میں نے ابھی آیت پڑھی تھی: وَقُلْ رَّبِّ زِدْنِي عِلْمًا، علومِ شرائع میں سے کون سا علم ہے جو اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عطا نہیں فرمایا تھا؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے: أُعْطِيتُ عِلْمَ الْأَوَّلِينَ وَالْآخِرِينَ، اس کے باوجود اللہ تبارک وتعالیٰ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حکم دے رہے ہیں کہ آپ کی دعا یہ ہونی چاہیے کہ اے اللہ! آپ میرے علم میں ترقی عطا فرمائیے۔ علم اللہ تبارک وتعالیٰ کی صفت ہے، جس طرح اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذات غیر متناہی ہے، اسی طرح اس کی یہ صفت بھی غیر متناہی ہے اور آدمی کو اس کے لیے اپنی ذات کو فنا کر دینا چاہیے۔

العلم لا يعطيك بعضه حتى تعطيه كلك

آپ نے نفحۃ العرب میں ایک عنوان پڑھا ہوگا۔ حضرت شیخ الادبؒ نے ایک عنوان قائم کیا ہے: العلم لا يعطيك بعضه حتى تعطيه كلك: جب تم اپنا سب کچھ علم کے اوپر نچھاور کر دو گے تو علم اپنا کچھ حصہ دے گا۔ یہ علم بڑی قیمتی دولت ہے اور اس کو حاصل کرنے کے لیے ہمارے اسلاف نے اپنے آپ کو قربان کر دیا تھا۔ آج ضرورت ہے کہ اسی مزاج کو پیدا کیا جائے۔ اگرچہ وہ بات اب نہیں ہو سکتی۔ میں کہا کرتا ہوں کہ ہمارے اسلاف کے زمانے میں جس طرح کی مشقتیں اٹھائی جاتی تھیں،

مجاہدے اور ریاضتیں برداشت کی جاتی تھیں، اگر آج علم کا حصول ان مجاہدوں، مشقتوں اور ریاضتوں پر موقوف ہوتا تو شاید دو چار گنے چنے عالم ہی اس دنیا میں موجود ہوتے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہمارے لیے اتنی سہولتیں پیدا کر دیں، ہر چیز یہاں موجود ہے، اس کے باوجود ہم حصولِ علم میں غفلت سے کام لیتے ہیں۔

اسلاف کی علمی پیاس

امام ترمذی علیہ الرحمۃ نے شمائل میں "**بَابُ مَا جَاءَ فِي لِبَاسِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ**" میں ایک روایت ذکر فرمائی ہے اور اپنے استاذ محمد بن فضل علیہ الرحمۃ سے ایک واقعہ نقل کیا ہے، روایت یہ نقل کی ہے کہ مرض الوفات میں نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یمن کی بنی ہوئی قطری چادر اپنے جسم پر لپیٹے ہوئے حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کے سہارے سے تشریف لائے اور نماز پڑھائی۔ یہ روایت امام ترمذی اپنے استاذ محمد بن فضل سے روایت کرتے ہیں، اس کے بعد ان ہی کے حوالے سے نقل کرتے ہیں کہ میرے استاذ نے ایک مرتبہ فرمایا کہ ایک مرتبہ یحیی بن معین علیہ الرحمۃ نے مجھ سے اس روایت کو سنانے کی فرمائش کی۔

موت کا دھیان بھی لازم ہے کہ ہر آن رہے

فرماتے ہیں کہ میں نے حدیث بیان کرنا شروع کیا: حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ سَلَمَةَ، حدیث بیان کرتے ہوئے جب میں نے "حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ سَلَمَةَ" کہا تو یحیی بن معین علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ اگر آپ یہ حدیث اپنی کاپی میں سے یعنی اپنے پاس جو لکھی

ہوئی محفوظ ہے، اس میں سے بیان کرتے تو زیادہ مناسب تھا۔ ایک بڑے آدمی نے یہ بات کہی تھی؛ اس لیے فرماتے ہیں کہ میں اٹھا تا کہ اپنے کمرے میں سے کاپی لے آؤں اور ان کی خواہش کے مطابق اس میں دیکھ کر بیان کروں تو انھوں نے میرا کپڑا پکڑ لیا اور فرمایا کہ روایت تو بیان کرتے جاؤ، کہیں ایسا نہ ہو کہ میری آئندہ آپ سے ملاقات نہ ہو سکے (۱)۔

اس حدیث کی شرح میں حضرت شیخ علیہ الرحمۃ نے خصائلِ نبوی میں لکھا ہے کہ اس سے دو باتیں معلوم ہوتی ہیں: ایک یہ کہ ہمارے اسلاف کو ہر گھڑی موت کا استحضار رہتا تھا اور دوسری بات ان کے علم کی حرص ہے کہ دیکھو کہیں وہ کاپی لینے جاویں اور میں وفات پا جاؤں اور اس روایت سے محروم رہ جاؤں تو پہلے انھوں نے اس روایت کو زبانی بیان کیا پھر کمرے میں گئے اور کاپی لے کر کے آئے اور اس میں دیکھ کر کے بیان کیا۔

اللہ تبارک وتعالیٰ ہم سب کو علم کا وہ شوق اور جذبہ اور حرص جو ہمارے اکابر کے اندر موجود تھی عطا فرمائے اور علم کی حقیقت سے ہمیں آگاہ فرمائے۔ (آمین)

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔

(۱) شمائلِ ترمذی، ص ۶۷، رقم الحدیث: ۵۴.